462

خطوطِ غالب

جلد دوم

محترم جناب
ڈاکٹر نثار قریشی صاحب کے
ذوقِ مطالعہ کی نذر

عارف ثاقب
۱۸/۲/۹۲

خطوطِ غالب

جلد دوم

مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

۳

خطوطِ غالبؒ

جلد دوم

باہتمام

غلام رسول مہر

۱۹۶۹

مجلسِ یادگارِ غالب

★

صدرِ مجلس:

پروفیسر حمید احمد خان ستارۂ پاکستان / ستارۂ امتیاز وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبد الرحمٰن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہرؔ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبۂ فلسفہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سیّد امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلس ترقیٔ ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن لاہور

کیپٹن عبد الواحد مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمٰن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدّین احمد صدر شعبۂ امور طلبا پنجاب یونیورسٹی لاہور

گروپ کیپٹن سیّد فیاض محمود ناظم شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سیّد عبد اللہ صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ناظم ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورینٹیل کالج و صدر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

سید وقار عظیم غالب پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلہ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبۂ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

معتمد

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان ڈھاکہ

ڈاکٹر عبد الشکور احسن، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب معتمد

سید سجاد باقر رضوی لیکچرر انگریزی یونیورسٹی اورینٹیل کالج لاہور

پیش لفظ

مجلسِ یادگارِ غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مُطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مُقرر ہُوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اُنھیں مَیں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہُوں۔

یُونیورسٹی کے ایک اَور فیصلے کی رُو سے شعبۂ اُردو میں کُرسئ غالب قائم ہُوئی۔ مَیں مسرّت کے ساتھ اِعلان کر رہا ہُوں کہ اِس اسامی پر پروفیسر سیّد وقار عظیم کا تقرر کِیا جا چُکا ہَے۔

(پروفیسر) علاءُ الدّین صِدّیقی

وائس چانسلر، جامعۂ پنجاب

لاہور

سَینٹ ہال

مارچ ۱۹۶۹ء

تعارف

★

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پُورے ہو رہے ہیں۔ اِس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبۂ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی "کرسیِ غالب" قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلۂ مطبُوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سیّد سجّاد باقر رضوی شریک معتمد مقرّر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبدالشکور احسن مجلس کے دُوسرے معتمد قرار پائے۔

اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلۂ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدرِ مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسّر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلۂ کُتب کی ترتیب تالیف یا تصنیف میں حصّہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلّقہ کتاب کے سرورق

کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اِس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جارہی ہے۔

مجلس کے سلسلۂ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اُردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونی ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ اِن سب کتابوں پر مؤلّفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوانِ غالب کا نسخۂ حمیدیہ، جسے صدرِ مجلس نے مرتّب کیا ہے، ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقّیِ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صِرف یہی ایک کتاب مجلس یادگار غالب کی مطبوعات میں شامِل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اِس یگانۂ رُوزگار کے شخصی، فنّی اور فِکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشِش کی گئی ہے۔ جو انگریزی داں لوگ اُردو نہیں جانتے ہیں

غالب کے فکر و فن سے متعارف کرانے کے لئے ایک مفصّل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے - ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلّق معلومات فراہم کی گئی ہیں - پھر اس سوال کا جواب کہ "میں نے غالب سے کیا پایا" ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے - اِس میں متعدّد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثّرات جمع کئے گئے ہیں - اسی طرح ایک اور مجموعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے -

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں - گویا اِن کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعدِ ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے - مجلس کو یقین ہے کہ اِس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی - خدا کرے کہ دنیا کو ہند اسلامی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائگاں نہ جائے -

حمید احمد خاں

صدر مجلس یادگار غالب

جامعۂ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال

فروری ۱۹۶۹ء

فہرست مضامین

چودھری عبدالغفور خاں سرور

چودھری عبدالغفور خاں سرور، میرزا غالب کے مخلص نیاز مندوں میں اس اعتبار سے بطور خاص ممتاز ہیں کہ انہیں سب سے پہلے اردو مکاتیب کی جمع و ترتیب کا خیال آیا اور میرزا تفتہ یا شیو نرائن آرام کی طرح میرزا سے اجازت لینے کے تکلف میں نہ پڑے، بلکہ اپنے نام کے نیز حضرت صاحب عالم مارہروی اور حضرت شاہ عالم کے نام کے خطوط مرتب کر کے ان کا نام ''مہر غالب،، رکھا اور اس پر ایک دیباچہ بھی لکھ دیا۔ یہ مجموعہ صرف ''عود ہندی،، ہی کا جوہر نہ بنا بلکہ حقیقۃً اسی آغاز کے نتیجے میں مکاتیب غالب کے مختلف مجموعے مرتب کرنے کی طرف توجہ منعطف ہوئی۔ ''عود ہندی،،، ''اردوے معلی،،، ''مکاتیب غالب،،، ''نادرات غالب،، وغیرہ ''مہر غالب،، ہی کی وجہ سے منظر عام پر آئے۔

چودھری صاحب مارہرہ (ضلع ایٹہ، یو پی) کے رئیس اور قوم کے کمبوہ تھے۔ علاوہ بریں خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ کے سجادہ نشین حضرت صاحب عالم سے چودھری صاحب کے روابط بہت گہرے تھے اس مجموعے میں سے بعض خط یقیناً تلف ہو گئے جیسا کہ میں نے مختلف مواقع پر اشارہ کیا ہے، لیکن جو کچھ بھی محفوظ رہ گیا، اس کے لیے ہم سرور ہی کے ممنون احسان ہیں۔

یہی مجموعہ مزید خطوط کی فراہمی اور ترتیب کے سلسلے میں کئی سال خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کی تحویل میں رہا اور ۱۸۶۶ء کے وسط میں منشی ممتاز علی خاں میرٹھی کے حوالے ہوا جو بقول خود اس کے محرک اول تھے۔ میرزا کی وفات سے قریباً چار مہینے پیشتر، ''عود ہندی،، کے نام سے شائع ہوا۔

سرور دیباچے میں لکھتے ہیں :

جب کلام بلاغت نظام رشک صائب، فخر طالب جناب اسداللہ خاں صاحب غالب کا دیکھا، دل کو بھایا، یکتا پایا۔ ترسیل مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کتابت کا جواب آیا۔ سبحان‌اللہ! وہ زبان کہاں پاؤں کہ ان کے خلق کا بیان لب پر لاؤں .... کبھی جواب مراسلہ میں تساہل و درنگ، اور اصلاح شعر و عبارت میں دریغ و ننگ نہ فرمایا..... پس تنہا متلذذ ہونا اور آپ ہی مزا اٹھانا خلاف انصاف جانا، دل مائل تمام بہ شہرت عام ہوا۔

پھر لکھتے ہیں کہ اسی اثنا ممتاز علی میرٹھی مارہرہ آئے۔ انہوں نے انطباع خطوط کا بیڑا اٹھایا، میں نے خطوط مرتب کر دیے :

چونکہ محبت جناب غالب کی مجھ پر بہت غالب ہے، لہذا نام اس انشا کا ''مہر غالب،، بہ کسر میم مناسب ہے۔ سال ختم تالیف بھی اسی نام سے پایا۔

تاریخ تالیف کا قطعہ یہ تھا :

انشا مملوبہ صد مطالب لکھی — یعنی پئے دوستان طالب لکھی
موسوم کیا جو ''مہر غالب،، سے سرور — تاریخ بھی اس کی ''مہر غالب،، لکھی

۱۲۷۸ھ

کہتے ہیں سرور فارسی بہت اچھی جانتے تھے اور صرف فارسی شعر کہتے تھے۔ اردو میں حسب بیان ''تلامذۂ غالب،، ان کا ایک نعتیہ قصیدہ ملا ہے اور ایک قطعہ جو سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے بیٹے کی ولادت پر لکھا تھا (ص ۱۰۱) سنا ہے سرور کا انتقال بیسویں صدی کے اوائل میں ہوا۔

---

(۱)

چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی کی، ورنہ میں سزاوار ستایش نہیں ہوں۔ ایک سپاہی زادہ ہیچ‌مداں اور دل افسردہ و رواں

فرسودہ ، ہاں، ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کے پرداز میں میرا قول اکثر خلاف جمہور پائیے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں، کیا یہ سب ایزدی سروش (۱) ہیں اور ان کا کلام وحی ہے؟ اپنے اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہے، مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ صحیح ہے۔

اسی چھاپے میں آپ جس کا حوالہ دیتے ہیں :

منکہ باشم عقل کل الخ (۲)

اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجیے ۔ عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و تامل کے بعد سمجھ ایجیے تو وہ معنی ہر گز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اس کو قبول کرے۔

پھر :

'' احسان تو بشگفتہ،،الخ (۳)

اس مصرع کی توجیہ کتنی بے مزہ اور بے نفع ہے؟ عرفی کو کہاں سے لاؤں جو اس سے پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں ؟

قصہ کوتاہ :

---

(۱) خبر خیر لانے والے خدا کے سچے فرشتے جن سے کسی غلطی اور خطا کا امکان ہی نہیں ۔

(۲) عرفی کا مشہور شعر ہے، جو قصیدہ حمدیہ میں آیا ہے۔

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب
مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

(۳) یہ بھی عرفی کے نعتیہ قصیدے کا شعر ہے :

انعام تو بردوختہ چشم و دہن از
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

دیوان گری محبت تو ق کامروز مسلم ست مارا
بیگانہ ز تاج کرد تارک آوارہ ز کفش کرد پارا (۱)

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ ''دیوانگی،، میں یہ حالت بعید نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب ''دیوانی،، سے یہ بات بعید ہے، تو پھر شارح کیا جواب دے گا؟ ہاں یہ کہے گا کہ غلبۂ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب کچہری سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔

ہم نے مانا، مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ ''دیوانگی،، کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں؟

فقیر کے نزدیک ''دیوانگی محبت،، تو صحیح اور بے تکلف ہے اور ''دیوانگی و محبت تو،، غلط محض اور ''دیوانگری محبت تو،، تکلف محض۔ دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں؟ غور کیجیے، عطف واؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش بے جا تھے، محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ!

ہاں ''دیوانگی محبت،، یعنی وہ جنون جو فرط محبت میں بہم پہنچا، اس نے اس احوال کو پہنچایا۔ فقیر ''دیوانگی محبت،، کہے گا اور ''دیوانگی و محبت،، کہنے کو منع کرے گا اور ''دیوانگری محبت،، کہنے کو نہ مانع آئے گا، نہ تسلیم کریگا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں۔ یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجا لاتا ہوں اور بس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب کی طرف ہے۔ اپنے مخدوم و مطاع حضرت صاحب کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور

---

(۱) یہ بھی عرفی کے نعتیہ قصیدے کے شعر ہیں۔

(۲) صاحب عالم مار ہروی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ جن کے ساتھ سرور کے خاص گہرے تعلقات تھے۔

حیران ہوں کہ اور کیا کہوں۔ یہ مدعا چودھری صاحب کی تحریر سے معلوم ہو گیا تھا، اس کا جواب لکھا گیا۔ حضرت کے دستخط خاص کی لکھی ہوئی عبارت سے جو سمجھتا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں اور جو مجھ سے نہیں پڑھا گیا وہ تعویذ بازو کر رکھتا ہوں۔ اگر بفرض محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کر کے پاسخ گزار ہوں گا۔

ہاں حضرت سچ ہے میر ابن حسن خاں میرے دوست ہیں اور مرزا عباس میرا بھانجا۔ فتنہ و فساد کے زمانے میں بلگرام میں رہا، اب وہ فرخ آباد میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔ آپ کی اور بھائی منشی نبی بخش صاحب کی ملاقات سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ یاد رہے سخن فہمی اس بزرگوار کا حق ہے۔ اب آگرہ میں بے کار اور پنسن کے امیدوار ہیں۔

مصرع :

تا ہر چہ گفتے از تو مکرر شنودمے

''شدے،، کی رعایت سے کہ وہ بیائے مجہول ہے بمعنی ''می شد،، اکثر صاحب ''گفتے،، کو بیائے مجہول پڑھتے ہیں تا کہ می گفت کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں خطاب سے بطرف غیب کے رجوع کرتے ہیں اور ''گفتی،، بیائے معروف سے صیغۂ واحد حاضر ہے، از منہ میں سے اشعار(۱) زمانۂ ماضی رکھتا ہے اور ''شدن،، ''شود،، یہ سب استقبال کے مقتضی ہیں اور معروف گفتی ماضی ہے۔ پس اگر ''گفتے،، بیائے معروف کہیے تو اوپر کے مصرع میں بدے کہنا ہوگا، بودے کا مخفف۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہاں ''بدے،، کہیے تو یہاں ''گفتی،، بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہے اور وہاں ''شدے،، کہیے تو یہاں ''گفتے،، بیائے مجہول کہیے۔ غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجئے۔ گفتے بیائے مجہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے اور تو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نظائر اس کے فارسی میں بہت ہیں۔ رباعی کے باب کی پرسش ہر گز نہ رہے،

---

(۱) اشعار (الف مکسور) آگاہی دینا۔

نہیں لکھی (۱) - زیادہ حد ادب -

۱۸۵۷ء (غدر سے پیشتر)

(۲)

بندہ پرور،

مہربانی نامہ آیا، آنکھوں سے لگایا - فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے - پھر تتبع کلام اہل زبان، لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کی موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں - نہ ترکیب فارسی، نہ معنی نازک - ہاں الفاظ فرسودہ و عامیانہ جو اطفال دبستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں، وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں - جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید و طواط اور ان کے امثال و نظائر کا کلام بالا ستیعاب دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعوجاج (۲) کی طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے -

''منکہ باشم،، (۳) اس کی جو شرح چھاپے میں لکھی ہے اوس کو ملاحظہ کیجیے اور معنی میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں -

پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیئے کہ ''از اوج بیان انداختہ،، کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے؟ اگر ''عقل کل،، کو ''انداختہ،، کا مفعول اور ''منکہ،، کے کاف کو کدامیہ ٹھہراؤ گے تو بے شبہ ''انداختہ،، کے فاعل دو ٹھہریں گے - ایک ''ناوک انداز ادب،، اور ایک ''مرغ اوصاف تو،، ایک فعل اور دو فاعل، یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے؟

---

(۱) اس سے ظاہر ہے کہ یہ پہلا خط نہیں - سرور نے خط محفوظ کرنے کا پورا اہتمام کیا تا ہم بعض خط یقیناً تلف ہوگئے - کم از کم حضرت عالم مارہروی کے نام کے خط - رباعی کا تعلق انہیں سے ہے -

(۲) کجی - ٹیڑھا پن -

(۳) وہی عرفی کا شعر جس کا ذکر پہلے مکتوب میں آ چکا ہے -

اب فقیر سے اس کے معنی سنیے — ''من،، انداختہ کا مفعول، ''را،، مقدر، ''منکہ،، کا کاف توصیفی، ناوک انداز ''ادب آموز،، یعنی استاد، ''مرغ اوصاف تو،، فاعل یعنی مجھ کو کہ عقل کل کا استاد ہوں، تیرے مرغ اوصاف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلی ہے، اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا، مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے کہ جہاں اس ناوک انداز کو ناوک پہنچانے کی گنجایش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آ جانا ہے۔ قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز کا، باوجود دعوائے قدرت:

ایثار تو بر دوختہ چشم و دہن آز

اس کے تو معنی وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا:

احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

یعنی احسان تو ہر قطرۂ دریا بشگافت تاہم بقید حساب نیامد، یہ ہیچمدان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے مگر خیال میں جب آئے گی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا میں مروارید و یاقوت و بحر و معدن کی کم بختی آتی ہے۔ لعل و در کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانے میں اسی زمین میں قصیدہ لکھ کر وزیرالدولہ (۱) والی ٹونک کو بھیجا تھا، اس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں۔

ناموس نگہ داشتی از جود بگیتی جز پرد گیان حرم معدن ویم را
وقت است کہ ایں قوم بہ ہر کوچہ و بازار پر سند زہم منشاء رسوائی ہم را

''پرد گیان حرم معدن و یم،، یعنی لعل و گوہر جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں، وہ باہمد گر درد مندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں۔ ہم کو اس قدر بے حرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے؟

---

(۱) وزیرالدولہ محمد وزیر خان (بن امیرالدولہ محمد امیر خان) والد کے انتقال پر ۱۸۳۴ھ میں مسند نشین ہوئے اور ۱۸ - جون ۱۸۶۴ء کو وفات پائی۔

قطرۂ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا بے حساب ہے۔ مقولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہات آئے وہ بخش دے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرے میں بالقوہ استعداد موتی ہو جانے کی ہے، تو اس احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آویں تو وہ سائلوں کو دیے جاویں۔ پہلے مصرع میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعرا ممتنع اور اس کا وقوع میں آنا اغراق (۱)۔ دوسرے مصرع میں بہ احتمال استعداد بالقوہ قطرے کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو، یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو (۲) ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ مخدوم مکرم و مطاع معظم، قبلۂ دیدہ و دل کہ جو میرے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں، خدا کرے ایسا ہی ہو، جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور امر، بحسب مساعدت اسباب ہے، تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ شباب (۳) ہے۔ کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آنے کی۔ اگرچہ حیز امکان سے باہر نہیں مگر وقوع میں تامل ہے۔

اب جو بھائی نبی بخش صاحب کو خط لکھوں گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دوں گا۔ آپ نے احباب ابعاض کی خیر و عافیت عموماً لکھی، بالتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا، کیا وہ وہاں نہیں ہیں؟ اور اگر اور کہیں ہیں تو ان کا حال مجھ کو لکھیے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام ان کو کہیے۔

---

(۱) اغراق، لفظی معنی غرق کرنا۔ اصطلاح میں ایسے مبالغے کو کہتے ہیں جو از روے عقل ممکن معلوم ہو لیکن بہ اعتبار عادت محال ہو۔

(۲) از روے لغت حد سے گزر جانا۔ اصطلاح اس مبالغے کو کہتے ہیں جو عقل و عادت دونوں کے اعتبار سے محال نظر آئے۔

(۳) یعنی جس طرح جوانی واپس نہیں آ سکتی اسی طرح اس تمنا کا پورا ہونا بھی ممکن نہیں۔

رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اس کا ایک وزن معین ہے۔ عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم۔ کے یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے۔ "مفعول مفاعلن فعولن"، ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور، اس وزن پر فعلن بڑھا دیا ہے، "مفعول مفاعلن فعولن فعلن"، زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام "بحر رباعی"، ہے۔ رباعی سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں، اس راہ سے ہے کہ مصرعے چار ہیں، ورنہ رباعی نہیں ہے، نظم ہے۔ قدما کو بیشتر اس کا التزام تھا کہ ہر مصرع میں قافیہ رکھتے تھے۔ خاقانی برعایت صنعت ذوقافیتین کہتا ہے۔

من بودم و آں نگار روحانی روے افگندہ دراں دو زلف چوگانی گوے
خلقے بدر ایستادہ خاقانی جوے من در حرم وصال "سبحانی"، گوے

میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں۔ ایک رباعی چار قافیے کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے، بے رعایت صنعت ذو قافیتین:

دارم دل شاد و دیدۂ بینائے وز کری گوشم نبود پروائے
خوب است کہ نشنوم زھر خود رائے گلبانگ "انا ربکم الاعلاے"،

فقیر اس باب میں متعصب ہے، اور(۱) وزن کے دو بیت میں قافیہ والی کو رباعی نہ کہے گا۔

نثر عاری، نہ قافیہ نہ وزن، ۔ نثر مسجع، قافیہ موجود، وزن مفقود، مگر اس میں ترجیع کی رعایت ضرور ہے۔

یعنی فقرے میں کے الفاظ مماثل اور ملائم ہمد گر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہوگی اور صرف قافیہ ہوگا تو اوس کو مقفیٰ کہیں گے، نہ مسجع۔ نثر مرجز وہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو۔ جب آپ لالہ قتیل کے گھڑے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجھ کو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں؟ زمانہ گزشتہ میں بھائی ضیاالدین خاں صاحب نیر تخلص ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا

---

(۱) یہاں "اور"، بہ معنی "کسی اور"، ہے یعنی میں بحر رباعی کے سوا دوسرے وزن کے چار مصرعوں کو رباعی نہ کہوں گا۔

مجھ کو دکھلانے لائے تھے۔ اوس میں نثر مرجز تھی۔ میں اوس دن نواب مصطفیٰ خان حسرتی و شیفتہ کو خط لکھا چاہتا تھا۔ اوسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط پنج آہنگ میں ہے۔ مگر میں نے اس طرز میں بمقتضاے شوخی طبع یہ بات کی ہے کہ ایک جگہ جو فقرے مقفیٰ ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجھ کو پسند آئے ہیں، میں نے اون کو یوں ہی رہنے دیا ہے۔ اوس کو دستور میں تصور نہ کیجیے گا۔ وہ رقعہ یہ ہے:

ہاں، خواجۂ بے پروا، من بندہ کہ غمناکم و ز غصہ جگر چاکم، خواهم سخنے گفتن۔ آں روز کہ مے رفتند، آں نامہ فرستادند، کز دیدن آں خوں شد، دل تا جگر از اندوہ۔ گفتم چکنم غالب، چوں کار دگرگوں شد۔ می بایدم اینک رفت تا عذر سخن خواهم، چوں گرد و غبارے بود، رفتن نتوانستم۔ آں روز بشام آمد، لا بلکہ سیہ تر شد۔ سرماندہ ببالین بر، چوں غم زدگاں خفتم۔ ہے ہے چہ تواند خفت، آں خستہ کہ غمخوارش، بر زخم نمک ریزد، وز دیدۂ بیدارش، شورا بہ رواں باشد۔ چوں از افق شرق، خورشید درخشندہ، ناگاہ سرے برزد، آتش بہ جہاں درزد، مرغ سحری پرزد۔ رفتم بہ جگر کاوی، واں راز نہانی را، از دل بہ زباں دادم، و ز صورت تنہائی، بے پردہ چوں همرازاں نے آمد و همدم شد(۱)۔ چندانکہ دم اندر نے از مہر دمیدم من، چوں من بنوا آمد، زاں نالہ کہ لب بربود، از باطن نے سرزد۔ آں دم کہ نفس با نے، زینگونہ کشاکش کرد، یک کاغذ ننوشتہ، بود است بدستم در۔ چوں نالہ نمودے داشت، زاں شعلہ کہ دودے داشت، بر صفحہ نشانہا ماند۔ گفتم مگر ایں صفحہ، غمنامۂ رازستے، فہرست نیاز ستے۔ باید کہ فروپیچم، وانگہ بہ نشانمندی، زی خواجہ رواں سازم۔ کوتاہ کنم گفتن، آں نامہ کہ من گفتم۔ حجّاب در دالا، بردند و رواں کردند۔ ہر چند در اندیشۂ، پیداست کہ خوش باشد، با خواجگی استغنا، با اینہمہ خوش نبود، پوزش نہ پزیرفتن۔ امروز سحرگاہاں، روشن گہر آں نیر، کش روح و رواں دانم، بل خوشتر ازاں دانم، دیوان نظامی را،

---

(۱) یہاں "نے" سے مراد حقہ ہے۔

آورد بسوے من، زینگونہ نواہا بود، در پردۂ گفتارش ، کز ذوق ہنجارش ، ایں زمزمہ سر کردم ۔ والا گہر اکبر خاں، خوانند سلام از من (۱)
(۱۸۵۷ء)

(۳)

جناب چودھری صاحب کی یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجا لاتا ہوں ۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا ۔ مثنوی کو جداگانہ بطریق پمفلٹ بھیجتا ہوں اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں ۔ لفافہ اس کا بھی آپ کے نام کا ہے۔

آپ کے خواب کا ماجرا اور صبح کو ادھر کا قصد اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر تابستان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آ جاتے تو ممکن تھا ، مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرور رکھتا ہے ۔ اگر خبر نہ ہو ، تو نہ ہو، اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے۔ زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجیے گا کہ دلی کی عملداری میرٹھ اور آگرہ اور بلاد شرقیہ کی مثل ہے یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے، نہ قانون، نہ آئین ۔ جس حاکم کی جو رائے میں آوے وہ ویسا ہی کرے بہ ہر حال :

اے وائے ز محرومی دیدار و دگر ہیچ

ان شاءاللہ‌العظیم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن و امان کی ہو جائے گی ، مگر میری آرزو بہ استیفا اس صورت میں بھی بر نہ آئے گی ۔ میں یہ تاکے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ ہم تم ہوں اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں اور باہم حرف و حکایت کریں ۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا ہے تو میں مارہرہ کو آتا ہوں ۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اسی جلسہ میں تمہارے دیدار کا شوق ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دے گا۔

---

(۱) کلیات نثر غالب (فارسی) طبع سوم (۱۳۰۱/۱۸۸۴ء) ص ۲۰۳ ۔

صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی ہے(۱)۔ اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہوں گے، تب یہ تراوش خونابہ ظہور میں آئی ہوگی۔ مزا یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے، اس واسطے انجام و آغاز ، اندازہ و انداز کچھ نہیں سمجھا۔ حک و اصلاح کو آپ بہ نظر امعان ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے بحسب دستور ہر جگہ منشأ اصلاح لکھ دیا ہے۔ شیخ صاحب(۲) سے میرا سلام کہیے گا اور کہیے گا کہ کیا کروں، دور ہوں، معذور ہوں۔ مدد نہیں کر سکتا۔ اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تمہارا نگہبان رہے۔ والسلام

(۱۸۵۸ء) (۳)

(۴)

بندہ پرور،

آپ کا تفقد نامہ(۴) محررہ ۱۵- نومبر آج پنجشنبہ کے دن ۱۸- نومبر کو یہاں پہنچا۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا ہے، دلی کا خط مارہرہ دیر میں کیوں پہنچتا ہے؟ لو تمہاری خوشی، اب کے بیرنگ بھیجتا ہوں(۵)۔ مگر مجھ کو اطلاع دیجیے گا کہ کس دن پہنچا۔

---

(۱) یہ شیخ عطا حسین عطا مارہروی کی مثنوی کا ذکر ہے، جس کا نام مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق ''شکایت سعایت،، تھا اور یہ ۱۲۷۱ھ (مطابق ۱۸۵۵ء) لکھی گئی تھی، اس میں عطا نے اپنے خلاف بعض لوگوں کی سازشوں اور چغلیوں کا ذکر کیا تھا۔

(۲) ان سے مراد شیخ عطا حسین عطا ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

(۳) نظر بظاہر یہ ۱۸۵۸ء کے موسم گرما کا خط ہے، کیونکہ اوائل تحریری ''تابستان،، کے پیش نظر عزم دھلی ملتوی کر دینے کا ذکر ہے۔ بعض اصحاب نے اسے فروری ۱۸۵۹ء کا قرار دیا ہے لیکن ''تابستان،، فروری میں نہیں ہوتا۔

(۴) تفقد کے لغوی معنی ہیں، گم شدہ کو ڈھونڈنا، مجازاً پرسش مزاج مہربانی۔

(۵) گویا سرور نے خود لکھا تھا کہ خط بیرنگ بھیجیے۔

۱۱- مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا - میں نے اسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کر دیا - بے شغل زندگی بسر نہیں ہوتی - اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی- جو سنا گیا وہ بھی ضمیمۂ سرگزشت کرتا گیا- مگر بطریق لزوم مالا یلزم اس کا التزام کیا ہے کہ بزبان فارسی قدیم، جو دساتیر کی زبان ہے، اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اسما کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے، کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے - چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم کی اور چونکہ وہ آپ کے بزرگ ہیں، جرأت نہ کر سکا کہ آپ کی نذر کروں اور سیر میں ان کو مشترک رکھوں - نذر ان کی ہے اور فیض یابی آپ کے مطالعہ سے (۱) -

ہیہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں، گویا مسخ کر دیتے ہیں - ان سے بعید نہیں، لیکن تم سے اور حضرت صاحب سے بعید ہے سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا-

من آں دریاے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت(۲)

دو کافوں کا علی‌التواتر آنا دوسری بات ہے، ''دریاے آشوب،، کیا ٹکسال باہر لفظ ہے- استعارہ بالکنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے- یہاں تو دریا چاہیے بے شائبہ استعارہ و کنایہ - عیاذاً باللہ! عرفی اگر ایک بڑا قدح بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا اس غریب کا مصرع یوں ہے :

من آں دریا پر آشوبم کہ از تاثیر خاصیت

''دریا،، موصوف ''پر آشوب،، صفت- دوسرے مصرعے کا کاف صفت کی تفسیر-

---

(۱) ''دستنبو،، کا ذکر ہے-

(۲) عرفی کے مشہور نعتیہ قصیدے کا شعر ہے جس کا مطلع ہے:

دل من باغبان عشق و حیرانی گلستانش
ازل دروازۂ باغ و ابد حد خیابانش

پورا شعر مطبوعہ قصائد کے متن کے مطابق یوں ہے :

من آں دریاے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت
کہ تسکین است موج انگیز و آرام است طوفانش

اب روے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ امیدوار ہوں کہ میرے ہم عمر مرشد(۱)، میرے ہم فن مخدوم، میری تقصیر معاف کریں گے۔ اگرچہ تریسٹھ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں، پر بینائی میں فتور نہیں، عینک سے اعانت چاہنی منظور نہیں۔ باوجود حدت بصر، بسبب نقص فہم کے دستخطی عبارت مجھ سے پڑھی نہیں جاتی(۲)۔ آگے جو دوبار میں نے جواب لکھا ہے، صرف قرائن ملحوظ رکھے ہیں، ورنہ عبارت باستیفا مجھ سے نہیں پڑھی گئی۔ آخر چودھری صاحب تو آپ کے معتقدوں میں بمنزلہ عزیزوں کے ہیں۔ جو آپ فرمایا کریں، وہ انہیں الفاظ کو لکھ دیا کریں۔ اب سب عبارت کا جواب جب لکھوں گا کہ کتاب(۳) کی رسید اور اس مطلب کا اعادہ تحریر بدستخط چودھری صاحب میرے پاس آ جائے گا۔

۱۸- نومبر ۱۸۵۸ء

(۵)

جناب چودھری صاحب،

آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے۔ دن بدھ کا، ربیع الثانی کی چوبیسویں (۱۲۷۵ھ) اور دسمبر کی پہلی (۱۸۵۸ء) کتاب(۴) کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی۔

---

(۱) ''ہم عمر،، اس لیے کہا کہ صاحب عالم مارہروی کی ولادت ۱۲۱۱ھ میں ہوئی اور میرزا کی ۱۲۱۲ء میں۔ مشہور لطیفہ ہے کہ صاحب عالم نے میرزا کو لکھا: ''تاریخ،، سے میری تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ میرزا نے جواب تحریر فرمایا:

ان کی ''تاریخ،، میرا ''تاریخا،،

یعنی ایک عدد (الف) بڑھانے سے میری تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔

(۲) دیکھیے شان ادب و احترام کہ یہ نہیں لکھا آپ ایسے انداز میں لکھتے ہیں کہ تحریر کے بعض حصے پڑھے نہیں جاتے۔ لکھا کہ اگر چہ نظر خاصی تیز ہے، تاہم عبارت کا ٹھیک نہ پڑھا جانا میرے نقص فہم کا نتیجہ ہے۔

(۳) یعنی ''دستنبو،،۔ (۴) دستنبو۔

حکیم عبدالرحیم خاں کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں یہاں کے قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے ہیں۔ میرے بھی آشنا ہیں، صرف سلام علیک ، زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو ان کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔

آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ جو لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے۔ حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بدستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار ان کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمایے گا، مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھ کو بھجوائیے گا۔ ضرور اور جلد۔

شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یکم دسمبر ۱۸۵۸ء

(۶)

جناب چودھری صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں اور شکر احسان بجا لاتا ہوں۔ ''حاشا،، اور ''حاش للہ،، کے جواب کو حوالہ ان سطور پر رکھتا ہوں، کہ جواب جناب حضرت صاحب کے ارشاد کے جواب میں لکھوں گا۔ آپ کو اتنا لکھنا اور کافی ہے کہ اپنے عم والا قدر جناب چودھری غلام رسول صاحب کو فقیر کا سلام نیاز پہنچائیے اور جناب شیخ عطا حسین صاحب عطا(۱) کو بھی سلام کہیے۔

اب خطاب جناب حضرت عالم صاحب کی طرف ہے۔ پیر و مرشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے، یعنی جو کچھ کہنا چاہیے اس کو کیوں کر لکھا چاہیے۔ وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا ، کچھ آپ نے فرمایا ، دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت ہمزبانی کہاں میسر؟

---

(۱) شیخ عطا حسین عطا (بن حکیم نجف علی) فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ میرزا غالب سے صرف اپنی مثنوی ''شکایت سعایت،، درست کرائی تھی۔ خوش مزاج اور بذلہ سنج تھے۔ اکلوتے صاحبزادے کی جواں مرگی نے کمر توڑ دی۔ ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ (۲۲- نومبر ۱۸۷۹ء) کو انتقال کیا۔ (تلامذۂ غالب ص ۲۳۹)۔

آپ کا حکم بجا لانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوالی سنگھ(۱) ثم متخلص بہ قتیل ، جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے، اس کی تصدیق نہ کرے ، تب تک اس کا کلام قابل استناد نہ ہو؟ قتیل اساتذۂ سلف کے کلام سے قطعاً آشنا ہی نہیں ۔ اس کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے کہ نواب سعادت علی خاں (۲) کے وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے ۔ بیشتر سادو، کشمیری یا کابلی و قندھاری و مکرانی ۔ احیاناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے ہو ۔ مانا کہ عظماے ایران میں سے بھی کوئی ہوگا۔

تقریر اور ہے، تحریر اور ہے ۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ وطواط (۳) سے اور شرف‌الدین علی یزدی(۴) اور ملا حسین واعظ کاشفی(۵) اور طاہر وحید(۶) سے ، یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے ؟ وہ سب طرح کی نثریں جو لالہ دیوالی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں ، نہ رقم فرمایا کرتے ؟

---

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے نزدیک صحیح نام ''دیوانی سنگھ،، ہے، بعض لوگوں نے دیوالی سنگھ لکھا ہے ۔

(۲) سعادت علی خاں نواب وزیر اودھ (۲۱ - جنوری ۱۷۹۸—۱۱- جولائی ۱۸۱۴ء) ۔

(۳) خواجہ رشیدالدین محمد معروف بہ وطواط بلغی ۔ خوارزم شاہیوں کا درباری شاعر تھا ۔ ستانوے سال کی عمر پا کر ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں فوت ہوا ۔

(۴) شرف‌الدین علی یزدی مصنف ''ظفرنامہ،، تیمور، وفات ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء ۔

(۵) ملا حسین واعظ کاشفی ، انوار سہیلی، اخلاق محسنی، تفسیر حسینی وغیرہ کے مصنف اور مشہور واعظ و خطیب ۔ وفات ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء ۔

(۶) عہد صفوی کا مشہور نثرنگار جس کی کتاب انشا کو پاک و ہند میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔ نیز ترکی و فارسی نظم و نثر کے علاوہ تاریخ شاہ عباس دوم اسی کی تصنیف ہے، وفات ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء ۔

یہ شخص مدعی ہے کہ ''کدہ،، کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے اور اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس آرزو کدہ اور دیو کدہ اور نشتر کدہ اور امثال اس کے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نا درست ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اس کے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اس پر حضرت غور فرمائیں۔ تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسیؔ دانی سے کتنا بیگانہ ہے۔

آمدم بر سر مدعا۔ نثر ''مرجز،، اس کو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو، مقابل مقفیٰ کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہ ہو اور یہاں یہ بھی سمجھنا چاہئیے کہ وزن میں قید منظور نہیں۔ مثلاً حضرت نظامی علیہ‌الرحمہ" کی نثر کا وزن یہ ہے:

مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیلن۔

حضرت ظہوری علیہ‌الرحمہ" فرماتے ہیں:

را تیشں سروبن گلشن فتح، خنجرش ماہی دریاے ظفر،

یہ نثر مرجز ہے، وزن اس کا ''فعلاتن فعلاتن فعلن،،۔ کاتبوں نے مقفیٰ کرنے کے واسطے صورت بدل دی ہے اور وہ تصرف کیا ہے کہ نثر نہ مرجز رہی، نہ مقفیٰ۔ چنانچہ اساتذہ فن: ''لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا،،۔ اس آیت سراسر ہدایت اثر کو نثر مرجز کہتے ہیں اور اس کا وزن یہ ہے ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلن،،۔ ''ویرزق من حیث لا یحتسب،، اس کا وزن ''فعولن فعولن فعول،،۔

بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم پر ہے، مقفیٰ: قافیہ ہے اور وزن نہیں، مرجز: وزن ہے اور قافیہ نہیں، عاری: نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی مقفیٰ ہے کہ دونوں فقروں میں الفاظ ملائم اور مناسب ہمدگر ہوں۔ نظم میں یہ صنعت آ پڑے تو اس کو مرصع کہتے ہیں اور نثر اس صنعت پر مشتمل ہو تو اس کو مسجع کہتے ہیں۔

اس قاعدے کو عبدالرزاق(۱) بدل سکتا ہے، نہ صاحب قلزم هفتگانه(۲) - نہ یہ قطرۂ بے سرو پا(۳) -

''حاشا،، و ''حاشاللہ،، کلام اہل عرب میں اسی طرح ہے، جس طرح آپ فرماتے ہیں ، مگر پارسیوں نے از راہ تصرف بمعنی زنہار قرار دیا ہے یعنی تاکید - اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید - میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا، جب تک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا - عیشی (۴) بے چارہ اس کے لائق نہیں کہ مستند علیہ بنے ، مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا اس غریب نے -

حضرت قبلہ، فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھیے تو حیران رہ جائیے - مجھ کو اس وقت کہاں یاد ہے اور کتاب کیا نام کو کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں - حاشا کا کوئی شعر موکد نفی اگر یاد آ جائے گا تو آپ کو لکھا جائے گا :

هرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار
اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

یہ مثنوی (۵) جس میں یہ مصرع ہے :

---

(۱) عبدالرزاق مصنف مقدمات سہ نثر ظہوری -
(۲) یعنی هفت قلزم جو مولوی قبول محمد نے غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے نام سے لکھی - لغت کی کتاب ہے - سات جلدوں میں طبع ہوئی -
(۳) اپنے آپ کو قطرۂ بے سر و پا - غالباً قلزم ''هفت گانه،، کی رعایت سے کہا اور خوب کہا -
(۴) عیشی سے مراد غالباً طالب علی خاں عیشی لکھنوی ہے ، جو خواجہ سرا الماس علی خاں کے متوسلوں میں سے تھا اور قتیل کا شاگرد تھا - ۱۲۴۰ھ - ۱۸۲۵ء میں اس نے اور اس کی اہلیہ نے ہیضہ وبائی میں صرف چار گھڑی کے فرق سے انتقال کیا -
(۵) میرزا کی مثنوی ''باد مخالف،، -

''حاش،، للہ کہ بد نمی گویم،،

کلکتہ میں میں نے لکھی ہے۔ پانچ ہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض مجھ پر کیے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ ''ہمہ عالم،، غلط ہے، یعنی ''ہمہ،، کا لفظ ''عالم،، کے لفظ کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے:

''ہمہ عالم،، گواہ عصمت اوست

سعدی کہتا ہے:

عاشقم ''بر ہمہ عالم،، کہ ہمہ ''عالم،، ازوست

غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے ''ابطال ضرورت،، اگرچہ صاحب اس کا ہندی ہے، بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھیے اساتذہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

میں نے آج تک اردو میں ''انتظاری،، بمعنے ''انتظار،، نہ آپ لکھا ہے، نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم‌الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے۔ حاشا ایسا نہیں کہ ان میں فارسی والوں کو تامل ہو۔ زیادہ حد ادب۔

۱۸۵۹ء

(۷)

جناب چودھری صاحب،

آپ کو بعد ابلاغ سلام آپ کے خط کے پہنچنے سے آگہی دیتا ہوں اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے چچا صاحب کے خط کا جواب اس سے آگے بھیج چکا ہوں(۱)۔ میں نہیں آسکا۔

---

(۱) یہ خط بھی تلف ہو گیا۔

یہاں پنسن کا مقدمہ پیش (۱) ہے۔ کبھی صاحب بہادر کمشنر بہادر کے پاس، کبھی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ خود نہ جاؤں تو خیال رہتا ہے کہ خدا جانے کس وقت بلا بھیجیں یا کس وقت کوئی پرسش آ جائے۔ بائیس مہینے سے وہ رزق کہ جو مقوم (۲) جسم اور مفرح (۳) روح تھا، مسدود ہے۔ کیا کھاؤں اور کیوں کر جیوں؟ للہ الحمد کہ گنہگار نہیں ٹھہرا۔ پنسن پاؤں گا، مگر وہ پنسن گورنمنٹ کے پولیٹیکل سرشتہ سے مقرر کی ہوئی ہے، سو دھلی کی اجنٹی کا دفتر فرد فرد لٹ گیا۔ کوئی کاغذ باقی نہیں رہا۔ اب یہ شہر پنجاب احاطہ میں مل گیا۔ پنجاب کا نواب لفٹنٹ گورنر بہادر یہاں کا صدر ٹھہرا۔ اس دفتر میں میری ریاست کا، میری معاش کا، میری عزت کا نام و نشان نہیں ہے۔ ایسے ایسے پیچ پڑ گئے ہیں، کچھ نکل گئے ہیں، کچھ باقی رہے ہیں، یہ بھی نکل جائیں گے:

کار ہا آساں شود اما بہ صبر

یہاں سے روے سخن صاحب عالم صاحب کی طرف ہے۔ جناب رفعت مآب مولائی و مرشد تسلیم قبول کریں۔ اور اس تحریر سے، جواب میرے پاس بھیجی ہے، مجھ کو شاداں اور اپنے بخت اور قسمت پر نازاں تصور فرماویں۔

---

(۱) اس سے مراد پنشن کا وہ مقدمہ نہیں جس میں میرزا کئی سال کوشاں رہے اور کلکتہ کا سفر بھی اسی غرض سے کیا تھا۔ مراد وہ پنشن ہے جو ملتی تھی اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے باعث بند ہوئی۔ بعد فتح دھلی انگریزوں کی کوشش یہ تھی کہ حتی‌الامکان تمام پینشنیں بند کر دیں یا گھٹا دیں، اس لیے مختلف اصحاب کو شرکت ہنگامہ کا مجرم ٹھہرا لیا۔ میرزا کو بھی مئی ۱۸۶۰ء میں تین سال کا جمع شدہ روپیہ یک مشت ملا۔

(۲) مقوم: قائم رکھنے والا۔ قیام و بقاے جسم کا ذریعہ۔

(۳) فرحت بخش۔

سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ھوں - پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کار فرما کر لکھتا ھوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ھے - شعر یہ ھے:

مرا بغیر ز یک جنس در شمار آورد
فغاں کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگسش

به هر حال حضرت کو یہ معلوم ھے کہ میں اھل زبان کا پیرو اور ھندیوں میں سوائے امیر خسرو دھلوی کے سب کا منکر ھوں - جب تک قدما اور متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اس کو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا - جن لوگوں کے محقق ھونے پر اتفاق ھے جمہور کو ، ان کا حال کیا گزارش کروں گا - ایک ان میں صاحب ''برھان قاطع،،(۱) ھے اب ان دنوں ''برھان قاطع،، دیکھ رھا ھوں اور اس کے فہم کی غلطیاں نکال رھا ھوں - اگر زیست باقی ھے تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخہ کا نام ''قاطع برھان،، رکھوں گا:

کجا بود منزل کجا تاختم

شعر فردوسی میں ''انگبین و شہد،، اور شعر استاد میں ''حرص و آز،، واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ھوتا ھے ''شیر ناب،، بہتر ھے(۲) ، لیکن

---

(۱) محمد حسین تبریزی ثم دکنی - جو قطب شاھی دربار سے وابستہ تھا - ۱۰۶۲ھ—۱۶۵۲ء میں ''برھان قاطع،، لکھی -

(۲) یعنی فردوسی سے منسوب مصرع :

به بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

(۲) یعنی ''شہد ناب،، دو ھم معنی الفاظ کی تکرار مناسب نہیں - ''شیرناب،، بہتر ھے - اس طرح دوسرے استاد کے مصرع میں حرص و آز کی جگہ ''خشم و آز،، ھونا چاھیے - اس کے لیے دلیل اصول الاخلاق سے دی -

''حرص و آز،، کو کیا کیجیے گا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی ''خشم و آز ہے ، ہر گز ''حرص و آز،، نہیں ہے۔ حکما اور صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی کی تعدیل (۱) میں محنتیں کرتے ہیں ۔ قوت غضبی کی اصلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے ۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرھن ہے۔ دو دیدۂ من حرص و آز (۲) بے معنی محض ۔ استاد کو بدنام کیا ۔ ایک اسم سے دو مسمیٰ تراشے ۔ واحد حقیقی کا تثنیہ اس سے علاوہ ۔ مرد عارف حکیم نے قوت شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور بھی نہ کیا ۔ میں نے خود خشم و آز دیکھا ہے اور یہی بجا ہے۔ ''شہد،، کی جگہ ''شیر،، اور ''حرص،، کی جگہ ''خشم،، درست ۔ میری رائے آپ کی رائے کے مطابق ، مگر گو گرد سرخ اور پیل سفید میں ساکت ہوں ۔ یہ تقریر کہ گو گرد سرخ کمیاب اور پیل سفید نایاب ہے، میرے دل نشیں نہ ہوئی ۔ کبریت احمر اور کیمیا اور عنقا ان سب کا ایک حکم ہے ۔ نظر اس قاعدے پر لعل سفید بہتر ہے اور کبریت احمر اور پیل سفید بے جوڑ ہے، جیسے امیر خسرو کی انملیاں ۔

ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں ''کم،، کا لفظ اہل فارسی کے منطق میں کہیں افادۂ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے (۳) جیسے ''کم آزار،، یعنی ''نیازارندہ،، نہ یہ کہ ''کم آزارندہ،، ، ''کم ہمتا،، یعنی ''بے ہمتا،، بلکہ ''اندک ،، کا لفظ بھی اس طرح آتا ہے جیسا کہ

---

(۱) اعتدال پر لانا ، معتدل بنانا ۔

(۲) یہ نہ مصرع ہے اور نہ اس کے معنی بنتے ہیں ۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے ''در بندۂ من حرص و آز،، لکھا، معنی اور وزن کے لحاظ سے اس کی کیفیت بھی وہی ہے ۔

(۳) نفی مطلق کے معنی دیتا ہے جیسا کہ آیندہ مثالوں سے واضح ہے

میرا خداوند نعمت نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے :

پس و پیش چوں آفتابم یکے ست
فروغم فراواں فریب اندکے ست

یعنی فریب بالکل نہیں، نہ یہ کہ کچھ ہے۔ کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔ نظامی نے ''لعل سپید،، کہا ہے۔ کسی صاحب طبع نے اس کو غلط سمجھ کر ''پیل سپید،، بنا دیا ہے۔ ''انگبین،، و ''شہد ناب،، شاید مثل غم و اندوہ و مسرت و فرحت ہو یا نہ ہو، شیر ناب ہی ہو، بلکہ شیر ناب بہتر ہے، لیکن حرص و آز تو کسی طرح درست نہیں۔ عارف کا دعوی ناقص اور لغو رہا جاتا ہے۔ اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو بھی ہم حرص و آز کو مسلم نہ رکھتے، کس واسطے کہ غلام کا شبہ بکمال وضوح غم و اندوہ و عدل و داد کا نظیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں انگبین و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کریں گے، مگر شیر ناب کو اس سے اچھا سمجھیں گے۔ شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیر افزایش لطافت کے واسطے۔

''حاشا،، و ''حاش للہ،، کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا۔ آپ کی اس نظیر لکھنے سے اس کے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا۔ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً(۱)۔

نثر مرجز کے باب میں پیر و مرشد کو اتنا تامل کیوں ہے؟ یہ جو نثریں آپ نے لکھی ہیں، سوائے اس نثر کے کہ جس کو آگے لکھوں گا، یہ تو سب مسجع ہیں۔ یعنی پہلے فقرے کا ہر لفظ وزن میں موافق ہے دوسرے فقرے کے ہر لفظ سے، نظم میں یہ صنعت آ پڑے تو نظم کو مرصع کہیں گے اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسجع کہیں گے۔ جو حضرت کی اس نثر کو مرجز کہتے ہیں، وہ نثر

---

(۱) یہ قول حضرت علی رض سے منسوب ہے: اگر حجاب اٹھا دئیے جائیں جب بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

مسجع کی مثال ہم کو دیں۔ زنہار زنہار یہ نثر مرجز نہیں، مسجع ہے۔

ہاں یہ نثر مرجز ہے:

"صاحبا مشفقا شفیق دلی، زیدالطافکم الی الابد، بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر ضمیر و منیر روشن باد"۔

اگر وہ نثر کہ جس کو میں نے مسجع کہا ہے، مرجز ہے تو اس کمبخت نثر کا کیا نام ہے؟ نہیں وہ مسجع ہے اور یہ مرجز ہے۔ میں تو بہت مختصر و مفید لکھ چکا ہوں، آپ نہ مانیں تو کیا کروں؟

وزن نہ ہو قافیہ ہو، وہ مقفیٰ، وزن ہو قافیہ نہ ہو، وہ مرجز ہے۔ الفاظ و فقرتین وزن میں برابر ہوں، وہ مسجع۔ اس صنعت کو بیشتر نثر مقفیٰ میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو۔ بہ ہر رنگ اقسام ثلثہ نثر یہی ہے۔ حضرت نے نثر مسجع کو مرجز کہا ہے۔ جواب وہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسجع کس نثر کو کہتے ہیں؟ اس سے زیادہ نہ مجھ کو علم، نہ یارائے کلام۔

قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتبی رام پوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتمد سمجھے؟

بعد اتمام خط کی تحریر کے، خیال آیا کہ شاید کسی بات کا جواب رہ نہ گیا ہو۔ میں نے آپ کے خط کو دیکھا اور ایک بات دستور شگرف کی عبارت میں نظر آئی۔

"مرجز کلامیست منثور کہ وزن دارد، سجع ندارد"۔

اس تعریف کو دیکھیے اور نمونہ نثر کو دیکھیے، وہ موزوں کہاں ہے جو "وزن دارد" اس پر صادق آئے؟ وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود

''سجع ندارد،، ، خدا جانے یہ بزرگ سجع کس کو کہتا ہے؟ سجع ہموزن ہونا دو لفظوں کا فقرتین میں یا مصرعین میں، سو اس نثر میں موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے اور پھر کلام اس کا مقبول ہے ! اللہ، اللہ، اللہ!!

ملا غیاث‌الدین لکھتا ہے :

''مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جاھا ، ہم وزن باشد، در تقابل یک دیگر ، بدون رعایت سجع،،۔

خدا کے واسطے سجع تو اسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہموزن یک دیگر ہوں، سو اس نثر میں موجود ہے۔ یہ ''بدون رعایت سجع،، کے کیا معنی؟ مگر یہ دونوں صاحب وزن کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ اس عقیدے کی رکاکت اظہر من‌الشمس ہے۔ صاحب ''دستور شگرف،، کا کلام نص اور مولوی غیاث‌الدین کا کلام حدیث نہیں ہے۔ آپ بھی غور فرمائیے اور انصاف کیجیے۔

فروری یا مارچ ۱۸۵۹ء (۱)

(۸)

شفیق مکرم، مظہر لطف و کرم، جناب چودھری صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا، میرا رنج

---

(۱) میرزا نے اس خط میں پنشن نہ ملنے کی مدت بائیس مہینے بتائی ہے۔ وہ ٹھیک ۲۸ - فروری ۱۸۵۹ء کو پوری ہوئی۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خط دوچار یا پانچ سات روز پیشتر لکھا گیا ہو اور پنشن نہ ملنے کے حساب میں ماہ رواں کو بھی شمار کر لیا ہو۔ جو قریب‌الاختتام تھا اور پنشن ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اگر یہ طے کر لیا جائے کہ میرزا نے واقعی فروری کا مہینا پورا کر چکنے کے بعد بائیس مہینے کا ذکر کیا تو اس خط کو مارچ ۱۸۵۹ء کا سمجھ لینا چاہیے۔

و تشویش مٹایا۔ میری خدمت مقبول ہوئی، خوشی حصول ہوئی۔ میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا۔ ان کا باپ میرا بڑا یار تھا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجیے گا۔ اب سبیل اچھی نکل آئی، چودھری صاحب کے ذریعے سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہوگا، بھجواؤں گا۔

جناب چودھری صاحب آج کا میرا خط کاسہ گدائی ہے، یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں۔ تفصیل یہ کہ محمد باقر دھلوی کے مطبع سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا تھا، مسمیٰ بہ ''دھلی اردو اخبار،،۔ بعض اشخاص سنین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں۔ اگر احیاناً آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے دوچار مہینے کے آگے(۱) کے اوراق دیکھے جائیں، جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میاں ذوق کے دو سکے ان کے نام کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو۔ بے تکلف وہ اخبار چھاپے کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیج دیجیے۔ آپ کو معلوم رہے کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں اور ذوق نے اس مہینے کے بعد سکے کہہ کر گزارنے ہیں۔ احتیاطاً پانچ مہینے تک کے اخبار دیکھ لیے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام(۲) ہے کہ اگر بمثل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع(۳) ہو اور آپ کو اس پر علم ہو تو وہاں سے منگوا بھیجیے۔ والسلام مع الاکرام۔

ایکٹ (غالباً جون ۱۸۵۹ء)(۴)

---

(۱) آگے سے مراد ہے بعد کے۔ (۲) اصرار۔

(۳) جامع سے مراد ہے اخبار جمع رکھنے والا۔

(۴) ''غالباً،، اس لیے لکھا کہ ممکن ہے اس سے کچھ پہلے یا بعد لکھا ہو، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اس سلسلے میں نواب حسین میرزا کے بھانجے یوسف میرزا کے نام ایک خط میں ''دھلی اردو اخبار،، کا ذکر کیا ہے جو جون میں لکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اخبار حسین مرزا سے ۱۸ جون ۱۸۵۹ء کے خط میں طلب کیا گیا۔ چند روز بعد یوسف میرزا کے ذریعے سے حسین میرزا تک بہ ضرورت پہنچائی گئی۔

(۹)

شفیق میرے، عنایت فرما میرے،

تمہاری مہربانی کا شکر بجا لاتا ہوں - نہایت سعی یہ تھی کہ آپ کی طرف سے ظہور میں آئی - میں نے مہتمم مطبع ''جام جہاں نما،، کو لکھ بھیجا ہے اور ترک سعی کیا ہے - آپ بھی فکر نہ کیجیے - اگر کہیں سے آپ کے پاس آ جائے تو مجھ کو بھیج دیجیے - میرے پاس آئے گا تو میں تم کو اطلاع دے دوں گا -

عنایت الہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا؟ اس کی پرسش زائد - میں خدمت گزاری کو حاضر ہوں، وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں - میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجیے گا -

صاحب، تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پر خفا کر دیا ہے - بھلا وہ خط نہ لکھیں، نہ لکھیں، کبھی تم کو فرما ویں کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا - بہ ہر حال میرا سلام نیاز عرض کیجیے - اور ان کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھیے اور یہ لکھیے کہ اگر خدا نخواستہ وہ مجھ سے ناخوش ہیں تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے؟ اپنے چچا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچائیے گا اور مولانا عطا کو سلام شوق کہیے گا -

۱۸۵۹ء

(۱۰)

میرے مشفق کو میرا سلام پہنچے - دونوں مخمس بعد اصلاح پہنچتے ہیں منشائے اصلاح سمجھ لیجیے : ''سید عالی نسب سرور والا حسبی،،، یہ افتتاح کلام اور ابتدائے خطاب کے درخور نہ تھا - مصرعۂ ثالث اس کی جگہ رکھ دیا گیا - دوسرے بند کی تخمیس دو طرح پر ہے - دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں - جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو - ''گزشت از افلاک،، و ''ز افلاک گزشت،، ایک فارسی رہا اور

دوسرا ہندی - حضرت نے دونوں فارسی لکھے تھے - ندامت فعل پر مترتب ہوا کرتی ہے، ترجمہ اس کا پشیمانی - حضرت یوسف کو ندامت کیوں ہو؟ مگر خجالت، اس کا ترجمہ ہے شرمندگی - آپ غور کیجیے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے - جہاں آپ نے عرق ریز ندامت لکھا، وہ محل خجالت کا تھا - آپ نے ندامت کیوں لکھا؟ بہ ہر حال وہ مصرع تو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی -

''طرح،، بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں اور بمعنی آسایش دنیا بھی مجاز ہے - مرادف طرز و روش بھی ہے، بفتحتین - اس کا تفرقہ منظور رہا کرے - نسیم تخلص اچھا ہے - اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مؤنث ہے، جواب اس کا یہ ہے، کہ جرأت اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مؤنث ہیں - بااینہمہ اگر بدلہ چاہئیے تو اس کا ہم وزن سلام و سلیم اور خیال بھی ہے - اس میں سے جو پسند آئے(۱) -

آپ کے عم عالی مقدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہنچے -

یہاں سے روے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم کی طرف ہے - پیر و مرشد کی خدمت میں سلام اور مرشد زادوں کی جناب میں دعاے طول عمر و دعاے دولت پہنچا کر یہ عرض کرتا ہوں کہ واقعی حضرت شاہ عالم کا عنایت نامہ آیا تھا اور میں اس کا جواب بھیج چکا ہوں - عجب ہے کہ حضرت کی تحریر میں جہاں ان کے خط کا ذکر تھا، وہاں میرے خط کا مذکور نہ تھا اور ان سطور کی تحریر کے بعد اپنے خط کا پہنچنا گمان نہیں کر سکتا - میں اس میں ان کو یہاں کا حال لکھ چکا ہوں -

---

(۱) معلوم ہوتا ہے اس وقت تک چودھری عبدالغفور نے مستقل تخلص تجویز نہیں کیا تھا - پہلے نسیم سوچا، پھر اس خیال سے متامل ہو گئے کہ نسیم وضع کے اعتبار سے مؤنث ہے، لیکن آگے چل کر سرور تخلص اختیار کر لیا -

''پنج آهنگ،، آپ نے لے لی ، دیوان فارسی آپ کے پاس ہے، مگر یوں سمجھیے کہ یہ دونوں نا تمام ھیں اور اب کہیں سے اس کا اتمام ممکن نہیں خیر جو کچھ ہے غنیمت ہے ۔ ''دستنبو،، میں نے نذر کی ہے۔ ''مہر نیم روز،، معلوم نہیں آپ کے پاس ہے یا نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ شعر کو مجھ سے اور مجھ کو شعر سے هرگز نسبت باقی نہیں رهی ۔ اس فتنه و فساد (۱) کے بعد ایک قصیدہ جو ''دستنبو،، میں ہے (۲) اور ایک قصیدہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح (۳) میں اور ایک قصیدہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی مدح میں (۴) اور دو بیت کا ایک قطعه اور ایک رباعی ، اس نظم کے سوا اگر کچھ لکھا ہو تو مجھ سے قسم لیجیے ۔ قطعه :

---

(۱) ۱۸۵۷ء کا هنگامه ۔

(۲) یعنی وکٹوریا کی مدح میں :

در روزگار ها ترا نه شمار یافت
خود روزگار آنچه دریں روزگار یافت

(۳) اس سے مراد کلیات فارسی کا قصیدہ: ۴۳ ہے جو جارج ایڈمنسٹن کی مدح میں تھا مطلع یہ ہے :

باز پیغام بہار آورد بار
مژده بر روزگار آورد بار

ایڈمنسٹن نے ۱۹- جنوری ۱۸۵۹ء کو لفٹنٹ گورنری کا چارج لیا اور ۲۷- فروری ۱۸۶۳ء کو یہ عہدہ چھوڑا ۔ قصیدہ غالباً مارچ یا اپریل ۱۸۵۹ء میں ممدوح کو بھیجا گیا تھا ۔

(۴) یعنی کلیات فارسی کا قصیده: ۴۵ جو منٹگمری کی مدح میں ہے۔ اس کا مطلع ہے :

خامه دانی زچه سر بر خط مسطر دارد؟
سر مداحی لفٹنٹ گورنر دارد

به آدم زن، بشیطان طوق لعنت سپردند از رہ تکریم و تذلیل
و لیکن در اسیری طوق آدم گراں تر آمد از طوق عزازیل(۱)

رباعی،

دنیا ہیچ است و شادی و غم ہیچ است
ہنگامۂ سور و بزم ماتم ہیچ است
رو دل بہ یکے دہ کہ دو عالم ہیچ است
ایں نیز فروگزار، کایں ہم ہیچ است

اس واماندگی کے دنوں میں چھاپے کی ''برہان قاطع،، میرے پاس تھی، اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزارہا لغت غلط، ہزارہا بیان لغو، عبارت پوچ، اشارات پادر ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے۔ اور ''قاطع برہان،، اس کا نام رکھا ہے۔ چھپوانے کا مقدور نہ تھا، مسودہ کاتب سے صاف کروا لیا ہے۔ اگر کہو تو بہ سبیل مستعار بھیج دوں۔ تم اور چودھری صاحب(۲) اور جو اور سخن شناس اور منصف ہوں، وہ اس کو دیکھیں اور پھر میری کتاب میرے پاس پہنچ جائے۔

۱۸۵۹ء

(۱۱)

جناب عالی ''چہا چہا،، ترجمۂ ہندی ہے۔ ایک بار ''چہا،، کفایت کرتا ہے۔ ''انواع انواع،، ہماری آپ کی بول چال میں ہے، لیکن تحریر میں

---

(۱) ظاہر ہے یہ قطعہ اس زمانے کا ہے، جب میرزا کے لیے آمدنی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ زیور یا دوسری قیمتی چیزیں لٹ چکی تھیں، گھر کی معمولی چیزیں خصوصاً کپڑے بیچ بیچ کر خرچ چلا رہے تھے اور عیال داری کے واجبات ادا کرنا ان کے لیے مسلسل پریشانیوں کا باعث بن گیا تھا۔ بعض اوقات ایسے لطیفوں کے ذریعے سے غم و اندوہ کا تاریک دور گزار لینا نسبتہً سہل ہو جاتا ہے۔

(۲) چودھری صاحب سے مراد سرور کے عم محترم، چودھری غلام رسول ہیں۔

درست نہیں۔ ''چمن پر فضا،، کو ''چمن پر فزا،، زاے ہوز سے کیوں لکھا؟ خطاب واحد غیب فقط ''شین ہے نہ ''اش،، ہاں اگر آخر لفظ مبنی ہاے انہائی حرکت پر ہو، مثل غمزہ و چشمہ و خانہ و دانہ تو اس کو یوں لکھتے ہیں: ''چشمہ اش،، ، ''غمزہ اش،، ''خانہ اش،، ، ''دانہ اش،، اور باقی اور سب کا حرف آخر شین سے مل جاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر، خطاب واحد غائب ، خطاب متکلم، ت، ش، م ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل؟ اور وہ جو دکھنی بوہرہ یعنی جامع ''برہان قاطع،، ات، اش، ام لکھتا ہے، غلط کرتا ہے۔ جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں:

پریشان تر ز خویشم داستانے است(۱)

وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاضل کر دیا ہے۔ یعنی بدیں اشعار زمزمہ سر است یہ خبر اس کاف توصیفی کی ہے اور آگے جو نثر ہے اس کا فاعل وہی مصنف ہے۔

پیر و مرشد، صاحب عالم صاحب کی خدمت عالی میں میرا سلام مسنون عرض کیجیے گا اور یہ عرض کیجیے گا کہ آپ کے منشور عطوفت کا جواب بہ انفراد آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔

(۱۲)

میرے شفیق دلی کو میرا سلام پہنچے۔ کل انشاؑ کا پارسل پہنچا اور آج خط انشاؑ کا نام بہارستان اور اب آپ کا تخلص سرور ''بہارستان،، مضاف اور سرور مضاف الیہ ''بہارستان سرور،، اچھا نام ہے۔ قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا، کس واسطے کہ اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا تو لطف زیادہ دے گا اور نہ پہنچے گا تو محل شکایت نہ ہوگا۔

---

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے مصرع یوں لکھا ہے:
پریشاں تر ز خویشم داستاں نیست

رفع فتنہ و فساد اور بلاد میں مسلم، یہاں کوئی طرح آسایش کی نہیں ہے۔ اہل دہلی عموماً برے ٹھہر گئے۔ یہ داغ ان کی جبیں حال سے مٹ نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں، مردہ شعر کیا کہے گا؟ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں، جو غزل کی روش ضمیر میں آوے؟ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے؟ ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے:

اے دریغا نیست ممدوحے سزا وار مدیح
اے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گزرتا ہے، اشرفیاں نہیں، اور خلعت، ریاست دودمانی کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ و سر پیچ و مالائے مروارید، مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں، پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں؟ صناعت شعر اعضا و جوارح کا کام نہیں، دل چاہئیے، دماغ چاہئیے، ذوق چاہئیے، امنگ چاہئیے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں جو شعر کہوں؟ چونسٹھ برس کی عمر، ولولۂ شباب کہاں؟ رعایت فن، اس کے اسباب کہاں؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۱۳)

میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو خدا سلامت رکھے۔ دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے چچا صاحب کا نام لکھتا تھا۔ اسی طرح سابق کے خط میں سرنامے پر یہ لکھ گیا ہوں گا:

بہار پیشہ جوانے کہ غالبش نامند
کنوں بہ بیں کہ چہ خوں مے چکد زہر نفسش

جو خط آپ کے خطوط کے جواب میں آئے، ان کے بھیجنے کی کیا حاجت تھی؟(۱) آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دلنشین اور خاطر نشان ہے، جیسا کہ کوئی استاد کہتا ہے :

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیوان تشنہ مے آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا اور نہ آئے گا۔ میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائے گا۔

بندہ پرور، میرا کلام ، کیا نظم ، کیا نثر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کر لیا کرتے تھے، سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے، جس میں ہزاروں روپے کے کتاب خانے بھی گئے۔ اس میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے۔ میں خود اس مثنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی۔

پارسل میں خطوط بھیجنے محل اندیشہ ہے، خدا نے بچایا ۔ چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا، از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لیے۔

(۱۸۵۹ء)

(۱۴)

جناب عالی،

آپ کا تفقد نامہ مرقومہ یازدہم شعبان مطابق پنجم مارچ(۲) بقید روز دو شنبہ پہنچا۔ پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے تطابق میں میں

---

(۱) سرور نے ''دھلی اردو اخبار،، کی طلب میں جا بجا دوستوں اور شناساؤں کو خط لکھے تھے ، ان کے جو جوابات آئے وہ اپنی انتہائی سعی کے ثبوت میں میرزا کے پاس بھیج دیے تھے۔ فرماتے ہیں : ان کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی ؟

(۲) ۱۱۔ شعبان ۱۲۷۶ھ مطابق ۲۵ - مارچ ۱۸۶۰ء۔

اچھا۔ پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا ۔ ڈاک کیا ہے، خاک ہے۔ خیر ادھر پڑھا اودھر جواب لکھا۔ خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے، ورنہ آپ کو خیال ہوگا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا۔

حقیقت میری مجملاً یہ ہے کہ راہ و رسم مراسلت حکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخۂ ''دستنبو،، بسبیل ڈاک بھیجا تھا ۔ ان کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت و مودت بسبیل ڈاک آ گیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا ، اس کی رسید آ گئی۔ وہی ''خان صاحب بسیار مہربان دوستان،، القاب اور کاغذ افشانی ۔ ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا ۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر مجھ کو آ گیا ۔ پنسن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی ۔ جب ملے گی حضرت کو اطلاع دی جائے گی ۔

پیر و مرشد عالم ہیں اور میں جاہل ہوں ۔ ان کے تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم کیا اور پھر تسلیم بجا لایا ۔

اے حضرت ، جناب مخدوم مکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انہیں الفاظ میں رسم مبارکباد ادا کی گئی تھی، نہ عبارت آرائی، نہ طبع آزمائی ۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ خط بھی مئی اور جون میں آپ کو پہنچ جائے آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو اب آخر اپریل میں پہنچا ہے ۔

جناب شیخ صاحب (۱) کیوں مجھ کو محجوب کرتے ہیں؟ اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ افادہ مشترک ہے ۔ قصیدہ و مثنوی بھیج دیجیے ، لطف اٹھاؤں گا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا،

---

(۱) بظاہر شیخ عطا حسین عطا مراد ہیں ، جن کی مثنوی ''شکایت سعایت،، میرزا پہلے دیکھ چکے تھے ۔ اب وہ ایک قصیدہ اور غالباً دوسری مثنوی بھیجنا چاہتے تھے ۔

بے تکلف عرض کروں گا۔ میرا سلام کہیے اور مثنوی اور قصیدہ ان سے لے کر جلد بھیج دیجیے۔

اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیے اور کہیے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق یہ ہے: الفاظ یہی تھے، شاید کچھ تغیربالمرادف (۱) ہو، تو ہو "یہ شادی بصد ہزار مسرت آپ کو مبارک ہو اور اُن کی اولاد دیکھنی اور اسی طرح ان کی شادی کرنی نصیب ہو"۔

فیض علی خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہوں گا۔ خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا۔ کاتب وہی ہے، جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

(اپریل ۱۸۶۰ء)

(۱۵)

میرے مشفق،

آپ کا خط آیا اور اس کے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں اگر اس کو منظور کیجیے تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اٹھ جائے گا اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہے گا۔ آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ پیڈ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کا جیسا کہ میں واضع(۲) ہوا ہوں، بادی (۳) بھی ہوا

---

(۱) مطلب یہ کہ یہی الفاظ تھے یا ممکن کہیں کو دوسرا ہم معنی لفظ لکھا گیا ہو۔ بہ ہر حال شادی پر مبارک باد کا خط تھا، جو مکتوب الیہ کو نہ ملا۔ (۲) واضع: وضع کرنے والا۔

(۳) بادی: ابتدا کرنے والا۔

اور یہ خط بیرنگ بھیجا (۱) -

پنسن جاری ہو گیا، تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا - بعد ادائے قرض ستاسی روپے گیارہ آنے بچے - اب ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے، مگر یہی تین مہینے ستمبر، اکتوبر ، نومبر ملیں گے - دسمبر ۱۸۶۰ء سے تنخواہ شش ماہی ہو جائے گی - اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپے سیکڑا سالانہ عموماً وضع ہوا کرے گا - اس حساب سے میرے حصے میں ڈھائی روپیہ مہینہ آیا - باسٹھ روپے آٹھ آنے کے ساٹھ رہیں گے (۲) - کچھ رام پور سے ماہ بماہ آتا ہے - یہ دونوں آمدنیں مل کر خوش و ناخوش گزارا ہو جاتا ہے -

یہاں شہر ڈھے رہا ہے - بڑے بڑے نامی بازار : خاص بازار اور اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا - اب پتا بھی نہیں کہ کہاں تھے - صاحبان امکنہ و دکاکین (۳) نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی - برسات بھر مینہ نہیں برسا ، اب تیشہ اور کاند کی طغیانی سے مکان گر گئے -

غلہ گراں ہے، موات ارزاں ہے - میوے کے مول اناج بکتا ہے - ماش کی دال آٹھ سیر، باجرہ سولہ سیر، گیہوں تیرہ سیر، چنے سولہ سیر، گھی ڈیڑھ سیر،

---

(۱) لیکن اس سے پیشتر سرور یہی تجویز پیش کر کے بیرنگ خط بھیج چکے تھے - ملاحظہ ہو ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کا خط ، جس میں فرماتے ہیں : لو ''تمہاری خوشی اب کے بیرنگ بھیجتا ہوں،، -

(۲) حساب یوں ہوا کہ میرزا کو ساڑھے سات سو روپے سالانہ ملتے تھے ، چار روپے سیکڑا کے حساب سے تیس روپے سالانہ وضع ہونے لگے یعنی ہر مہینے اڑھائی روپے ساڑھے باسٹھ روپے ماھانہ کے ساٹھ رہ گئے -

(۳) یعنی مکانوں اور دکانوں کے مالک -

ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار(۱) کا مہینہ جسے جاڑے کا دوار (۲) کہتے ہیں، پانی گرم، دھوپ تیز، لو چلتی ہے، جیٹھ اساڑہ کی سی گرمی پڑتی ہے۔

حضرت رفعت درجت جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی بہ انکسار تمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے؟ میں نے مرشد زادے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا؟ کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں؟ ہاں آپ کی قدمبوسی کی تمنا اور انورالدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ تنخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل میں اس کے وصول کی صورت ان سطروں سے جو آغاز مکتوب میں، چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں، لکھی گئی ہیں، مع روداد شہر معلوم کر لیجیے گا۔

لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے۔ میں دنیا دار نہیں، فقیر خاکسار ہوں۔ تواضع میری خو ہے۔ انجاح مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ ان شاءاللہ العزیز وہ فقیر سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔

جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گزارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام و پیام اب کی بار بھی نہیں پہنچا۔ اب ان سطور کو اپنا ذریعۂ افتخار سمجھا اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا۔ یہ خانہ کوچی اور گریز پائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے۔ یہ کسی نے

---

(۱) کنوار یا گوار جسے اسوج بھی کہتے ہیں، عموماً وسط ستمبر سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) یعنی موسم سرما کا دروازہ۔

خلاف واقع آپ سے کہا ۔ میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قلزم خوں کا شناور رہا ہوں ۔ دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا ۔ نہ پکڑا گیا، نہ نکالا گیا ۔ نہ قید ہوا، نہ مارا گیا ۔ کیا عرض کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا ۔ جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا ۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے، اس کا حال اوپر کی تحریر سے دریافت ہوگا ۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہیے گا ۔ مرشدزادہ مرتضوی دودمان، سید شاہ عالم کو سلام و دعا ۔ ڈپٹی صاحب سے مجھ سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے ۔ ان کو کثرت اشغال سے فرصت نہیں ۔ مجھ کو افراط ضعف سے طاقت نہیں ۔ اگر بحسب اتفاق کہیں ملاقات ہو گئی تو آپ کا سلام کہہ دوں گا ۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجیے گا :

''بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما''

(ستمبر ۱۸۶۰ء)

(۱۶)

میرے مشفق ، چودھری عبدالغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گزار اور قصیدۂ سابق کی اب تک اصلاح نہ پانے سے شرمسار تصور فرمائیں اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں ۔

نوید وصل و بیم مے دھد ستارہ شناس
نکردہ ژرف نگاھی مگر در اختر من

تحقیق کہ اب روے سخن جناب فیض نصاب، جامع مدارج جمع الجمع، بزم وحدت کے فروزندۂ شمع ، مستغرق مشاھدۂ شاھد ذات ، حضرت صاحب عالم صاحب قدسی صفات کی طرف ہے اور یہ شعر افتتاح کلام ہے (۱) ۔

---

(۱) جو شعر اوپر نقل ہوا ۔

پہلے کچھ باتیں کہ بادی‌النظر میں خارج از مبحث معلوم ہوں گی، لکھی جاتی ہیں - میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا، نو برس کا تھا کہ چچا مرا - اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکاء حقیقی کے واسطے، شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں، دس ہزار روپے سال مقرر ہوئے - انہوں نے نہ دیے مگر تین ہزار روپے سال - اس میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سال - میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا - کولبرک(۱) صاحب بہادر ریزیڈنٹ دھلی اور استرلنگ(۲) صاحب بہادر سکرتر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر - ریزیڈنٹ معزول ہو گئے، سکرتر گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے -

بعد ایک زمانے کے بادشاہ دھلی نے پچاس روپے مہینہ مقرر کیا، اون کے ولیعہد(۳) نے چار سو روپے سال - ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے -

واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بہ صلہ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے، وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیے، یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں، مگر سلطنت جاتی رہی اور تباھی سلطنت دو ھی برس میں ہوئی - دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی، سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی - ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ اب جو والی دکن کی طرف رجوع کروں، یاد رہے کہ متوسط یا

---

(۱) کول بروک ۱۸۲۷ء سے ۱۸۲۹ء تک دھلی میں ریزیڈنٹ رہا پھر غالباً رشوت ستانی کے الزام میں اسے الگ کر دیا گیا -

(۲) اینڈریو اسٹرلنگ ۱۸۱۳ء میں هندوستان آیا - حکومت هند میں معزز عہدوں پر فائز رہا - ۱۸۳۰ء میں فوت ہو گیا - صرف پینتیس چھتیس برس کی عمر تھی - میرزا کے کلیات فارسی میں ایک قصیدہ اسٹرلنگ کی مدح میں ھے جو میرزا نے خود اسے کلکتہ میں سنایا تھا - اور ایک قطعہ اس کی وفات پر لکھا تھا -

(۳) شہزادہ غلام فخرالدین عرف میرزا فخرو مخاطب بہ فتح‌الملک - بہادر شاہ کا دوسرا ولی عہد، ۱۰- جولائی ۱۸۵۶ء کو اس کا انتقال ہوا -

مر جائے گا یا معزول ہو جائے گا اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اس کی ضائع جائے گی اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دے گا اور احیاناً اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائے گی اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے(۱)۔ اے خداوند بندہ پرور، یہ سب باتیں وقوعی اور واقعی ہیں۔

اگر ان سے قطع نظر کر کے قصیدے کا قصد کروں، قصد تو کر سکتا ہوں، تمام کون کرے گا؟ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے، کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر میری ہے، مگر حیران رہتا ہوں کہ یہ نثر میں نے کیوں کر لکھی تھی اور یہ شعر کیوں کر کہے تھے؟ عبدالقادر بیدل کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے:

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

پایان عمر ہے۔ دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روپے رام پور کے، ساٹھ روپے پنسن کے روٹی کھانے کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادۂ رحیل ہیں۔

دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے، ماہ گزشتہ میں گزر (۲) گئے۔ مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں؟ اگر ارادہ کروں تو فرصت کہاں؟ قصیدہ لکھوں، آپ کے پاس بھیجوں، آپ دکن کو بھیجیں۔ متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے؟ پیش کیے پر کیا پیش آئے؟

---

(۱) یعنی ملک اس درجہ ویران ہو جائے گا کہ وہاں گدھے چرتے پھریں گے۔ مطلب یہ کہ ویرانی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

(۲) منشی نبی بخش حقیر کی تاریخ وفات اکتوبر ۱۸۶۰ء ہے (ربیع الاول ۱۲۷۷ھ) گویا خط نومبر ۱۸۶۰ء کا ہے۔

ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیوں کر جیوں گا؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاآلہ‌الااللہ ولا معبود الااللہ و لاموجود الااللہ ، کان اللہ و لم یکن شئی واللہ آلان کماکان۔

(نومبر ۱۸۶۰ء)

(۱۷)

جناب چودھری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا کچھ حال نہ لکھا۔ اگر پیر و مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیوں کر اطلاع پاتا اور اگر اطلاع نہ پاتا تو حصول صحت کی دعا کیوں کر مانگتا؟ کل سے وقت خاص میں دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم تندرست ہو جاؤگے، زاں بعد یہ خط پاؤگے۔

اکثر صاحب اطراف و جوانب سے ''ماہ نیم ماہ،، بھیجنے کا حکم بھیجتے ہیں اور میں جی میں کہتا ہوں کہ جب ''مہر نیمروز،، کی عبارت کو نہیں سمجھے تو '' ماہ نیم ماہ،، کو لے کر کیا کریں گے۔ صاحب! ''مہر نیمروز،، کے دیباچے میں میں نے لکھ دیا ہے کہ اس کتاب کا نام ''پرتوستان،، ہے اور اس کی دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتداے خلقت عالم سے ھمایوں کی سلطنت تک کا ذکر ، دوسرے حصے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان۔ پہلے حصے کا نام ''مہر نیمروز،، دوسرے حصے کا اسم ''ماہ نیم ماہ،،۔ بارے پہلا حصہ تمام ہوا، چھاپا گیا۔ قصد تھا جلال‌الدین اکبر کے حالات کے لکھنے کا کہ امیر تمر تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ ''آں دفتر را گؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد،،۔ جو کتاب میں نے لکھی ہی نہ ہو وہ بھیجوں کہاں سے؟

پیر و مرشد کو میری بندگی اور صاحب زادوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی تھا اور طاقت بھی تھی، شیخ محسن‌الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور

دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں؟ طاقت کہاں سے پاؤں؟ نہ آموں کی طرف رغبت، نہ معدے میں اتنی آموں کی گنجایش۔ نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا، کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں، جو کہوں بین الطعامین۔ ہاں آخر روز بعد ھضم معدی آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں، اتنے آم کھاتا تھا کہ پیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں، مگر دس بارہ۔ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات :

دریغا کہ عہد جوانی گزشت
جوانی مگو زندگانی گزشت

اب اس کے واسطے کیا سفر کروں؟ مگر حضرت کا دیکھنا، اس کے واسطے متحمل رنج و سفر ہوں تو جاڑے میں، نہ برسات میں :

اے وائے ز محرومی دیدار، دگر ھیچ

(۱۸)

میرے کرم فرما، میرے شفیق،

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب
اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب بعد لکھنے اس شعر کے منحصر التماس پر ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کبھی تقصیر نہ ہوگی، لیکن اغلب و اکثر ابتدا بہ تحریر نہ ہوگی۔

یہ خط ناچار از روے اضطرار واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد(۱) کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجیے تا کہ مجھ بد نصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے۔

---

(۱) حضرت صاحب عالم مارہروی۔

جناب چودھری غلام رسول (۱) صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ استاد شیخ عطا حسین صاحب کی جناب میں سلام (۲)۔

(۱۹)

حضرت چودھری صاحب، عنایت نامہٴ سابق :

تھا تو خط، پر نہ تھا جواب طلب
کوئی اس کا جواب کیا لکھتا

آج دوپہر کو یہ خط پہنچا، آج ہی آخر روز جواب لکھ کر رکھ چھوڑتا ہوں۔ کل صبح بشرط حیات ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ ''قاطع برہان،، کے مجلدات جو بموجب توقیع خریداری میری ملک ہیں، وہ اول جولائی میں میرے پاس اور ان میں سے دو مجلد آخر جولائی میں آپ کے پاس پہنچیں گے۔ ایک آپ رہنے دیں گے اور ایک پیر و مرشد کی نذر کریں گے۔ ان شاءٴ اللہ العلی العظیم۔

حبّذا فیض تعلق، معجز کالکش نگر
گر رود صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہماں

یہ شعر مولانا نورالدین ظہوری رحمۃ اللہ علیہ کا، ممدوح کی خوشنویسی کی تعریف میں ہے۔ مبالغہ سرحد تبلیغ و غلو کو پہنچ گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتی ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن، صاف اور جلی ہیں اور چونکہ یہ امر بحسب عادت و عقل ممتنع ہے، اس رو سے اس کو معجزۂ قلم کہا اور چونکہ معجزۂ خرق عادت ہے اور خرق عادت ایک امر

---

(۱) سرور کے عم محترم، جن کا ذکر خطوط میں کئی بار آیا ہے۔
(۲) اس خط پر تاریخ درج نہیں۔ یہ کسی ایسے موقع پر لکھا گیا، جب کچھ عرصہ خط و کتابت بند رہنے کے بعد سرور نے خط لکھا اور اس کے ساتھ صاحب عالم کی تحریر آئی۔

ہے مسلمات جمہور میں سے، پس منکر کو گنجایش انکار نہ رہی۔

یہاں یہ خیال آئے گا کہ ''فیض تعلق،، بے کار رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حسن الہام ہے، یعنی نگاہ کو ازانجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہے، اس خط سے وہ تعلق بہم پہنچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اس سے متعلق رہتی ہے، جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خد و خال مسافت بعیدہ سے پیش نظر رہتا ہے۔ چاہو ایک معلول کی دو علت سمجھو: فیض تعلق مذکور اور حسن خط مقدر، چاہو فیض تعلق کو ادعا کہو اور حسن خط جو تقدیر میں ہے اس کو سبب سمجھو تعلق کا اور موکد جانو ادعا کا۔

سنو، دعوے کے واسطے دلیل موضوع ہے، ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہے، ہاں ادعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہے۔ یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصے میں آئی ہے۔ میں جانتا ہوں مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی۔ اس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے:

مروت کرد شبہا بر تو سیر بام و در لازم
نمے باشد چراغے خانہ ہاے بے نوایاں را

ظہوری کا ممدوح اور معشوق ایک ہے،(۱) یعنی سلطان جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ۔ پادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں اور کیا بعید ہے کہ رعایا یا ملازمین میں سے کچھ لوگ زیر قصر رہتے ہوں۔ اس واسطے بادشاہ دن کو اس منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازموں کی جورو بیٹیاں نظر آئیں۔ رات کو ان کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر

---

(۱) یہ ویسے ہی بے سرو پا افسانوں میں سے ایک افسانہ ہے، جیسا کہ عرفی اور جہانگیر کے متعلق مشہور ہے۔

کوئی بلند مکان پر چڑھا تو کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے۔ اب ابہام کو سوچیے۔ ممدوح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑھنا اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس واسطے کہ رعایا کے گھروں میں چراغ نہیں۔ اگر کسی کو کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی چمڑے کی چیز گانٹھنی یا کسی مریض کا تفحص حال منظور ہو تو وہ گھر اس ممدوح کے پر تو جمال سے روشن ہو جائے۔ چراغ کی حاجت باقی نہ رہے۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کرے۔ مروت کے لفظ کا مزہ وجدانی ہے۔ سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔ اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے اور اگر مفلسوں کی کاربراری ہے تو مروت ہے۔ قالب معنی کی جان ہے ظہوری، ناطقہ کی سرفرازی کا نشان ہے ظہوری۔ زیادہ کیا لکھوں؟

(جون ۱۸۶۲ء)

(۲۰)

جناب چودھری صاحب،

آپ کے تلطف نامہ کے ورود کی مسرت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت، باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں اور با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا، جواب لکھوں۔ بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کار پردازان ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی، انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا کہ سکندرہ راؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمے ہے۔ یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیج دوں۔ آپ سکندرہ راؤ کے ڈاک خانے میں بھجوا کر ان سے پارسل منگوا لیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔(۱) والسلام

(۱۸۶۲ء)

---

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے فرمایا ہے کہ یہ ''قاطع برہان،، کے پارسل نہیں، شیخ عطا حسین عطا کی مثنوی کے پارسل کا ذکر ہے، لیکن اس مثنوی کا پارسل تو ۱۸۵۸ء میں بھیج دیا گیا تھا۔

بندہ پرور،

بہت دن کے بعد پرسوں آپ کا خط آیا - سرنامہ پر دستخط اور کے اور نام آپ کا پایا - دستخط دیکھ کر مفہوم ہوا، خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تمہارے دشمن بعارضہ تپ و لرزہ رنجور ہیں، اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں! خدا وہ دن دکھائے کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے - سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو - خط پڑھ کر دونی مسرت ہو - جب تک ایسا خط نہ آئے گا، دل سودا زدہ آرام نہ پائے گا - قاصد ڈاک کی راہ دیکھتا رہوں گا - جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہوں گا آپ کے عم عالی مقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق و الوف احترام -(۱)

جناب چودھری صاحب، آؤ ہم تم حضرت عالم کے پاس چلیں اور اپنی آنکھیں ان کے کف پائے مبارک سے ملیں - میں سلام عرض کروں گا، تم مُعرّف ہونا کہ غالب یہی ہے - اہل دھلی میں آپ کے دیدار کا طالب یہی ہے - میں نے عزم قدمبوسی کیا، پیر و مرشد نے مجھے گلے لگایا - فرماتے ہیں کہ ''غالب تو اچھا ہے؟''

عرض کرتا ہوں کہ ''الحمدللہ، حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے؟''

ارشاد ہوا کہ ''مولوی سید برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے رہتے ہیں'' -

''جناب یہ ان کی خوبیاں ہیں - میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ کہتے ہیں

(۱) قسم قسم کے اشتیاق اور ہزاروں احترام -

کاش وہ میری رنجوری کا حال کہتے۔ ضعف قویٰ و اضمحلال کہتے تاکہ میں ان کے کلام کی تصدیق کرتا، ان کی غمخواری اور دردمند نوازی کا دم بھرتا:

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
اینکه من نمے میرم ہم ز ناتوانیہاست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ "بوستان خیال"، کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر پھنس جاؤں، دام پر گر کے دانہ زمین پر سے اٹھاؤں؟ حضرت سچ تو یوں ھے کہ غمہاے روزگار نے مجھ کو گھیر لیا ھے۔ سانس نہیں لے سکتا، اتنا تنگ کر دیا ھے۔ ھر بات سو طرح سے خیال میں آئی، پر دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ھوں: ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ھوں، یوں ھی رویا کروں گا۔ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مروں گا۔ یہ صغریٰ و کبریٰ دلنشین ھے۔ نتیجہ اس کا تسکین ھے۔ ھیہات:

منحصر مرنے پہ ھو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاھئیے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجیے۔ کاغذ باقی نہیں رہا۔ اپنے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجیے گا۔

(۱۸۶۲ء)

(۲۲)

چودھری صاحب مشفق مکرم کو میرا سلام۔

آپ کا خط کہ سواے چند سطر کے جو تم نے لکھی تھیں، سراسر حضرت صاحب کا دستخطی تھا، پہنچا۔ سبحان‌اللہ حضرت کو کس قدر

محبت ہے تمہارے ساتھ - تمہاری ناسازی مزاج کا کیسا ملال اور تمہارے نہ دیکھنے کا کیسا رنج ہے؟ سچ یوں ہے کہ تم خوبان روزگار میں سے ہو- توقیع قبول اہل نظر کا حاصل ہونا آسان نہیں ہے- سلامت رہو ، خوش رہو ، مختصر :

کارت بجہاں جملہ چناں بہ کہ خواہی

اب روے سخن حضرت صاحب کی طرف ہے - خدمت خدام مخدوم خادم‌نواز میں بعد تسلیم معروض ہے - تفقدنامۂ نامی میں صورت عز و شرف نظر آئی - اللہ اللہ! تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی، حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے - آپ کا التفات موجب مباہات ہے - یہ بات بطریق طے لسان زبان پر آئی ہے ورنہ قدردانی کیسی ، یہ قدر افزائی ہے - نظیری علیہ‌الرحمہ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجیے اور زمرۂ شعرا میں سے مجھ کو نکال دیجیے - شعر یہ ہے :

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند
آنکہ آئینہ من ساخت ، نہ پراخت دریغ

دعویٰ اور چیز ہے اور کمال اور ہے - علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے- جلالاے طباطبائی (۱) رحمۃ اللہ علیہ نے شیداے

---

(۱) جلالاے طباطبائی - نصر آبادی سادات قہپایہ میں سے تھا - نظم و نثر دونوں میں مہارت تھی لیکن اس کی نثر کو نظم پر ترجیح دی جاتی ہے - ۱۰۴۴ھ—۱۶۳۸ء میں (بہ عہد شاہ جہاں) ہندوستان آیا اور تاریخ لکھنے پر مامور ہوا لیکن جلد ہی مخالفوں کی سازش کے باعث اس کی تاریخ نگاری کا سلسلہ ختم ہو گیا سید نجیب اشرف ندوی نے لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے پانچویں سال سے آٹھویں سال تک کے حالات والا نسخہ اکثر مل جاتا ہے، علاوہ بریں جلالا نے ایک رسالہ فتح کانگڑہ کے متعلق بھی لکھا تھا جو شاہ جہاں کے زمانۂ شہزادگی کا ایک کارنامہ تھا- (دیکھیے مقدمات رقعات عالمگیر ص ۹۷ نیز تذکرۂ ”روز روشن،، ص ۱۴۸)-

ہندی(۱) کو ایک رقعہ لکھا - عبارت اس وقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اس کا کہ ایک دن مولانا عرفی علیہ‌الرحمہؒ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا شیخ نے عرفی سے کہا کہ ''ہم نے تحقیق کو بہ سر حد افراط پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا،، - عرفی نے کہا کہ ''اس کو کیا کروگے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھلا ہے، گھر کی بڈھیوں سے اور لونڈیوں سے جو بات سنی فارسی میں سنی،، - ''شیخ گفت : ما فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم و شما از پیر زناں آموختہ اید،، - عرفی فرمود : ''انوری و خاقانی نیز از پیر زناں آموختہ باشند،، - ختم

غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دھلوی علیہ‌الرحمہؒ کے سوا کوئی استاد مسلم‌الثبوت نہیں ہوا - خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے یا ہم چشم نظامی گنجوی و ہم طرح سعدی شیرازی ہے - خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے، کلام اس کا پسندیدۂ جمہور ہے - دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے :

---

(۱) والدین ایرانی تھے لیکن ملا شیدا فتح پور سیکری میں پیدا ہوا (جیسا کہ ''مآثرالکرام،،) مولانا آزاد بلگرامی میں صراحتہً مذکور ہے (دفتر دوم ص ۸۲) مولانا آزاد لکھتے ہیں : ''شعر را بہ سرعت تمام می گفت و بہ چشم زدن جوہر فراواں می سفت،، لیکن ھجو میں بڑا بے باک تھا - پہلے خانخاناں سے وابستہ ہوا ، پھر جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہر یار کے درباریوں میں منسلک ہو گیا - آخر شاہ جہاں کے احدیوں میں نام لکھوا لیا تھا - آخر عمر میں کشمیر پہنچ گیا تھا - وہیں عالمگیر کے اوائل عہد میں وفات پائی -

زہے سیاہی ۔ ۔ ۔ قالیز آرزو(۱)، فقیر(۲) ، اور شیدا اور بہار(۳) وغیر ہم انہیں میں آ گئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت(۴) ان کی فارسی کیا ؟ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ؟

منت(۵) اور مکیں اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خیر ہوں ، فاضل کہلائیں ، کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ(۶) سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق

---

(۱) سراج الدین علی خان آرزو معروف بہ سراج المحققین (۱۱۰۱ھ—۱۶۹۰ء— ۱۱۶۹ھ—۱۷۵۶ء) متعدد کتابوں کا مصنف ہے مثلاً سراج اللغت ، مجمع النفائس۔ خاصی مدت دہلی میں گزاری پھر شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے ہاں تین سو روپے ماہوار پر ملازم ہو گیا تھا۔

(۲) میر شمس الدین فقیر عباسی دہلوی ولادت ۱۱۱۵ھ—۱۷۰۳ء میں ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے: در مبادی عشرہ خامسہ بعد مأته و الف در لباس فقر در آمدہ ... سرے بہ دکن کشید و پایان عمر در آگرہ گوشۂ انزوا گرفت (شمع انجمن ص ۳۷۸) حدائق البلاغہ فقیر ہی کی تصنیف ہے۔

(۳) لالہ ٹیک چند بہار مصنف ''بہار عجم،، وغیرہ۔

(۴) غنیمت کنجاہی صاحب دیوان و مصنف نیرنگ عشق وغیرہ ۔ ان سے فارسی نثر کا بھی ایک رسالہ یادگار ہے۔ جو ۱۸۶۰ء میں بھیرہ کے ایک مطبع میں چھپا تھا۔

(۵) میر قمرالدین منت دہلوی ۔ والیان لکھنئو و مرشدآباد کے علاوہ کلکتہ میں گورنر جنرل کی مدح گستری کی اور ملک الشعرا کا لقب پایا۔ انچاس سال کی عمر میں بہ مقام کلکتہ انتقال ہوا (۱۲۰۸ھ—۱۷۹۳ء)۔

(۶) سیالکوٹی مل وارستہ مصنف مصطلحات الشعرا ۔ وفات (۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء) ۔

پر سو جگه اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے - بااینہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے - مولوی احسان‌اللہ ممتاز (۱) کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی - اس شیوہ و روش کو خوب برت گئے - فارسی وہ کیا جانیں؟ قاضی محمد صادق (۲) اختر عالم ہوں گے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ؟ ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی دانوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے -

کالپی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قتیل کے شاگرد تھے - میں نے ایک رقعہ قتیل کا ان کے نام دیکھا ہے کہ قتیل ان کو لکھتا ہے: جامہ گزاشتن بمعنی مردن مسلم، لیکن بہت احتیاط کیا کرو، موقع دیکھ لیا کرو، جب لکھا کرو - میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا؟ ''فلاں مرد،، ''یہاں جامہ گزاشت،، پھر وہ کہتا ہے کہ ''کدہ،، کے ساتھ سوائے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو - پھر فرماتا ہے کہ ''ہمہ،، کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ، مفرد سے نہ ملاؤ -

نقل: میں نے ''دستنبو،، میں لکھا ہے کہ ''ہمہ کس داند،، - ایک شخص نے کہ وہ مولوی کہلاتا ہے، میری غیبت میں کہا کہ

---

(۱) احسان‌اللہ ممتاز خلف شیخ عظمت‌اللہ ساکن اناؤ (یو پی) نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل تھا - ایک سو تین سال کی عمر پا کر ۱۲۵۰ھ-۱۸۳۴ء کے قریب فوت ہوئے (''روز روشن،، ص ر ٦٥) -

(۲) قاضی محمد صادق خاں اختر اعیان ہوگلی میں سے تھے - غازی‌الدین حیدر شاہ اودھ کے دور میں ''محامد حیدری،، کی وجہ سے عروج حاصل ہوا - لکھنئو میں انتقال ہوا - (۱۸۵۸ء) ان کی تصانیف میں سے تذکرہ آفتاب عالم تاب بطور خاص قابل ذکر ہے جس میں چار ہزار دو سو ساٹھ شاعروں کے حالات مع نمونۂ کلام درج ہیں -

''همه کس داند،، کیا ترکیب ہے؟ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا، اس نے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے، جیسا کہ وہ کہتا ہے:

همه کس طالب آں سرو روان ست اینجا
آب حیواں ز نفس سوختگاں ست اینجا

اس نے کہا کہ تمہارا استاد ''حاش للہ،، کو ما قبل کلمہ منفی لایا ہے اور یہ جائز نہیں:

حاش للہ که بد نمیگویم

میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوری کی ہے:

حاش للہ نه مرا، بلکه ملک را نبود
باسگ کوے تو ایں زهره و یارا و مجال

مولوی ہدایت علی تمکین کا آج تک میں نے نام نہیں سنا تھا، چھپے ہوئے رستم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا، مگر وارد شاہجہان آباد تھا۔ ''انتقام کشیدن،، و ''انتقام گرفتن،، دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب لچ فارسی بولتے ہیں۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔

''کلیم،، بروزن فعیل صیغہ اسم فاعل ہے، مثل کریم و رحیم۔ بشیر و سمیع و بصیر و کلیم اسماے الٰہی ہیں۔ کلیم اگر بمعنے ہم کلام لیجیے تو اسم الٰہی اس کو کیوں قرار دیجیے؟ حضرت کا مصرع:

هست کلامے ز کلام کلیم

مخدوش البتہ ہے، یعنی یا ''کلمه از کلام کلیم،، یا ''کلامے از کلمات کلیم،، چاہیے۔ کلامے از کلام، مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہیے، گو جائز نہ ہو۔

''گوباش،، و ''گو باشد،، ہر گز محل تردد نہیں۔ اوہام و وساوس قواعد میں پیش نہیں جاتے۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب

ہرگز یائے معروف نہیں ہے، یائے مجہول ہے ۔ یائے معروف یہاں نا مقبول ہے :

خدائے کہ بالا و پست آفرید

ایسا خدا ، ایسا کریم ۔ اس تحتانی کو یائے وحدت کہو، یائے توصیف کہو ، یائے تعظیم کہو ، جس طرح کہو ، مجہول آئے گی ۔

(۱۸۶۳ء)

(۲۳)

جناب چودھری صاحب،[۱]

سیاہی پھیکی ، کاغذ پتلا ۔ پیر و مرشد کی عبارت ایک طرف ، آپ کی تحریر بھی مغشوش ہو گئی ۔ بہرا ہو گیا ہوں مگر حدت بصر ہنوز باقی ہے ۔ تمہاری عبارت کا جو لفظ پڑھ لیا ، قرینے سے اس کا محاورہ بھی معلوم ہو گیا ۔ حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو ۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ ارولی سفید کاغذ (۱) پر حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجیے تا کہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں ، لیکن بہت جلد ، بہت جلد ۔

آپ کی نگارش سے اتنا دریافت ہو گیا کہ اب آپ اچھے ہیں ۔ الحمد للہ ، جناب ممتاز علی خاں صاحب(۲) کہاں اور مارہرہ کہاں بہ ہر حال میرا سلام ۔

(۲۴)

بندہ پرور،

پرسوں تمہارا خط آیا، آج جواب لکھ رکھتا ہوں، کل ڈاک میں بھجوا دوں گا ۔ میرا حال کیوں پوچھو ؟ اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ

---

(۱) ایک قسم کا سفید کاغذ جو ذرا دبیز ہوتا ہے ۔

(۲) یہ وہی ممتاز علی خاں ہیں جن کے چھاپے خانے میں عود ہندی پہلی مرتبہ چھپی تھی ۔

ہے ، وہی میرا رنگ ہے ۔ بثور و اورام(۱) مرض خاص اور رنج عام ، یہ ایک اجمال ۔ دوسرا اجمال سنو کہ مہینے بھر سے صاحب فراش ہوں ۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں ۔ محل سرائے اگرچہ دیوان خانے کے بہت قریب ہے، پر کیا امکان جو جا سکوں ۔ صبح کو نو بجے کھانا یہیں آ جاتا ہے ۔ پلنگ پر سے کھسل پڑا ، ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا ، پھر ہاتھ دھوئے ، کلی کی ، پلنگ پر جا پڑا ۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے ۔ اٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا اور پڑ رہا ۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے ۔ اس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضائے بول کو دیکھو ۔ پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں مگر صعوبت کو تصور کرو ۔ ایک پھوڑا دائیں پہونچے میں، جس کو ساعد کہتے ہیں، دو پھوڑے بائیں پہونچے میں ۔ یہ سہل ہیں ۔ بائیں پاؤں میں کف پا و پشت پا سے لے کر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت ۔ رادعات(۲) و محللات(۳) سے کچھ نہ ہوا ۔ اب تجویز ہے کہ نیب کا بھرتا باندھیے ۔ جب پکے، پھوٹے ، تب مرہم لگائیے ۔ کہو کف پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیام کا کہاں ٹھکانا؟

یہ حال جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں مجمل و جزوی ہے ۔ میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحبِ عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو

---

(۱) بثور ، بثرہ کی جمع بہ معنی چھوٹے چھالے یا سرخ و زرد دانے ، جو جوشِ خون کے باعث جلد پر ابھر آتے ہیں ۔ اورام ورم کی جمع ہے ۔
(۲) رادعات ، رادع کی جمع ہے یعنی ایسی دوائیں جن کے استعمال سے مادہ فاسد رک جائے اور نکل جائے ۔
(۳) محللات، محلل کی جمع ہے، یعنی ایسی دوائیں ، جن کے استعمال سے مادۂ فاسد تحلیل ہو جائے ۔

ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں ۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں ۔

رودکی اور فردوسی سے لے کر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے ۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے ۔ سعدی و جامی و ھلالی ، یہ اشخاص متعددہ نہیں ۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع(۱) ہوا ۔ خیال ہائے نازک و معانی بلند لایا ۔ اس شیوے کی تکمیل کی ، ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے بھی ۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی ۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا ۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرے میں ہیں ۔ رودکی و اسدی و فردوسی ، یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا ۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں : خاقانی اور اس کے اقران ، ظہوری اور اس کے امثال ، صائب اور اس کے نظائر ۔ خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے ؟ بے شبہ فرماؤگے کہ یہ طرز اور ہی ہے ۔ پس تو ہم نے جانا کہ ان کی طرز چوتھی ہے ۔ کیا کہنا ہے ، اچھی طرز ہے ، مگر فارسی نہیں ہے ، ہندی ہے ۔ دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ، ٹکسال باہر ہے ۔ داد ، داد ، انصاف ، انصاف :

اگر چہ شاعران نغز گفتار	ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں	خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم	ورائے شاعری چیزے دگر ہست

---

(۱) پیدا کرنے والا ۔

وہ "چیزے دگر"، پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ:

بد نام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو؟

سودا:

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم،

قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی؟ کیوں کر مانوں
ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خان:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں، مگر ان کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے؟ لیٹا ہوا ہوں۔ دمبدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اڑائے دیتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۱۸۶۳ء)

(۲۵)

ایک عبارت لکھتا ہوں، چونکہ لفافہ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا ہوگا، پہلے وہ پڑھیں۔ پھر میرے پیر و مرشد کی نظر سے گزرانیں، پھر مرشد زادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں۔

برس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں، بثور و اورام میں لد رہا ہوں۔ برس دن میں اوجاع (۱) سہتے سہتے روح تحلیل ہو گئی، نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر، مگر دونوں

(۱) اوجاع، وجع کی جمع، بہ معنی درد۔

پنڈلیوں میں ہڈیوں کے قریب دو پھوڑے ہیں، کھڑا ہوا اور ہڈیاں چرانے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں - بائیں پانو پر کف پا سے، جہاں وہ پھوڑا ہے، پنڈلی تک ورم ہے - رات دن پڑا رہتا ہوں - پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے - کھسل پڑا، بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا - اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں - اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف، خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں - دو خط چودھری صاحب کے آئے، جواب نہ لکھ سکا - آج اپنے کو طعنے دے کر مرد بنایا، جب یہ عبارت لکھی - چودھری صاحب کو سلام، حضرت صاحب کو بندگی -

(۱۸۶۳ء)

(۲۶)

آہاہا، جناب منشی ممتاز علی خاں صاحب مارہرہ پہنچے! صاحب یہ تو سیاح گیتی نورد ثانی مخدوم جہانیاں جہاں گرد ہیں - بہ ہر حال آپ نے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے - کتاب کو اس سے رونق ہو جائے گی:

نظم میں وہ پایۂ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لالی انجم نثار کرے، خود بلا گرداں ہو، لولی سہا ہر مصرعے پر دل و جان وار کرے، صدقے، قربان ہو(۱)-

---

(۱) یہ ''مہر غالب،، (مرتبہ سرور) کے اس دیباچے کی عبارت کا فقرہ ہے جو سرور نے لکھا تھا -

نظم میں وہ پایۂ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لا لی انجم
نثار کرے خود بلا گردان ہو- لو لی سہا ہر مصرعے پر
دل و جان وار کرے، صدقے قربان ہو-

اس کی تصحیح کرتے وقت میرزا نے بتایا کہ ''وار کرے،، بہ معنی حملہ کرے ہے اور مقصود آپ کا ''وارے،، ہے لہذا فقرہ یوں بدل دیا:

نظم میں پایۂ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لالی انجم
تصدق اتارے، خود بلا گردان ہو - لولی سہا ہر مصرعے پر
دل و جان وارے، صدقے قربان ہو-

اسی طرح چھپا -

وار کرے (بمعنی حملہ کرنے کے ہے) اور وہ جو اپ کا مقصود ہے ان معنوں میں ''وارنا،، اور ''وارنے،، آیا ہے، نہ ''وار کرنا،، اور ''وار کرے،،۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چند سطریں میں نے بہ ہزار دشواری لکھ کر تمہیں بھیجی تھیں۔ خواہش یہ تھی کہ یہی سطریں میرے مخدوم اور مخدوم زادے کی نظر سے گزر جائیں۔ آج ایک خط میں نے پیر و مرشد کا اور پایا، وہ ابھی نہیں پڑھا، مگر شاہ عالم صاحب اُس خط کی پشت پر لکھتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں لکھا، حالانکہ میں ان سطروں میں یہ لکھ چکا ہوں کہ نہ مجھے تحریر کی طاقت، نہ اصلاح کے ہوش۔ ایک بات کو دس دس بار کیا لکھوں؟ اب میرا انجام کار دو طرح پر متصور ہے: یا صحت یا مرگ۔ پہلی صورت میں خود اطلاع دوں گا، دوسری صورت میں سب احباب خارج سے سن لیں گے۔ یہ سطریں لیٹے لیٹے لکھی ہیں۔

حضرت صاحب عالم مارهروی

بلگرام کے ایک بزرگ سید برکت‌اللہ ملقب به ''صاحب البرکات،، (بن سید اویس ، بن سید عبدالجلیل بن میر عبدالواحد اکبر بلگرامی) وطن مالوف سے مارهره میں منتقل ہو گئے تھے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے یمن تربیت سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۰- محرم ۱۱۴۲ھ/۲۵-جولائی ۱۷۲۹ء کو وفات پائی (تاثرالکرام دفتر اول ص ۱۲۱ - ۱۲۳) انہیں سے مارهره کی ''درگاه برکاتیه،، کی ابتدا ہوئی۔

صاحب البرکات کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے سید آل محمد (۱۱۱۱ھ /۱۶۹۹ء — ۱۶ رمضان ۱۱۶۴ھ/۲۸- جولائی ۱۷۵۱ء) اور چھوٹے سید نجات‌اللہ معروف به شاہ میاں (۱۱۱۷ھ/۱۷۰۵ء—یکم شوال ۱۱۹۰ھ/۱۳- نومبر ۱۷۷۶ء) ان دو صاحبزادوں کے لیے ''درگاه برکاتیه،، کے دو حصے ہو گئے۔ بڑے صاحبزادے کی درگاہ کو ''سرکار کلاں،، اور چھوٹے کی درگاہ کو ''سرکار خورد،، کہتے تھے۔ سید صاحب عالم مارهروی سرکار خورد کے سجادہ نشین تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے : سید صاحب عالم، بن سید مخدوم عالم، بن سید مقبول عالم بن سید شاہ نجات اللہ ، بن صاحب البرکات سید برکت‌اللہ قادری۔

صاحب عالم ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ مشہور لطیفہ ہے کہ انہوں نے میرزا کو لکھا میرا سال ولادت لفظ ''تاریخ،، سے نکلتا ہے یعنی ۱۲۱۱ھ - میرزا نے بے تکلف لکھا :

ان کی ''تاریخ،، میرا ''تاریخا،،

یعنی لفظ تاریخ پر الف کا ایک عدد بڑھا کر ۱۲۱۲ھ بنا دیا جو میرزا کا سال ولادت ہے۔

صاحب عالم ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں زینت آرائے سجادہ ہوئے۔ ۲ محرم ۱۲۸۸ھ / ۲۴۔ مارچ ۱۸۷۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔ پھر ان کے صاحبزادے سید شاہ عالم اور سید مقبول عالم بہ یک وقت سجادہ نشین رہے۔ شاہ عالم نے ۲۔ محرم ۱۳۰۲ھ / ۲۲۔اکتوبر ۱۸۸۴ء کو اور سید مقبول عالم نے ۱۰۔ محرم ۱۳۰۳ھ / ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو وفات پائی۔ شاہ عالم کے نام میرزا کے خط موجود ہیں۔ سید مقبول عالم کی شادی کا ذکر صاحب عالم کے نام ایک خط میں آیا ہے۔ بعد ازاں پہلے سید خورشید عالم بن سید شاہ عالم، پھر سید جان عالم بن سید خورشید عالم اور سید مخدوم عالم بن سید مقبول عالم سجادہ نشین رہے۔ یہ تمام معلومات تاثرالکرام دفتر اول (از مولانا آزاد بلگرامی) اور برکات مارھرہ (مؤلفہ طفیل احمد صاحب صدیقی) سے ماخوذ ہیں۔

خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب عالم میرزا کے کمالات نظم و نثر کے معتقد تھے اور میرزا کو صاحب عالم کی روحانی بزرگی کے متعلق حسن اعتقاد تھا۔ ان کے نام خطوط کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے، اغلب ہے تمام خطوط محفوظ نہ رہ سکے۔ صرف پانچ خط صاحب عالم کے نام اور دو شاہ عالم کے نام مل سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سرور کے نام جو خط بھیجے گئے ان میں سے بھی متعدد سرور اور صاحب عالم کے نام مشترک ہیں بلکہ بعض خطوں میں ابتدائی سطور کے سوا صاحب عالم ہی مخاطب ہیں۔ میرزا اس لیے بھی صاحب عالم کو براہ راست کم ہی خطاب کرتے تھے کہ ان کا خط اچھا نہ تھا، جو

کچھ تحریر فرماتے تھے، وہ میرزا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، چنانچہ صاحب عالم کے کئی خط خفیہ خفیہ سرور کو بھیج کر لکھا کہ عبارت صاف لکھ کر واپس کیجیے تاکہ جواب دیا جا سکے۔

---

(۱)

پیر و مرشد،

سلام و نیاز پہنچے۔ کف‌الخضیب (۱) صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسان ہند کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں اور ان کی زبان میں اس کا نام بھی، یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ ''قبول دعا وقت طلوع''، منجملہ مضامین شعری ہے، جیسے کتان کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف‌الدولہ (۲) نے افعی تلاش کر کے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے۔ اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع انواع کپڑے منگوائے۔ چاندنی میں پھیلائے، مسکا بھی نہیں۔

تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ - مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ بھی آ پڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں۔ رہا طالع وقت تحویل درست کرنا، بے کتب فن اور مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں:

نہ دانم کہ گیتی چساں مے رود
چہ نیکو، چہ بد در جہاں مے رود

---

(۱) کف‌الخضیب، سرخ رنگ کا ایک ستارہ، جب وہ دائرۂ نصف‌النہار میں پہنچتا ہے تو مشہور ہے کہ قبول دعا کا وقت ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت وہی ہے جو میرزا نے بے تکلف بیان کر دی، یعنی یہ منجملہ مضامین شعری ہے، جیسے زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا یا کتان کا پرتو ماہ سے پھٹ جانا۔ کف خضیب کے لفظی معنی دست رنگین ہے۔

(۲) نواب وزیر والی اودھ بن شجاع‌الدولہ بن صفدر جنگ۔

میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری ، اب دیکھیے موت کیسی ہو :

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔

سکے کا وار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا یا کوئی گراب۔ کس سے کہوں ؟ کس کو گواہ لاؤں ؟ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں ، یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ کر گزرانے ۔ بادشاہ نے پسند کیے ۔ مولوی محمد باقر ، جو ذوق کے معتقدین میں تھے ، انہوں نے "دلی اردو اخبار" میں یہ دونوں سکے چھاپے ۔ اس سے علاوہ اب (تک) وہ لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانے میں مرشدآباد اور کلکتے میں یہ سکے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں ۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزرانے ہوئے ثابت ہوئے ہیں ۔ میں نے ہر چند قلمرو ہند میں "دلی اردو اخبار" کا پرچہ ڈھونڈا ، کہیں ہاتھ نہ آیا ۔ یہ دھبا مجھ پر رہا ۔ پنسن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان ، خلعت و دربار بھی مٹا ۔ خیر جو کچھ ہوا ، چونکہ موافق رضائے الٰہی کے ہے ، اس کا گلہ کیا :

چوں جنبش سپہر بہ فرمان داورست
بیداد نبود آنچہ بما آسمان دھد

یہ تحریر بطریق حکایت ہے ، نہ بسبیل شکایت ۔

گویند "از ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حال داری ؟ فرمود کدام حال خواھد بود کسے را کہ خدا از وے فرض طلبد و پیمبر سنت ، زن مال خواھد و ملک الموت جان ؟"

قصہ مختصر اب زیست بامید مرگ ہے ۔

"قاطع برہان" چودھری صاحب کی نثر کے اجزا کے ساتھ بھیجا جائے گا ،

به مقابله ''برهان قاطع،، منطبعہ(۱) دیکھا جائے اور بے حیف و بے میل(۲) از راہ انصاف دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مسنون اور دعاے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

(۱۸۵۹ء)

(۲)

پیر و مرشد،

مے کنم عرض گو مکرر باش

آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا روانہ کیا ہے اور اس خیال سے کہ وہ گرمی ہنگامۂ شادی میں اس خط کا آپ کی نذر سے گزراننا بھول نہ جائیں، یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔ اصحاب ثلثہ(۳) کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے ''وزن دارد، سجع ندارد،،۔ خدا کے واسطے ''وزن،، تقطیع شعر کو کہتے ہیں، وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے؟ سجع اس کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے۔ جو ہے اس کا سلب، جو نہیں اس کا ثبوت کیوں کر مانوں؟ کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے ہموزن ہونے کو وزن، تقطیع شعر کو ''سجع،، مان لوں؟ میں تو نہ مانوں گا۔ آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے۔ زبان فارسی مردے کا مال ہے، عرب کے ہاتھ بطریق یغما آیا ہے، جس طرح چاہیں صرف کریں۔

---

(۱) یعنی چھپی ہوئی۔ مطبوعہ۔ (۲) نہ زیادتی کی جائے نہ طرفداری۔

(۳) مولوی غیاث‌الدین رام پوری صاحب غیاث‌اللغات، منشی عبدالرزاق مولف مقدمات سہ نثر ظہوری اور عبدالواسع ہانسوی۔

خواجہ نصیرالدین طوسی(۱) آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ''ذال،، نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ الا کوئی لغت فارسی ایسی بتائیے جس میں ''ذال،، آئی ہو؟ گزاشتن و گزشتن و پزیرفتن سب ''زے،، سے ہیں۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے۔ اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریبؔ ہے، بہ تحقیق۔ آدر اسم آتش بدال ابجد ہے نہ بذال ثخذ(۲)۔ کوئی لفظ متحدالمخرج فارسی میں نہیں، بلکہ قریب المخرج بھی نہیں ''تے،، ہے ''طوے،، نہیں، ''سین،، ہے ''ث،، نہیں اور ''صاد،، نہیں۔ ''ھاے ہوز،، ہے ''حاے حطی،، نہیں۔ یہاں تک کہ ''قاف،، نہیں، اس راہ سے کہ غین متحدالمخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔ ''زے،، کے ہوتے ''ذال،، کیوں کر؟

وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے، جناب عبدالواسع فرماتے ہیں کہ ''بے مراد،، صحیح اور ''نامراد،، غلط۔ ارے ستیاناس جاے ''بے مراد،، اور ''نامراد،، میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ ''نامراد،، وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد، کوئی خواہش، کوئی آرزو بر نہ آوے ''بے مراد،، وہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو، از قسم بے مدعا و بے غرض و بے مطلب۔

---

(۱) خواجہ نصیرالدین طوسی (۱۰- جمادی الاول ۵۹۷ھ / ۲۱-فروری ۱۲۰۱ء — ۱۸- ذی الحجہ ۶۷۲ھ / ۲۷ - جون ۱۲۷۴ء) تمام علوم خصوصاً حکمت و فلسفہ و ہیئت، منطق میں ممتاز عالم مانے جاتے ہیں۔ تاتاریوں نے مراغہ کی رصد گاہ خواجہ موصوف ہی کی نگرانی میں قائم کی تھی۔ ''محقق طوسی،، کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ انہی میں اخلاق ناصری اور معیارالاشعار بھی ہیں۔

(۲) ''آدر،، ہے ''آذر،، نہیں۔

جستہ للہ ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے؟ ''نا پروا،، اور ''ناکام،، اور ''نادرست،، اور ''ناچار،، کہ یہ مخفف ناچارہ اور ''ناھار،، کہ یہ مخفف ''نہ اھار،، ہے اور ''نامراد،، اور ''ناانصاف،، یہ سب درست ہیں ۔ ھاں کہاں گئے ھانسی والے معلم؟

قافیہ شایگاں کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے ، وہ دو طرح پر ہے : خفی و جلی ۔ اہلِ خرد نے خاک اڑائی ہے اور بات بنائی ہے ۔ خفی اور جلی کی تفسیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اس کو نہ سمجھے، چہ جائے آں کہ مانے ۔ اصل یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل گویا و بینا و شنوا ۔ شعر اسیر(۳) :

اے دانۂ تسبیح خیالات دل دانا
سر حلقہ مستان رخت دیدہ بینا

اور نون دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے :

دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ برندش
مست است مبادا کہ بناگہ شکنندش

اور ایسا ہی ہے الف نون جمع کا ، مثل چراغاں و جواناں اور ایسا ہی ہے الف نون حالیہ ، مانند گریاں و خنداں ۔ پس اگر یہ مطلع میں آ پڑے تو ایطائے جلی ہے ۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ میں آ پڑے ، تو ایطائے خفی ہے ۔

آئمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ۔ اگر قایل تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبدالواسع اور غیاث‌الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے، تو تم جانو ۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے باپ نے اس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا ہے ۔

---

(۱) میرزا جلال‌الدین اسیر (وفات ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء) خیال بندوں کے طبقے کا مشہور شاعر ۔

اصل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ ان کی سی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں؟ خالصاً للہ غور کرو کہ وہ خران نامشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو۔ یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھو۔ قوت ممیزہ سے کام لو، ان غولوں پر لعنت کرو، سیدھی راہ پر آ جاؤ، اگر نہیں آتے تو تم جانو۔ تمہاری بزرگی پر اور میرزا تفتہ کی نسبت پر نظر کر کے لکھا ہے، نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو، مگر اس کھتری بچے (۱) اور اس معلم (۲) سے مجھ کو کمتر نہ جانو۔ عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ، غور کرو، سمجھو۔ عبدالواسع پیغمبر نہ تھا، قتیل برہما نہ تھا، واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں، شمر نہیں ہوں۔ مانتے ہو مانو، نہ مانو، تم جانو (۳)۔

(۳)

بعد حمد خداوند و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پہلے قبلۂ روح و رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم (۴) کی شادی کی مبارکباد۔

---

(۱) قتیل۔ (۲) غیاث الدین رام پوری یا عبدالواسع ہانسوی۔

(۳) زور تحریر اور قوت بیان غور طلب ہے۔ سوال یہ نہیں کہ میرزا اپنے دعاوی میں کس حد تک حق بجانب تھے۔ سوال صرف یہ ہے کہ جس امر کو وہ حق سمجھتے ہیں، اس کے پیش کرنے میں اتنا زور پیدا ہو جاتا ہے گویا دل و دماغ میں ایک طوفان برپا ہے اور اس کی بےپناہ موجیں جھاگ اچھالتی ہوئی فقرے بن بن کر صفحہ قرطاس پر پھیلتی جا رہی ہیں۔

(۴) مقبول عالم، حضرت صاحب عالم کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت شاہ عالم کے چھوٹے بھائی۔

کیا عرض کروں کہ میرا حال کیا ہے؟ اضمحلال قویٰ کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے، آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے۔ میں بے کلاہ و پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اٹھا، مصافحہ کیا۔ انہوں نے جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤں گا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں، خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لے جائیں۔ وہ تشریف لے گئے، میں لیٹ رہا۔ دن کو سونے کی عادت نہیں ہے۔ جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو، خط کا جواب آج لکھ رکھو۔ اٹھے کون؟ بکس کھولے کون؟ لڑکوں کی دوات قلم مونڈھے پر پلنگ کے پاس رکھ لی۔ اب مقتضی اس کا ہوا کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔

حضرت، نسخہ ''قاطع برہان،، تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے۔ آٹھ جز لکھے گئے۔ کم و بیش دو جز باقی ہیں، پرسوں تک آجائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہوگی۔ جب وہ عزیمت امضا پذیر ہو جائے گی، حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔ حضرت سید عالم کو نیاز۔ خورشید عالم کو سلام۔ چودھری صاحب کو نہ سلام، نہ نیاز، صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح روح سمجھتے تھے، باتوں کا مزہ ملتا تھا، خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ وظیفہ روحانی منقطع کیوں ہوا؟ صاحب یہ روش اچھی نہیں، گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور بنا رہے۔

(۴)

پیر و مرشد،

اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیوں کر بجا لاؤں؟ خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہلواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت

عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتنی و سوختنی کو یوں بچایا اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا، ورنہ بندہ دعوی خدائی کرنے میں محابا نہ کرے گا(۱)۔

۵

''کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف تالیف،،، اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا، مگر چودھری صاحب اور حضرت شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے۔ پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں۔ ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب، ان دو ناموں میں تردد باقی نہیں۔ معہذا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے؟ اگر ''پنج آہنگ،، مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک سببی بھائی ہے نواب ضیاءالدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم اردو سب نسخے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ، ڈر کر عرض کرتا ہوں، بیس ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بھی بکتی ہیں اور معیوب بہ دو عیب ہیں: ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے، وہ اس میں نہیں۔ دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے اگر کہوں کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے۔ بے مغالبہ یہ ہے کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں بہ ہر حال اگر فرمائیے تو لے کر بھیج دوں۔ مخدوم زادہ ہائے والا تبار، پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا، مگر پہلے ان کی خدمت میں

---

(۱) ظاہر ہے کہ صاحب عالم نے میرزا کی مدح میں قصیدہ لکھ بھیجا تھا۔

اور پھر سید مقبول عالم کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں۔

(۱۸۶۱ء)

(۵)

حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسداللہ کی بندگی،

دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا، مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لخت جگر و نور بصر مولوی سید فرزند احمد(۱) کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں؟

ہاتھ رعشہ دار، آنکھیں ضعیف البصر، حواس مسلوب ہیں۔ قصہ مختصر من کل الوجوہ غالب مغلوب ہیں۔ دو مہینے ہوئے منشی ہر گوپال تفتہ بہ سواری ریل یہاں آئے، ایک شب رہے، صبح کو تشریف لے گئے۔

مخدوم زادۂ شاہ عالم کو سلام اور یہ پیام کہ بطلان حس حافظہ کے سب آپ کے اخوان کے نام بھول چکا ہوں۔ ان سب صاحبوں کی خدمت میں اور میاں برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب (کی خدمت میں) سلام پہنچائیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں میر منشی نے آپ(۲) کا دیباچہ اور میرا مجموعۂ نثر مرتب کر کے منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا ہے۔ اب چھپوانے میں ان کو اختیار ہے(۳)۔

۲۶ - اگست ۱۸۶۶ء اسداللہ

---

(۱) سید فرزند احمد صغیر بلگرامی صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے۔ ان کے حالات موقع پر آئیں گے یہاں جس دیباچے کا ذکر ہے وہ صغیر کے رسالہ تذکیر و تانیث کا دیباچہ تھا، جو میرزا نے لکھا تھا۔

(۲) یعنی چودھری عبدالغفور سرور کا لکھا ہوا دیباچہ۔

(۳) یہ عود ہندی کی طباعت کا ذکر ہے۔ اگرچہ یہ مجموعہ مکاتیب اگست ۱۸۶۶ء سے پیشتر ممتاز علی خاں صاحب کے پاس پہنچ چکا تھا، مگر طباعت میرزا کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر مکمل ہو سکی۔

شاه عالم

(۱)

مخدوم زادۂ والا تبار، حضرت شاہ عالم سلام و دعاے درویشانہ قبول فرماویں - آپ کا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو:

یوسف از مصر بکنعان آمد

تفرقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز(۱) مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمھارے مسودات دیکھے نہیں گئے تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو - اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عمر و فن کو وہ سلام، جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے، پہنچائیے گا اور عرض کیجیے گا کہ آرزوے دیدار حد سے گزر گئی - یارب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انورالدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہو لوں، میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو - لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں - اب کے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے(۲) -

مشفقی و مکرمی چودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہیے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحب عالم کی تمناے دیدار بقید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے:

خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں

ان کے اس خط کا جواب، جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے، موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجوں گا(۳) - ان شاءاللہ العزیز -

---

(۱) گرمی -

(۲) اشارہ ہے اپنی اس پیشگوئی کی طرف کہ میں ۱۲۷۷ء میں مر جاؤں گا - تاریخ بھی نکال لی تھی یعنی ''غالب مرد'' -

(۳) بظاہر ان کا کلام یا مثنوی یا کوئی اور چیز ہوگی، جس کے متعلق لکھا ہے کہ حفاظت کے لیے موم جامے میں لپیٹ کر بھیجی جائے گی -

ہاں جناب شاہ عالم صاحب، پھر روے سخن آپ کی طرف ہے۔ جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام ان کے سپرد ہوا ہے۔ یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپے تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائم مقام ہیں۔ وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سپاٹو گیا۔ ایک دن فقیر بھی ان کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں۔ آنکھیں ان کے حسن صورت سے روشن ہو گئیں۔ واہ خاک پاک بلگرام، میں نے وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا، بہت اچھا پایا۔

(۱۸۶۰ء)

(۲)

مخدوم زادۂ عالی شان، مقدس دودمان، حضرت شاہ عالم، امن و امان و عز و شان و علم و عمر سے برخوردار رہیں۔ ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے۔ ہاں سچ ہے ان کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا۔ جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں؟ بہ ہر حال جناب حضرت صاحب عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے اور یہ سطریں ان کی نظر سے گزر جائیں۔ چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہیے گا اور یہ پوچھیے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے؟ اگر کوئی جرم ہے تو معاف کیجیے، اگر کوئی اور جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجیے۔

ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روے سخن آپ کی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر وزیر علی صاحب کے نام کا پہنچا۔ وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لے کر گیا تھا، وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو، دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمت گزاری کی آپ کو اطلاع دی۔

یاے تحتانی لکھ چکا تھا کہ ایک چپراسی آیا اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع ان کے خط ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت، یک شنبہ کا دن، ۸- صفر اور ۱۰- اگست کی ہے۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی ان کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائیں گے۔ اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام

۸- صفر (۱۲۷۷ھ - ۲۰ اگست (۱۸۶۰ء)

(۳)

مخدوم زادۂ مرتضوی نژاد کو فقیر غالب علی شاہ کی دعاے خیر پہنچے میں ۳- اکتوبر ۱۸۶۰ء یعنی سال حال کو رام پور میں پہنچا ہوں اور دسمبر تک اقامت کا ارادہ ہے۔ آپ خط لکھیں تو رام پور افغانان اندرون قلعہ سر نامے پر پتا لکھیں۔

کل حضرت کا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ میر محمد علی خوش نویس کے نام سے میرے کان آشنا نہیں، مگر ہاں میر نیاز علی صاحب کو جانتا ہوں۔ خدا خیر کرے وہی ہوں جو میرے خیال میں آئے ہیں۔ یہاں سے میں اس باب میں کچھ لکھ نہیں سکتا۔ بشرط حیات دلی پہنچ کر لکھوں گا اور جو کچھ معلوم ہو جائے گا، آپ کو لکھوں گا۔

حضرت ! میرے پاس میری تصنیفات کچھ نہیں - کلیات فارسی مطبع اودھ اخبار لکھنئو میں اور کلیات اردو مطبع کان پور میں اور دستنبو مطبع روھیل کھنڈ بریلی میں موجود ھیں، جو صاحب جس کے مشتاق ھوں، اس مطبع سے منگوا لیں اور اگر مجھ کو یہ خدمت بجا لانی چاھیے، تو بشرط حیات ھر جگہ سے ھر چیز منگوا کر بھیج دوں گا۔

میرے پیر و مرشد کی خدمت میں میری بندگی عرض کرو اور کہو کہ خدا آپ کو ھمیشہ سلامت با کرامت رکھے۔ آپ اتنے ھیں کہ اگر امید وصال نہ ھو تو روح کو جسم سے باھر کر سکتے ھیں -

فقیر بقول غالب علیہ‌الرحمہ :

در کشاکش ضعفم، نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمے میرم ھم ز ناتوانیہاست

رام پور آیا ھوں اور قلعے میں زیر سایہ ٔ کاخ والی شہر اترا ھوں۔ اپنا یہ مقطع پڑھ رھا ھوں :

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از پائے نیامد ز عصا می آید

ظاھرا دسمبر تک یہاں رھوں گا۔ چودھری عبدالغفور صاحب کو کچھ نہ کہیے۔ اگر آپ ان کے آگے میرا نام لیجیے گا تو وہ خفا ھو جائیں گے۔

دوشنبہ ٦- نومبر ١٨٦٦ء   جواب کا طالب، غالب

مطابق ١٧ جمادی‌الاخری ١٢٨٢ھ

سید مقبول عالم

ایک شعر میں نے بہت دن سے کہہ رکھا ھے، اس خیال سے کہ میرے بعد کوئی میرا دوست میرا مرثیہ لکھے اور اس شعر کو بند قرار دے کر ترکیب بند رقم کرے۔ وہ شعر یہ ھے :

رشک عرفی و فخر طالب مُرد

اسداللہ خاں غالب مُرد

دو صاحبوں کو اس کام کے واسطے اپنے ذہن میں ٹھہرایا: ایک تو مصطفیٰ خاں۔ سو انہوں نے شعر کہنے سے توبہ کی، دوسرے نواب ضیاءالدین خاں وہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور شعر کم کہتے ہیں، پس اب اپنے پیرو مرشد صاحب عالم صاحب سے اس عنایت کا امیدوار ہوں کہ یہ کاغذ اپنے پاس رہنے دیں اور وقت پر ترکیب بند لکھیں۔ اللہ، اللہ۔(۱)

---

(۱) میرزا نے ایک غزل کے مقطع میں کہا تھا:

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہدیں شاید

مر گیا غالب آشفتہ نوا، کہتے ہیں

شیفتہ سے مراد نواب مصطفیٰ خاں اور وحشت سے مراد میر غلام علی خاں (شاگرد مومن) ہیں۔ جو میرزا اور شیفتہ دونوں کے نہایت عزیز دوست تھے۔ پھر نواب ضیاءالدین احمد خاں کی طرف توجہ منعطف ہوئی۔ مرثیہ کا ایک شعر بھی کہ لیا۔ میرزا کی وفات پر خواجہ حالی اور میر مہدی مجروح نے نہایت پردرد مرثیے کہے۔ خصوصاً خواجہ حالی کے مرثیے کو تو اردو ادب میں ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ خواجہ مرحوم نے میرزا کا یہ شعر ایک بند کے آخر میں رکھا ہے اور ان کا مرثیہ ترکیب بند کی شکل میں ہے۔ میر مجروح نے مرثیے کو ترجیع بند بنایا اور تمام بندوں کے آخر میں یہی شعر رکھا۔ صاحب عالم مارہروی یقیناً شعر کہتے تھے اور اغلب انہوں نے کچھ کہا بھی ہوا لیکن خواجہ حالی اور میر مجروح کے انداز میں مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔

حسین میرزا اور متعلقین

میر محمد امین مغلوں کے آخری دور میں ہندوستان آیا اور یہاں کا ممتاز امیر بن گیا۔ سعادت خاں برہان‌الملک خطاب پایا، اودھ کی حکومت ملی۔ اس کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ تین بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک کی شادی اپنے بھانجے محمد مقیم سے کر کے اس کو وارث و جانشین بنایا۔ محمد مقیم ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے وزارت حاصل کی۔ اس کی اولاد شجاع الدولہ، آصف‌الدولہ، سعادت علی خاں نواب وزیر اودھ کی حیثیت میں اودھ کے حکمران رہے۔ غازی‌الدین حیدر نے انگریزوں کے ایماء سے بادشاہی قائم کی۔ واجد علی شاہ پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

محمد امین کے ساتھ اس کے کئی عزیز اور ہم جد بھی ہندوستان آ گئے، انہیں میں سے ایک حسین میرزا کے بھی جد امجد تھے۔ حسین میرزا کے والد حسام‌الدین حیدر خاں غیاث‌الدین محمد یا حسب روایت نساخ محمد غیاث (سخن شعرا ص ۱۰۰) کے فرزند تھے جس نے والدۂ حسام‌الدین حیدر کے انتقال کے بعد ذوالفقارالدولہ نجف خاں کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ اس خاتون کے بطن سے سید محمد خاں رند تھے۔

حسام‌الدین حیدر خاں کو سوتیلی والدہ کا سلوک کسی وجہ سے ناخوشگوار محسوس ہوا اور وہ لکھنؤ چھوڑ کر دھلی چلے آئے۔ اکبر شاہ ثانی نے سات گاؤں جاگیر میں دے دیے۔ دربار میں ایک موزوں عہدہ

مل گیا۔ نقد روپیہ بھی خاصا ساتھ لائے تھے۔ لکھنؤ سے ماہانہ بھی مل جاتا تھا۔ پھر دہلی میں شاہان اودھ کی جاگیر کا انتظام ان کے حوالے ہو گیا۔ مبارزالدولہ ممتازالملک حسام جنگ ان کے خطابات تھے۔ بلی ماروں کے اندر شاندار حویلی میں رہتے تھے، جہاں نواب احمد بخش خاں، الٰہی بخش خاں معروف اور ان کے دوسرے اہلِ خاندان مقیم تھے۔ ہمسایگی کے باعث گہرے دوستانہ روابط پیدا ہو گئے۔ اسی سلسلے میں حسام الدین حیدر خاں اور میرزا غالب کے درمیان بھی خویشوں کی سی محبت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ ۱۸۲۶ء میں حسام الدین حیدر خاں کا انتقال ہوا۔

حسام الدین حیدر خاں شعر بھی کہتے تھے۔ نامی تخلص تھا۔ ان کا اردو دیوان مرتب ہوا اور میرزا غالب نے اس پر فارسی میں نہایت عمدہ دیباچہ لکھا (کلیات نثر فارسی ص ۸۰-۸۸) فارسی دیوان بھی تھا، لیکن اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔

حسام الدین حیدر خاں کی شادی نجف قلی خاں کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان کے دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بڑے بیٹے کا نام سیف الدین حیدر خاں اور خطاب مظفرالدولہ تھا۔ اس نے زندگی آزادانہ گزاری، کبھی کوئی مشغولیت پسند نہ کی۔ ان کی شادی بخشی محمود خاں کی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ غدر میں وہ دہلی کے بعض دوسرے اکابر کے ساتھ الور چلا گیا۔ بعد غدر پکڑا آیا۔ گوڑ گانوہ میں بلا تحقیق و تفتیش اسے گولی مار دی گئی۔ غالباً اسی کے ساتھ شیخ ابراہیم ذوق مرحوم کے اکلوتے فرزند خلیفہ اسماعیل بھی ناحق معرض قتل میں آئے۔

حسام الدین حیدر کے دوسرے فرزند معین الدولہ ذوالفقارالدین حیدر خاں ذوالفقار جنگ تھے۔ جن کا نام حسین میرزا تھا۔ وہ ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۱۸ء

میں پیدا ہوئے۔ مظفرالدولہ سے چودہ برس اور ہمشیرہ سے چار برس چھوٹے تھے۔ ان کی شادی ضمیرالدولہ جلیل الملک افتخارالامرا احمد حسین نظارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی صاحبزادی سے ہوئی اور خسر کے انتقال کے بعد دربار مغلیہ میں نظارت کا عہدہ حسین میرزا ہی کو ملا۔ اسی وجہ سے وہ ''ناظر جی،، مشہور ہوئے۔

حسین میرزا ''غدر،، میں باہر جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ شاہی ملازم تھے۔ انگریز دوبارہ دہلی میں داخل ہو گئے تو حسین میرزا متعلقین کو لے کر صفدر جنگ کے مقبرے میں چلے گئے لیکن کس حالت میں؟ اجمیری دروازے سے صفدر جنگ کے مقبرے تک زیادہ سے زیادہ تین چار میل کا فاصلہ ہوگا جسے طے کرنے کے لیے دس ہزار روپے لٹیرے گوجروں کے حوالے کرنے پڑے۔ پھر نواب حامد علی خاں کے ساتھ برست چلے گئے، جو نواب کا وطن تھا۔ وہ دربار کے ناظر تھے اور انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے۔ چھپتے چھپاتے پہلے پانی پت گئے۔ انصاریوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر انہیں بچایا۔ پھر بھیس بدل کر لکھنئو پہنچے اور روپوش رہے۔ اعلان عفو عام پر دہلی آئے۔ کل جایداد ضبط ہو چکی تھی۔ بڑی پریشانیاں اٹھائیں۔ سالار جنگ دوم دہلی آئے تو ان سے ملے اور انہوں نے حیدرآباد بلا لیا۔ وہاں جانا چاہتے تھے کہ آثار جنوں نمودار ہوئے۔ جن ہولناک مصائب سے وہ گزر چکے تھے، ان کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ باقی زندگی عالم جنون ہی میں گزاری ۶۔ رمضان ۱۳۰۷ھ/۲۶۔ اپریل ۱۸۹۰ء کو انتقال ہوا۔ مجروح نے تاریخ وفات کہی:

حسین میرزا چوں مرد درشش رمضان
از آنکه بود ز نسل امیر خیبر گیر
پئے شمارۂ سال وفات رضواں گفت
بیا بکاخ جناں اے امیر ابن امیر

ان کے بڑے فرزند سجاد میرزا تھے اور چھوٹے اکبر میرزا۔ اکبر میرزا

نے خاندان کے پورے حالات قلمبند کر دیے تھے - یہ مخطوطہ ان کے فرزند احسن میرزا کے پاس ہے - اسی سے مجھے تفصیلات معلوم ہوئیں - سجاد میرزا نے ۱۲۹۳ھ/۱۸۹۷ء میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی -

ان کی ہمشیر قدسیہ سلطان کی شادی مرشدآباد کے ایک عالی قدر امیر محمد نصیر عرف نواب جان سے ہوئی تھی، جو زیادہ تر لکھنؤ میں رہتے تھے لیکن قدسیہ سلطان نے زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں گزارا - یوسف میرزا (سید ناصرالدین حیدر خاں متخلص بہ ناصر) اور مظفر میرزا ان کے فرزند تھے -

سید محمد نصیر عرف نواب جان بھی ''غدر،، میں گرفتار ہوئے اور انہیں چودہ برس قید کی سزا ہوئی - (میرزا کا مکتوب بنام یوسف میرزا ۱۲) لیکن معلوم ہوتا ہے، اس نے اوائل قید ہی میں وفات پائی بعض اصحاب نے لکھا کہ انہیں پھانسی کی سزا دی گئی - لیکن خود میرزا غالب کی تحریر سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ میر نصیر کی موت طبعی تھی (دیکھیے مکتوب محولہ بالا) -

آخر میں اتنا اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے صاحبزادے آغا ابراہیم کی شادی حسین میرزا ہی کے خاندان میں ہوئی تھی -

---

(۱)

جناب نواب صاحب،

شکوہ کرنا سہل ہے - سبز سیاہی کہیں سے منت کی ہاتھ آ گئی - حضرت نے شکوہ لکھا - یوسف مرزا صاحب نے نظم و نثر کے لکھنے کا حکم چڑھایا - بھائی تمہارے خط کا جواب آگے لکھ کر بھیج چکا ہوں - اپنی طرف سے سلطان عالم(۱) کو ابھی عرضی نہ لکھوں گا اور جب لکھوں گا

---

(۱) واجد علی شاہ جو معزول ہو کر ۱۸۵۶ء سے کلکتہ میں مقیم تھے -

تو خدا میرے خداوند(۱) کو سلامت رکھے، بواسطہ ان کے بھیجوں گا۔ تم کو چاہیے کہ اپنی طرف سے فارسی متعارفہ مروجہ میں لکھ بھیجو - یہی تم کو لکھ چکا ہوں اور اب یہی جواب ہے یوسف میرزا کو۔

پرسوں میرزا آغا جان صاحب آئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بھاڑا سنگھ اور کاشی ناتھ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ نہ میرے کام کے، نہ تمہارے کام کے۔ کام کریں کیا، گنجایش ہی نہیں اور جو کچھ ہوتا جاتا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ جس طرح صبح ہوئی، شام ہوئی، ابر آیا، مینہ برسا یعنی سعی کو، تدبیر کو، خواہش کو دخل نہیں۔

آبادی(۲) کا آوازہ پھر فرو ہے۔ لاہوری دروازے کے علاقے میں کچھ کم سو گھر آباد ہوئے ہیں۔ کئی ہزار گھر کی بستی ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ دو چار برس میں وہ علاقہ آباد ہو جائے گا اور جب وہ علاقہ آباد ہو جائے گا تو دوسرا علاقہ شروع ہوگا۔ گھبراؤ نہیں، جلدی کیا ہے؟

آج سردار سنگھ ولد جگت سنگھ میرے پاس آئے تھے، تمہارے مکان کا پتا لکھوا لے گئے ہیں۔ شاید تم کو خط لکھیں۔ میر عنایت حسین گڑھ پنکھ بن کر اڑ گئے۔ کئی آدمیوں سے کہا، انہوں نے کہا اب وہ وہاں نظر نہیں آتے۔ میرے پاس ہر ہفتے کے آنے والے، اب مہینا بھر سے نہیں آئے۔ میر مرتضیٰ حسین کا خط ان کے نام کا میرے پاس دھرا ہے، جب وہ آئیں گے، ان کو دے دوں گا۔ جگت سنگھ کا لکھنئو سے روانہ ہونے کا قصد سردار سنگھ سے کہہ دیا۔

اب کے تمہارے خط میں مظفر میرزا کی طرف سے کچھ نہیں۔ اس سے مستنبط ہوا کہ وہ اور جگت سنگھ، جیسا کہ تم نے لکھا تھا، لکھنئو

---

(۱) مجتہدالعصر، انہی کی وساطت سے میرزا کے قصیدے بادشاہ کے دربار میں پیش ہوتے تھے۔

(۲) یعنی ان لوگوں کی آبادی شہر میں جو زمانۂ ''غدر،، میں یا اس کے بعد میں شہر سے نکل گئے تھے۔

سے کول اور مراد آباد کو گئے۔ میر امداد کا ذکر میں نے میرزا آغا جان صاحب سے کر دیا ہے کہ اچھا ہے، اگر وہ حسین میرزا صاحب اور حسینی صاحب(۱) کی طرف سے مختار ہو جائیں۔ کل جمعہ تھا، یقین ہے کہ صاحب کمشنر سے ملے ہوگے، عرضی دی ہوگی۔ اس کا حال مجھ کو لکھو۔

یہ ہو لیا، میرا دکھ سنو۔ بھاگا نہیں، پکڑا نہیں گیا۔ دفتر قلعہ سے کوئی میرا کاغذ نہیں نکلا۔ کسی طرح کی بے خیالی و نمک حرامی کا دھبا مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری شنکر یا گوری دیال یا کوئی اور، غدر کے دنوں میں بھیجتا تھا۔ اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ فلانی تاریخ اسداللہ خاں غالب نے یہ سکہ کہہ کر گزرانا:

به زر زد سکهٔ کشور ستانی
سراج الدین بہادر شاہ ثانی

مجھ سے عندالملاقات صاحب کمشنر نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے۔ میں نے کہا غلط لکھتا ہے۔ بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاعر، بادشاہ کے نوکر شاعر۔ خدا جانے کس نے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے کہہ گزرانا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزرتا اور آپ کو چاہیے حکیم احسن اللہ خاں سے پوچھیے۔ اس وقت تو چپکا ہو رہا۔ اب جو اس کی بدلی ہوئی تو جانے سے دو ہفتے پہلے ایک فارسی روبکاری لکھی کہ یہ جو اسداللہ خاں فارسی کے علم میں یکتا

---

(۲) حسینی صاحب کے معاملے میں تردد ہے۔ اول حسین میرزا مرحوم کی ھمشیر کو جن کا نام قدسیہ سلطان تھا کو خاندان والے عموماً حسینی ہی کہہ کر پکارتے تھے۔ دوسرے جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں حسین میرزا کی بیگم کا نام بھی ''حسینی،، تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کس بیگم کا ذکر ہے۔

مشہور ہے ، اس سے کام نہیں نکلتا ـ یہ شخص بادشاہ کا نوکر تھا اور اس کا سکہ لکھا ـ ہمارے نزدیک پنسن کے پانے کا مستحق نہیں ہے ـ غرض اس مقصود سے یہ ہے کہ میں یہاں موجود ہوں اور عملے سے راہ و رسم ہے ـ یہ تو کوئی بتاتا نہیں کہ تاریخ روبکاری کیا ہے اور یہ صدر کو بھیجی گئی ہے یا نہیں؟ اب حیران ہوں کہ کیا کروں ـ کمشنر جدید سے ملوں گا ـ اسی سے ، اگر دے گا ، تو نقل لوں گا ـ جواب از راہ احتیاط اس کمشنر کے عہد میں بھی بھیج چکا ہوں ـ مگر غور..... اور ایک جانب سے مقدمہ کیا(۱)ـ بھائی میں تو علی علی کر رہا ہوں ، جیوں تو اور مروں تو ـ کہیں جواب صاف مل چکے تو اس شہر سے چلا جاؤں ـ یہ دو روپے (۲) روز بھی اس غاصب ملعون کی گور میں جائیں ، جس نے مجھے دس ہزار روپے سال میں سے یہ کچھ دیا ہے ـ علیہ اللعنۃ والعذاب ـ

یوسف میرزا کو دعا پہنچے ـ بھائی ، یہاں میر احمد حسین ولد میر روشن علی خاں نے مجھ سے کہا کہ حضرت ! جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے ہیں تو میں مرشدآباد میں تھا ـ وہاں میں نے یہ سکہ سنا تھا ـ ان کے کہنے سے مجھے یاد آیا کہ مولوی محمد باقر نے خبر وفات اکبر شاہ ،

---

(۱) جہاں نقطے لگائے ہیں وہاں کی عبارت پڑھی نہیں گئی ـ

(۲) میرزا کی پنشن باسٹھ روپے آٹھ آنے تھی ـ اسی کو دو روپے روز سے تعبیر کیا اور اشارہ بظاہر نواب احمد بخش کی طرف ہے ، جن کی وجہ سے دس ہزار سالانہ کی پنشن دو ہزار ہوئی ، جس میں میرزا کا پورا خاندان شریک تھا اور میرزا کے حصے میں باسٹھ روپے آٹھ آنے آئے تھے ـ یہ انتہائی پریشان حالی اور تکلیف کا دور تھا ـ بھاری خرچ میرزا کے ذمے تھے اور آمدنی کا ہر دروازہ بند تھا ـ وہ گھر کی چیزیں بیچ بیچ کر خرچ چلاتے تھے ، اس لیے تحریر میں انتہائی تلخی آ گئی :

دریں خستگی پوزش از من مجوی
بود بندۂ خستہ گستاخ گوی

جلوس بہادر شاہ جہاں چھاپی تھی ، وہاں اس سکے کا گزرنا ذوق کی طرف سے چھاپا تھا اور جلوس بہادر شاہ اکتوبر کے مہینے ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء (۱) میں ہوا ہے۔ بعض صاحب اخبار جمع رکھتے ہیں ۔ اگر وہاں اس کا پتا پاؤگے اور وہ پرچہ اخبار اصل بجنسہ مجھ کو بھجواؤ گے تو بڑا کام کرو گے۔ میں نے اکبر آباد و فرخ آباد ، مارہرہ ، میرٹھ اپنے احباب کو لکھا ہے ۔ اب تم کو بھی لکھا ہے۔ کالپی کو لکھنا باقی ہے۔ وہ بھی کل پرسوں لکھوں گا ۔ اکتوبر ، نومبر، دسمبر ۱۸۳۷ء ، ۱۸۳۸ء تین مہینوں کے بارہ پارچۂ اخبار دیکھے جائیں ۔

محررہ شنبہ ۱۸- جون ۱۸۵۹ء

(۲)

یا حسین ابن حیدر ، روحی فداک

یہاں تک لکھ چکا ہوں کہ محمد قلی خاں کے نام کا خط کاو سے بنو بیگم صاحبہ نے لے لیا ۔ محمد قلی خاں علی جی (۲) گئے ہوئے تھے ۔ کل رضا شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ بیگم صاحب نے وہ خط میر رستم علی کو دیا اور وہ اس خط کو لے کر درگاہ گئے ۔ آفرین صد آفرین میر رستم علی کو دوست کے کام کے واسطے اتنی دور پیادہ جانا ۔ آج دوپہر کو میر صاحب میرے پاس آئے اور وہی خط کھلا ہوا لائے اور کہا کہ میں نوند رائے کو حرف بہ حرف یہ خط پڑھا لایا ہوں ۔ میں نے کہا کہ کاشی ناتھ

---

(۱) صحیح تاریخ جلوس اکتوبر ۱۸۳۷ء تھی ۔

(۲) علی جی ، جسے غالباً علی گنج بھی کہتے تھے اور وہ درگاہ شاہ مردان کے نام سے بھی مشہور ہے ۔ یہیں ذوالفقارالدولہ نجف خاں کی قبر ہے ۔ یہ مقام دھلی سے قطب صاحب جانے والی سڑک پر مقبرۂ صفدر جنگ سے ذرا آگے واقع ہے ۔

کو کیوں نہ دکھایا؟ انہوں نے کہا کہ تم دیکھ کر، پڑھ کر اپنے آدمی کے ہاتھ کاشی کے پاس بھیج دینا۔ میں نے سوچا کہ کاشی ناتھ دیکھے گا اور الٹا پھیر دے گا۔ نہ آدمی سے کچھ کہے گا، نہ میرے پاس آئے گا۔ میں نے میر صاحب سے کہا آپ ہی کاشی ناتھ کو دکھا کر اور اس سے بات چیت کر کے مجھ کو لا دیجیے گا۔ وہ اس خط کو بموجب میرے کہنے کے لے گئے۔ کل پرسوں وہ آئیں گے، تب فکر کی جائے گی۔ مگر بھائی پیچ یہ پڑا ہے کہ محمد قلی خاں رضا شاہ کے ساتھ پاٹودی جاتے ہیں۔ محرم وہاں کریں گے۔ لاڈو بیگم والدہ اکبر علی خاں نے ان کو بلایا ہے تو اب یہ مقدمہ ان کی معاودت کے بعد ہوگا۔ کاغذ میرے پاس دھرے رہیں گے۔

صاحب! محمد قلی خاں نے غلط لکھا ہے۔ نہ حسن علی خاں مقید، نہ حامد علی خاں، نہ حکیم احسن‌اللہ خاں۔ حکم آخر ان تینوں صاحبوں کے واسطے نہیں ہوا۔ حکیم احسن‌اللہ خاں کے مکانات پر ان کو قبضہ مل گیا۔ زنانے مکان میں، جو عقب حمام ہے، ایک انگریز اترا ہوا ہے۔ پینتیس روپے مہینا ان کو کرایہ دیتا ہے اور وہ دونوں آدمی(۱) ابھی یونہی الجھے ہوئے ہیں۔ احسن‌اللہ خاں اپنے مکان میں جا رہے۔ دیوان خانے کو محل سرا بنایا، خود جہاں اصطبل تھا، وہاں بیٹھتے ہیں۔ دیبی رام، سالگ رام کو ان کے مکانات مل گئے۔ ایسا بھی سنا ہے کہ ان کے دفینے بچ گئے۔ اب وہ حامد علی خاں کو قطب الدین سوداگر کی حویلی سے اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے ہیں۔ سردار میرزا کا حال مجھے اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ رضا شاہ کبھی کبھی ان کی بندگی مجھ کو کہہ دیتے ہیں۔ آج یا کل رضا شاہ آ گئے تو میں بیگانہ وار نکاح و متعہ کا حال ان سے پوچھ لوں گا۔

پنجشنبہ ۲۶- ذی‌الحجہ (۱۲۷۶ھ) (۲۸- جولائی ۱۸۵۹ء)

---

(۱) حسن علی خاں اور حامد علی خاں۔

بھائی ،

تمہارے خطوں کا اور یوسف میرزا کے خطوں کا جواب بھیج چکا ہوں۔ محمد قلی خاں صاحب ہمہ تن مصروف ہیں۔ دوالی کی تعطیل ہو چکی ہے۔ نوند رائے کی بی‌بی مر گئی ہے، وہ غمزدہ ہو رہا ہے، مگر خیر، کام کرے گا، کاشی ناتھ بے پروا آدمی ہے۔ تم ایک خط تاکیدی اس کو بھی لکھ بھیجو۔ اکثر وہ کہا کرتا ہے کہ حسین مرزا صاحب جب لکھتے ہیں، مرزا نوشہ صاحب ہی کو لکھتے ہیں۔ یہ امر اس پر ظاہر نہ ہو کہ میں نے تمہیں یوں لکھا ہے۔ مطلب اپنا اس کو لکھو۔

میں کیا کروں ؟ اگر کہوں کہ میری جان بھی تمہارے کام آئے تو میں حاضر ہوں ، یہ کہنا تکلف محض ہے۔ کون جان دیتا ہے اور کون کسی سے جان مانگتا ہے؟ مگر جو فکر مجھ کو تمہاری ہے اور جو میری دسترس ہے، اس کو میرا خدا اور میرا خداوند جانتا ہے۔ دسترس کو تم بھی جانتے ہو۔ ان شاءاللہ تعالیٰ اوائل ماہ آیندہ یعنی نومبر میں نیر والا(۱) مقدمہ درست ہو جائے گا۔

ان سطور کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ ابھی چنی لال تمہارا قرضخواہ آیا تھا ، تمہارا حال پوچھتا تھا۔ کچھ جھوٹ سچ کہہ کر اس کو اس راہ پر لایا ہوں کہ سو دو سو روپے تم کو بھیج دے۔ بنیوں کی طرح تقریر اس کو سمجھائی ہے کہ لالہ جس درخت کا پھل کھانا منظور ہوتا ہے تو اس کو پانی دیتے ہیں۔ حسین مرزا تمہارے کھیت ہیں۔ پانی دو تو کچھ اناج پیدا ہو۔ بھائی کچھ تو نرم ہوا ہے۔ تمہارے مکان

---

(۱) اس سے اشارہ غالباً اس مقدمے کی طرف ہے جو ضیاءالدین احمد خاں نیر نے اپنے بڑے بھائی نواب امین الدین احمد خاں والی لوہارو کے خلاف دائر کر رکھا تھا۔ پہلے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ریاست بہ حصہ برابر تقسیم ہو جائے۔ اس کا فیصلہ یہ ہوا کہ امین الدین احمد خاں نصف رقم ضیاءالدین احمد خاں کو دیا کریں۔ ایک مقدمہ واجب‌الوصول رقم کے لیے بھی تھا۔

کا پتا لکھوا کر لے گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ میں اپنے بیٹے رامجی داس سے صلاح کر کے جو بات ٹھہرے گی، آپ سے آ کر کہوں گا۔ اگر وہ روپیہ بھیج دے، تو تو کیا کہنا ہے اور اگر وہ خط لکھے اور تم اس کا جواب لکھو تو یہ ضرور لکھنا کہ اسداللہ نے جو تم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور وہ امر ظہور میں آنے والا ہے۔ بس زیادہ کیا لکھوں۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ سردار مرزا صاحب(۱) تشریف لائے۔ میں نے خط ان کو نہیں دکھایا، مگر عندالاستفسار کہا گیا کہ خط حسین مرزا صاحب کو لکھتا ہوں۔ انہوں نے کہا میرا سلام لکھنا اور لکھنا کہ یہاں سب خیر و عافیت سے ہیں اور سب کو دعا سلام کہتے ہیں۔ یوسف میرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ اس وقت سردار میرزا سے دریافت ہو گیا کہ عباس میرزا کے نام کا تمہارا رقعہ ان کو پہنچ گیا۔

شنبہ ۲۹-اکتوبر ۱۸۵۹ء

(۴)

جناب عالی!

کل آپ کا خط لکھا ہوا سہ شنبہ یکم نومبر کا پہنچا۔ لطف یہ کہ کل وہی سہ شنبہ کا دن ۸- نومبر کی تھی۔ آج بدھ کا دن، ۹-نومبر

---

(۱) سردار میرزا بن حیدر حسین خاں جو اعتمادالدولہ میر افضل علی کے نواسے یعنی ان کی بیٹی امراؤ بیگم کے بطن سے تھے۔ وہ حسین میرزا کے ہم زلف بھی تھے یعنی ان کی شادی بھی ضمیرالدولہ جلیل الملک افتخارالامرا احمد حسین نظارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی ایک بیٹی سے ہوئی تھی۔ انہی نظارت خاں کی وفات پر ان کا عہدہ حسین میرزا کو ملا تھا اور وہ ناظر جی مشہور ہوئے۔ عباس میرزا، یوسف میرزا اور وزیر میرزا انہی اکبر میرزا کے بیٹے تھے۔ خود حسین میرزا کے بھانجے یوسف میرزا الگ شخص تھے۔

کی ، صبح کے وقت میں تم کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ برخوردار یوسف میرزا کا خط لکھا ہوا ، ۳- نومبر کا پہنچا - اب میں دونوں خطوں کا جواب باہم لکھتا ہوں - دونوں صاحب باہم پڑھ لیں ۱۲

مرزا آغا جانی صاحب اچھی طرح ہیں - ان کو تپ آ گئی تھی - اب تپ مفارقت کر گئی ہے ، مگر ضعف باقی ہے - آج چوتھا دن ہے کہ میرے پاس آئے تھے - کاشی ناتھ سراسر پہلو تہی کرتا ہے ، نوند رائے یک سر ہزار سودا - محمد قلی خاں اکثر علی جی رہتے ہیں ، کبھی یہاں آ جاتے ہیں ، تب نوند رائے کو تاکید کرتے ہیں - آج کل یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم فراہم ہیں - پون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی - پرسوں ۷- نومبر کو جاری ہو گئی - سالگ رام خزانچی ، چھنا مل ، مہیش داس ، ان تینوں شخصوں کو یہ کام بطور امانی سپرد ہوا ہے - غلے اور اپلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو - آبادی کا حکم عام ہے ، خلق کا اژدہام ہے - آگے حکم تھا کہ مالکان رہیں ، کرایہ دار نہ رہیں ، پرسوں سے حکم ہو گیا ہے کہ کرایہ دار بھی رہیں - کہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں یا کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے - وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ سے کرائے کے مکان میں رہتے تھے ، وہ بھی آ رہیں ، مگر کرایہ سرکار کو دیں - تم انصاف کرو کہ ہمشیر کی درخواست کیوں کر گزرے - جب وہ خود آئیں اور درخواست دیں اور منظور ہو اور مکان ملے تو اس تمام شہرستان ویران میں سے ایک حویلی ملے گی اور ان کو یہاں رہنا ہوگا - کیوں کر اس ویرانے میں تنہا رہیں گی ؟ سہم کر دم نکل جائے گا - مانا کہ جبر اختیار کر کر رہیں ، کھائیں گی کہاں سے ؟ بہر حال یہ سب خیالات خام اور جملے ناتمام ہیں - نقل حکم لینی اور پھر مرافعہ کرنا اور پھر اس حکم کی نقل لینی ، یہ امور ایسے نہیں کہ جلد فیصل

ہو جائیں - حکام بے پروا ، مختار عدیم الفرصت ، میں پاشکستہ - محمد قلی خاں کبھی یہاں ، کبھی وہاں - وقت پر موقوف ہے ، گھبراؤ نہیں -

حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ ، دروازے سے باہر نہ نکلو ، اپنے گھر میں بیٹھے رہو- نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے - وہ قاضی کے حوض میں کرایے کے مکانات میں مع ممتوعہ کے رہتے ہیں- باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں - میرزا الٰہی بخش کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے - انہوں نے زمین پکڑی ہے - سلطان جی میں رہتے ہیں- عذر کر رہے ہیں - دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں (۱) -

۹- نومبر ۱۸۵۹ء

(۵)

نواب صاحب،

آج تیسرا روز ہے کہ حال تم کو لکھ چکا ہوں- محمد قلی خاں آئے- ہم میں ان میں باہم گفتگو ہوئی- نواب گورنر کی آمد میں کچہریاں بند ، حکام میرٹھ کو چلے جاتے ہیں - ۱۹ یا ۲۰- دسمبر کو میرٹھ مخیم خیام ہوگا - رہا دلی کا آنا ، مشتبہ فیہ ہے - کوئی کہتا ہے نہ آئیں گے، کوئی کہتا ہے جریدہ بسبیل ڈاک آئیں گے- کوئی کہتا ہے مع لشکر آئیں گے پانچ دن یہاں رہیں گے- آج ۱۰- دسمبر کی ہے جو کچھ واقع ہوگا ، وہ تم کو لکھوں گا - نقل حکم کی درخواست اور اس مقدمہ کی فکر بعد اس ہنگامہ کے عمل میں آئے گی ، خاطر عاطر جمع رہے -

تمہارا دوست(۲) بھی حسب الحکم کمشنر ہانسی حصار کل یا پرسوں میرٹھ کو جائے گا اور ادھر سے امین الدین خاں بھی وہاں آئے گا - میرا

---

(۱) یعنی دیکھیے یہ حکم واپس ہو جائے یا وہ اس کی تعمیل پر مجبور ہو جائیں -

(۲) بظاہر ضیاءالدین احمد خاں نیر -

دربار اور خلعت دریا برد ہو گیا ۔ نہ پنسن کی توقع ، نہ دربار اور خلعت کی صورت ۔ نہ سزا ، نہ انعام ، نہ رسم معمولی قدیم ۔

یوسف میرزا کو دعا پہنچے ۔ پرسوں کلو جوتا لے آیا ۔ کل دونوں طرف سے کھلا ہوا لے کر گیا، ڈاک کے کار پردازوں نے الٹا پھیر دیا اور کہا کہ پولندہ بنا لاؤ ۔ پولندہ بنا کر لے گیا ۔ کہا بارہ پر دو بجے لے لیا جائے گا ۔ بیٹھا رہا ۔ رات کے نو بجے اس کے سامنے روانہ ہوا ۔ رسید لے کر اپنے گھر آیا ۔ خدا کرے تم کو پہنچ جائے اور پسند آئے ۔

قصیدے کے باب میں میں مایوس مطلق ہوں ۔ مگر جو کچھ واقع ہو بطریق خبر لکھ بھیجنا (۱)۔ مثنوی ''باد مخالف،،(۲) کی رسید تمہاری تحریر سے معلوم ہو گئی ۔ فیل خانہ ، فلک پیرا ، لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرائے گئے ۔ بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے ۔ اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں ۔ اہل قلم بچاتے ہیں(۳)۔ پایان کار دیکھیے کیا ہو ۔

جمعہ ۱۶- دسمبر ۱۸۵۹ء

(۶)

نواب صاحب،

پرسوں صبح تمہارا خط پہنچا ۔ پہر دن چڑھے لارڈ صاحب کا لشکر آیا ۔ کابلی دروازے کی فصیل کے قریب ، بھولو شاہ کی قبر کے سامنے ، خیمۂ خاصہ برپا ہوا اور باقی لشکر تیس ہزاری باغ تک اترا ہے ۔

پنجشنبہ ۲۹- دسمبر ۱۸۵۹ء

---

(۱) واجد علی شاہ کی مدح کا قصیدہ ۔

(۲) میرزا کی فارسی مثنوی جو کلکتہ میں لکھی گئی تھی ۔ اس میں میرزا نے فارسی زبان کے متعلق اپنا مسلک واضح کیا تھا نیز ان اعتراضات کا جواب دیا تھا ، جو میرزا کے کلام پر قتیل کے حامیوں نے کیے تھے ۔

(۳) اہل قلم سے مراد ہیں کشوری یعنی سول حکام ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ مدت تک دہلی کا انتظام اہل فوج یعنی عسکریوں کے ہاتھ میں رہا ۔ پھر سول حکام کے حوالے کر دیا گیا ۔ جن مقامات کے نام آئے ہیں وہ دہلی کے محلے تھے اور وہ لال قلعے اور جامع مسجد کے درمیان تھے ، جنہیں ڈھا کر ایک وسیع میدان پیدا کر لیا گیا ۔

آپ غالب کی مصیبتوں کی داستان سنیے۔ پرسوں تمہارا خط پڑھ کر لشکر کو گیا۔ میر منشی سے ملا۔ ان کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکرتر بہادر کو اطلاع کروائی۔ چپراسی کے ساتھ کاو بھی گیا۔ جواب آیا کہ ہمارا سلام دو اور کہو کہ فرصت نہیں ہے۔ خیر میں اپنے گھر آیا۔ کل پھر گیا، خبر کروائی، حکم ہوا کہ غدر کے زمانے میں تم باغیوں کی خوشامد کرتے رہتے تھے، اب ہم سے ملنا کیوں مانگتے ہو؟ عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ یہ جواب پیام نومیدی جاوید ہے۔ نہ دربار، نہ خلعت، نہ پنسن۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقیہ خبر لشکر یہ ہے کہ راجہ بھرت پور برات لے کر پٹیالے گیا تھا اور اس سبب سے آگرے میں لارڈ صاحب سے نہیں ملا تھا۔ ایک ھفتے سے معاودت کر کے یہاں آیا ہوا تھا۔ آج اس کی ملازمت ہے۔

شنبہ ۳۱- دسمبر ۱۸۵۹ء گیارہ بجے ہوں گے۔ میں خط لکھ رہا ہوں۔ توپیں چل رہی ہیں۔ شاید راجہ صاحب کی ملاقات اسی وقت ہوئی۔ کل یک شنبہ ہے۔ پرسوں دو شنبہ یا سہ شنبہ کو لارڈ صاحب کا کوچ ہے۔ کہتے ہیں کہ پشاور تک جائیں گے۔

کل صبح کو محمد قلی خاں آئے۔ ایک عرضی انگریزی ان کے ہاتھ میں۔ کہنے لگے یہ عرضی طالب علی فیل بان نے مجھ کو پھیر دی ہے اور کہا ہے کہ اس کے گزراننے کا موقع نہیں۔ میں اس وقت سوار ہوا چاہتا تھا۔ تمہاری یاس سن کر گیا، اپنا داغ حسرت جیسا اوپر لکھ آیا ہوں لے کر آیا۔

ابراہیم علی خاں الور میں مستسقی ہو کر مر گئے۔ خدا ان کو بخشے اور مجھ کو بھی یہ دن نصیب کرے۔ کمشنر صاحب کا نائب یہاں کوئی نہیں اور نہ کسی انگریزی خواں سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اتنا مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاھور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور یہ حکم ہے کہ جو رعیت کا

مال کالوں(۱) نے لوٹا ہے۔ البتہ اس کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے کو سو روپیہ ملیں گے اور جو گوروں کے وقت کی غارت گری ہے، وہ ہدر اور بحل (۲) ہے۔ اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ وہی کمشنر ہوں۔

مکانات کو حامد علی خاں کا کہہ کر کیوں لکھتے ہو؟ وہ تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہو گیا۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ محل سرا اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھاٹک اور سر تا سر دکانیں گرا دی گئیں۔ سنگ و خشت کو نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ حامد علی خاں کے مکان کا ملبہ بکا ہے۔ سرکار نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا۔ جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے؟ تم اب تک سمجھے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ کبھی سمجھو گے۔ کیسا نوند رائے، کیسی نقل حکم، کیسا مرافعہ۔ جو احکام کہ دلی میں صادر ہوئے ہیں، وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا مرافعہ کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے، نہ جاہ و چشم رکھتے تھے، نہ املاک تھے، نہ پنسن رکھتے تھے۔ رام پور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔ جب تم لکھتے ہو کہ اللہ تم وہاں جاؤ تو مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب رام پور میں دیکھوں۔

---

(۱) یعنی وہ لوگ جنہیں انگریز ''باغی،، کہتے تھے۔ ان کے لوٹے ہوئے میں سے دس فی صد ملے گا۔ جو انگریزی فوج نے بعد فتح دھلی لوٹا، اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔

(۲) ہدر اور بحل کا مطلب ہے مباح اور معاف۔

جو تدبیر وثیقے(۱) کے باب میں تم نے کی ہے ، وہ بہت مناسب ہے ، بشرط پیش ہونے کے اور ولایت پہنچنے کے ، سجاد میرزا اور اکبر میرزا (۲) اپنی پیرانہ سری میں اس پر قابض ہو رہیں گے ۔ ان شاءاللہ العلی العظیم ۔

یوسف میرزا خاں کو دعا پہنچے ۔ حال قصیدہ و مخمس کا معلوم ہوا ۔ قبلہ و کعبہ وہ کر رہے ہیں جو ابا اولاد سے اور آقا غلام سے سلوک کرتا ہے ۔ ان کو منظور ہے کہ دعا کا عطیہ جدا پاؤں اور ثنا کا صلہ جدا پاؤں (۳) :

---

(۱) وثیقے کی کیفیت یہ ہے کہ شاہان و بیگمات اودھ کا ایک دستور یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو ہندوستان کے مختلف حصوں پر مسلط ہو چکی تھی ، بڑی بڑی رقمیں بطور قرض دے دیتے اور ان کے سود کی رقم اپنے عزیزوں ، متوسلوں یا ملازموں کے نام لکھ دیتے تھے ۔ کمپنی کی حکومت کے خزانے سے سود کی رقمیں مقررہ لوگوں کو ملتی رہتیں ۔ حسین میرزا اور ان کے بھائی مظفرالدولہ سیف الدین حیدر خاں کے لیے بھی وثیقے مقرر تھے ۔ جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضبط ہو گئے ۔ مظفرالدولہ بیچارے تو الور سے پکڑے آئے اور اس گروہ کے ساتھ شہید کر دیے گئے ، جنہیں مقدمہ چلائے اور تحقیق کیے بغیر گوڑگانوہ میں شہید کر دیا گیا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسین میرزا وثیقے کی بحالی کے لیے مقدمہ ولایت تک لے جانا چاہتے تھے ۔ یقیناً انہیں اس کا پورا حق حاصل تھا ، کیونکہ وثیقہ قرض دی ہوئی رقم کا سود تھا ۔ یا رقم واپس ملتی یا سود ادا ہوتا رہتا ۔ یہ انگریزوں کا عطیہ نہ تھا کہ اسے ضبط کر لینا جائز ہوتا ۔ میرزا نے لکھا ہے کہ بے شک مقدمہ دائر کر دو ۔ لیکن نتیجہ شاید اس وقت برآمد ہو جب آپ کے فرزند بوڑھے ہو جائیں گے ۔

(۲) حسین میرزا کے فرزند ۔

(۳) قبلہ و کعبہ سے مراد مجتہدالعصر ہیں ۔ جن کی وساطت سے میرزا اپنا قصیدہ واجد علی شاہ کے پاس کلکتہ بھیجا کرتے تھے ۔ مخمس سے معلوم نہیں میرزا کا اشارہ کس طرف ہے ۔

کار ساز ما بفکر کار ما

لیکن میری جان ، انصاف تو کر ان صلوں میں زندگی تو بسر نہیں ہوتی - یہ فکر بے ہودہ ہے - زندگی میری کب تک ؟ سات مہینے یہ اور بارہ مہینے سال آیندہ(۱) کے ، اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں - وہاں نہ روٹی کی فکر ، نہ پانی کی پیاس ، نہ جاڑے کی شدت ، نہ گرمی کی حدت - نہ حاکم کا خوف، نہ مخبر کا خطرہ - نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے ، نہ کپڑا خریدنا پڑے - نہ گوشت گھی منگاؤں ، نہ روٹی پکواؤں - عالم نور اور سراسر سرور :

یا رب ایں آرزوے من چه خوش است
تو بدیں آرزو مرا برساں

روز شنبہ ۳۱- دسمبر ۱۸۵۹ء

بندۂ علی ابن ابی طالب ، آرزو مند مرگ ، غالب

نواب یوسف میرزا

(۱)

''کوئی ہے؟ ذرا یوسف میرزا کو بلائیو !

لو صاحب وہ آئے !

''میاں میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے ، مگر تمہارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے ، اب سن لو : تفضل حسین خاں اپنے ماموں موید الدین

---

(۱) یہ خط ۶- جمادی الاخری ۱۲۷۶ھ کو لکھا گیا تھا (۳۱- دسمبر ۱۸۵۹ء) اور معلوم ہے کہ میرزا نے ۱۲۷۷ھ میں مر جانے کی پیشگوئی کر رکھی تھی - گزر اوقات کی تجویزیں سوچتے سوچتے خیال پیشگوئی کی طرف پلٹ گیا اور فرمایا جمادی الاخری سے ذی الحجہ تک سات مہینے ۱۲۷۶ھ کے اور زیادہ سے زیادہ بارہ مہینے ۱۲۷۷ھ کے اور زندگی ہے ، پھر دوسری دنیا میں چلا جاؤں گا ، جہاں کسی بھی دنیوی شے کی ضرورت نہ ہوگی -

خاں کے پاس میرٹھ ہے، شاید دلی آیا ہو، مگر میرے پاس نہیں آیا۔ والد ان کے غلام علی خاں اکبر آباد میں ہیں۔ مکتب داری کرتے ہیں۔ لڑکے پڑھاتے ہیں، روٹی کھاتے ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ پچاس محل واجد علی شاہ کے کلکتے گئے۔ تمہارے ماموں (۱)، محمد قلی خاں کے خط میں لکھتے ہیں کہ شاہ اودھ بنارس آ گئے۔ اس خبر کو اس خبر کے ساتھ منافات نہیں ہے۔ اودھر سے آپ بنارس کو چلے ہوں، ادھر سے بیگمات کو وہاں بلایا ہو۔ میری جان ہم کو کیا:

عالم پس مرگ ما چہ دریا، چہ سراب

(۱۸۵۸ء)

(۲)

اے میری جان، اے میری آنکھیں۔

ز هجران طفلے کہ در خاک رفت
چہ نالی؟ کہ پاک آمد و پاک رفت

وہ خالق کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لے کر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا؟ ہرگز غم نہ کرو اور ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے، اولاد بہت۔ نانا نانی(۲) کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو؟ وہ اپنی اجل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے؟ ہاں مظفرالدولہ (۳) کا غم منجملہ واقعات کربلاے معلیٰ ہے۔ یہ داغ ماتم جیتے جی نہ مٹے گا۔

والد کی خدمت بجا لانے کا ہرگز افسوس نہ چاہیے۔ کچھ ہو سکتا ہو اور نہ کیا ہو تو مستحق ملامت ہوتے۔ کچھ ہو ہی نہ سکے

(۱) حسین میرزا۔ (۲) حسام الدین حیدر خاں اور ان کی بیگم۔
(۳) یوسف میرزا کا بڑا ماموں اور حسین میرزا کا بڑا بھائی جو گوڑگانوہ میں بے گناہ مارا گیا۔

تو کیا کرو۔ اب تو فکر یہ پڑی ہوئی ہے کہ رہیے کہاں اور کھائیے کیا؟

مولانا(۱) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ تم مجھ سے معلوم کرو۔ مرافعہ میں حکم دوام حبس بحال رہا، بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریاے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ان کا بیٹا(۲) ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ جو ہونا تھا، سو ہو لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ناظر جی(۳) کو سلام کہنا اور کہنا کہ حال اپنا مفصل تم کو لکھ چکا ہوں۔ وہ دہلی اردو اخبار کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے، ورنہ خیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے، حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکہ کہا نہیں، اگر کہا تو اپنی جان و حرمت بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں۔ اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی اس کو نہ مٹا سکے؟ سبحان اللہ گولہ انداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بنک گھر اور میگزین کا لوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں۔ ہاں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار ہے اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔

لو، حضرت میر عنایت حسین صاحب کل آئے۔ میر ارتضیٰ حسین کا خط دے دیا۔ عینک لگا کر خوب پڑھا۔ کہہ گئے ہیں کہ اس کا جواب کل لاؤں گا۔ میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں، وہ آج یا کل جب خط لاویں گے، اس کو جداگانہ لفافہ میں روانہ کر دوں گا۔ مظفر مرزا دیکھیے کب تک آوے اور مجھ سے کیوں کر ملے۔

---

(۱) مولانا فضل حق خیرآبادی جن پر غلطی سے ایک ہم نام کے دھوکے میں مقدمہ قائم ہوا اور حبس دوام بہ عبور دریاے شور کی سزا ملی، اس فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی مگر حکم سزا بحال رہا اور تاکید کی گئی کہ مولانا کو جلد انڈمان بھیج دیا جائے۔

(۲) مولانا عبدالحق خیرآبادی۔ (۳) حسین میرزا۔

ایک لطیفہ پرسوں کا سنو۔ حافظ ممو بے گناہ ثابت ہو چکے، رہائی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں، املاک اپنی مانگتے ہیں۔ قبض و تصرف ان کا ثابت ہو چکا، صرف حکم کی دیر۔ پرسوں وہ حاضر ہوئے، مثل پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا: حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا کہ میں۔ پھر پوچھا حافظ ممو کون؟ عرض کیا کہ میں۔ اصل نام میرا محمد بخش ہے، ممو ممو مشہور ہوں۔ فرمایا یہ کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم، حافظ ممو بھی تم، جو دنیا میں ہے وہ بھی تم ہم مکان کس کو دیں؟ مثل داخل دفتر ہوئی، میاں ممو اپنے گھر چلے آئے۔

ہاں صاحب، خواجہ بخش درزی کل سہ پہر کو میرے پاس آیا۔ میں نے جانا ایک ہاتھی کوٹھے پر چڑھ آیا ہے۔ کہتا تھا کہ آغا صاحب کو میری بندگی لکھ بھیجنا۔ میرن صاحب آج کل پانی پت کو جایا چاہتے ہیں، میر کاظم علی ابن قلندر علی الور سے آئے ہوئے سلطان جی(۱) میں اترے ہوئے ہیں۔ دن پندرہ ایک ہوئے، محمد قلی خاں میری ملاقات کو آئے تھے۔ علی جی(۲) میں رہتے ہیں۔ رضا شاہ پاٹودی گئے ہوئے ہیں۔ میر اشرف علی ابن میر اسد علی مرحوم نے رہائی پائی۔ ابھی املاک کی درخواست نہیں دی۔ ہماری بھابی صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خاں مغفور اپنی حویلی میں چین کر رہی ہیں۔ ایک آدھ دن میں جاؤں گا۔ خدا جانے جمعہ کے دن ناظر جی کی درخواست پر کیا گزری۔ اس وقت تک ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ دھیان لگا ہوا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

(جون ۱۸۵۹ء)

---

(۱) سلطان جی در اصل خواجہ نظام‌الدین نظام‌الاولیا کی درگاہ کے آس پاس کا علاقہ کہلاتا تھا یعنی بستی نظام‌الدین اور اس کے اطراف۔

(۲) درگاہ شاہ مردان۔

(۳)

میری جان ، خدا تیرا نگہبان !

میں نے ''گڑ پھنک(۱)'' کو دام میں پھنسایا - پھر قفس میں بند کر کے یہ رقعہ لکھوایا - میر ارتضیٰ حسین کو فقط ان کے نام کی جو عبارت ہے وہ پڑھا دینا تا کہ ان کی خاطر جمع ہو جائے - مثنوی کبھی اصلاح نہ پائے گی، جب تک سب نہ آئے گی - لاکھ باتیں بناؤ مجھ کو غیرت دلاؤ، غزل جب تک پوری نہ ہو، مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو، کیوں کر اصلاح دی جائے ؟

اپنے چھوٹے ماموں صاحب (۲) کو میرا سلام باعتبار محبت کے اور بندگی باعتبار سیادت کے اور دعا باعتبار یگانگی اور استادی کے کہنا اور کہنا کہ بھائی اور کیا لکھوں؟ جس حکم کی نقل کے واسطے تم لکھتے ہو وہ اصل کہاں ہے، جس کی نقل لوں؟ ہاں زبان زد خاق ہے کہ قدیم نوکروں سے باز پرس نہیں، مشاہدہ اس کے خلاف ہے - اے لو، کئی دن ہوئے کہ حمید خاں گرفتار آیا ہے - پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہیں - دیکھیے حکم اخیر کیا ہو - صرف نونہد رائے کی مختارکاری پر قناعت کی گئی ، جو کچھ ہونا ہے وہ ہو رہے گا - ہر شخص کی سرنوشت کے مطابق حکم ہو رہے ہیں - نہ کوئی قانون ہے، نہ قاعدہ ہے، نہ نظیر کام آئے، نہ تقریر پیش جائے - ارتضیٰ خاں ابن مرتضیٰ خاں کی پوری دو سو روپے کی پنشن کی منظوری کی رپوٹ گئی اور ان کی دو بہنیں سو سو روپے مہینا پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمہارے بھائی مجرم تھے تمہاری پنشن ضبط - بطریق ترحم دس دس روپے مہینا تم کو ملے گا - ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا ؟ میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا روشناس، پشم نہیں اکھیڑ سکتا - ترپن برس کا

---

(۱) گڑ پنکھ -

(۲) حسین میرزا -

پنسن ، تقرر اس کا به تجویز لارڈ لیک اور به منظوری گورنمنٹ اور پھر نه ملا ہے، نه ملے گا۔ خیر احتمال ہے ملنے کا۔

جانتے ہو که علی کا بنده ہوں۔ اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا۔ اس وقت کلو کے پاس ایک روپیه سات آنے باقی ہیں، بعد اس کے نه کہیں سے قرض کی امید ہے، نه کوئی جنس رہن و بیع کے قابل۔ اگر رام پور سے کچھ آیا تو خیر ورنه انا لله و انا الیه راجعون۔

بعض لوگ یه بھی گمان کرتے ہیں که اس مہینے میں پنسن کی تقسیم کا حکم آ جائے گا۔ دیکھیے که آتا ہے یا نہیں۔ اگر آتا ہے تو میں مقبولوں میں ہوں یا مردودوں میں۔ مظفر میرزا کا خط الور سے آ گیا۔ بخیر و عافیت پہنچے۔ میر قاسم علی کا قافله بھی وہیں ہے۔ میر قاسم علی کی بی‌بی الور کی تنخواه میں سے بموجب سہام شرعیه(۱) دو ثلث مظفر میرزا کو اور ایک ثلث اپنے کو تجویز کرتی ہے۔ ظاہر بموجب تعلیم میر قاسم علی کے ہے۔

محرره جمعه ۱۳- ذی‌الحجه و ۱۵- جولائی سال حال

(۱۲۷۵ھ و ۱۸۵۹ء) غالب

(۴)

میاں،

پرسوں قریب شام میاں آغا جانی صاحب آئے۔ وه اور ان کے متعلق سب اچھی طرح ہیں۔ حسو بیگ ہانسی گئے۔ کل تمہارا خط آیا۔ بھائی تمہیں خارش کیوں ہوئی؟ حسین مرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے؟ خدایا ان آوارگان دشت غربت کو جمعیت، جب تو چاہے عنایت کر، مگر تصدق مرتضیٰ علی کا تندرست رکھ۔ الله الله! حسین مرزا کی ڈاڑھی سفید ہو گئی! یه شدت رنج و غم کی خوبیاں ہیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی

---

(۱) شرعی حصے۔

اپنی اور ان کی خیرو عافیت لکھنا۔ جہاں تم نے اپنے نام کا خط پڑھا، وہاں کا حال یہ ہے :

به گفت احوال ما برق جہان است   دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پاے خود نہ بینم

ہمارے خداوند ہیں، قبلہ و کعبہ ہیں، خدا ان کو سلامت رکھے۔ آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے، ایک بنائے قدیم رفیع مشہور۔ اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا؟ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں : ایک ٹھنڈی سڑک، ایک آہنی سڑک(۱)۔ محل ان کا الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی شہر میں بنے گا اور قلعے کے آگے جہاں لال ڈگی ہے، ایک میدان نکالا جائے گا۔ حبوب کی دکانیں، بہیلیوں کے گھر، فیل خانہ، بلاقی بیگم کے کوچے سے خاص بازار تک، یہ سب میدان ہو جائے گا۔ یوں سمجھو کہ امو جان کے دروازے سے قلعے کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہیں گے۔ آج جان نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈھنے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں ، دلی کی ویرانی سے خوش نہ ہوں؟ جب اہل شہر ہی نہ رہے، شہر کو لے کے کیا چولہے میں ڈالوں؟

حسین مرزا صاحب کو میرا سلام کہنا ۔ یہ رقعہ پڑھا دینا ۔ ان کا خط موسومہ محمد قلی خاں آیا ۔ کلو کے ہاتھ ان کے گھر بھجوایا ۔ ان کا گھر کہاں؟ وہ تو میر احمد علی خاں مرحوم کی بی‌بی کے ہاں رہتے ہیں۔ وہ نہ تھے۔ جب بھابی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ میرے دیور کا آدمی ہے، انہوں نے مدعا دریافت کر کے خط رکھ لیا اور کلو سے کہا کہ بھائی کو سلام کہنا کہ محمد قلی خاں علی جی گئے ہوئے ہیں۔ خط ان کے پاس بھجوادوں گی۔ کل رضا شاہ آئے تھے، میں نے ان کو کہا تھا کہ تم میر احمد علی خاں کی بی‌بی کو تاکید کر دینا کہ خط ضرور کا ہے اس کو بہ احتیاط پہنچا دینا۔

---

(۱) ریلوے لائن۔

صاحب، تمہاری انا کو میں کیا جانوں؟ کس پتے سے ڈھونڈوں؟ ددا سے میں نے پوچھا۔ امیرالنسا کو وہ نہ سمجھی، واجد علی کی ماں کر کے پہچانا۔ سو وہ کہتی تھیں کہ واجد علی مع اپنی ماں کے پہاڑ گنج گیا ھے۔

ھمشیرہ کی عرضی کے روانہ ھونے کا حال معلوم ھوا۔ تم سمجھو اگر وہ عرضی فی‌الحقیقت کمشنر نے بھیج دی ھے، تو بے شک مدعاے سائلہ قبول کر کے بھیجی ھے۔ اگر خود نہ منظور کرتا تو کبھی نہ بھیجتا۔

باقر علی اور حسین علی، اپنی دادی کے ساتھ ضیاءالدین احمد خاں کی والدہ کے پاس قطب صاحب گئے ھوئے ھیں۔ ایاز اور نیاز علی ان کے ساتھ ھیں۔ دو بندگیاں اور ایک دعا اور دو آداب ملتوی۔ ددا اور کلو اور کلیان کی بندگیاں پہنچیں۔ قمرالدین خاں پرسوں آیا تھا، اب آئے گا تو دعا تمہاری اس کو کہہ دوں گا۔

۲۶- جولائی ۱۸۵۹ء غالب

(۵)

حق تعالیٰ تمہیں عمر و دولت و اقبال و عزت دے، خط محررہ دوم میں کوئی مطلب جواب طلب نہ تھا۔ مرزا حیدر صاحب کی رحلت کی خبر تھی اور بس۔ کل بدھ کا دن دونوں مہینوں کی ۱۷- تاریخ(۱) تھی۔ صبح کے وقت مرزا آغا جانی صاحب آئے اور انہوں نے فرمایا کہ حسین مرزا کی حرم لکھنئو سے آئی تھی، بی فتن کے ھاں اتری تھی۔ اب وہ پاٹودی کو اپنے بیٹے کے پاس گئی۔ کہتی تھی کہ نصیب اعدا ناظر جی بہت بیمار ھیں۔ خدا خیر کرے۔ یوسف میرزا میری جان، نکل گئی۔ کیا کروں؟ کیوں کر خبر منگاؤں؟ ''یا علی،، ''یا علی،، ''یا علی،، دس بار دل سے کہا ھوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ھوا آیا اور تین خط لایا، یعنی

---

(۱) تقویم سے معلوم ھوتا ھے کہ دونوں میں ایک دن کا فرق تھا لیکن قمری مہینوں کی تاریخیں حساب پر نہیں رویت پر موقوف ھیں اور رویت کو ھر جگہ حساب پر تقدم حاصل ھوگا، لہذا یہاں میرزا ھی کا بیان مستحق ترجیح ھے، کیونکہ وہ رویت پر مبنی ھے۔

وہ نیچے حویلی میں تھا، ڈاک کے ہرکارے نے خط لا کر دیے۔ نیاز علی اوپر لے کر آیا۔ ایک خط عزیز(۱) کا اور ایک خط ہرگوپال تفتہ کا اور ایک خط ذوالفقار حیدر مولوی کا (۲)۔ میاں، قریب تھا کہ خوشی کے مارے مجھ کو رونا آ جائے۔ بارے اس خط کو میں نے آنکھوں سے لگایا، مچھیاں(۳) لیں۔

اب تم تماشا دیکھو۔ ۱۳ محرم کا خط ۱۷- کو مجھے پہنچا۔ اس میں مندرج کہ جمعے کے دن ۱۹ کو بسبیل ڈاک کلکتے جاؤں گا اور پھر حضرت مجھ سے مطلب کا جواب مانگتے ہیں۔ ہاں جب کلکتے پہنچ لیں گے اور وہاں سے مجھ کو خط بھیجیں گے اور اپنے مسکن کا پتا لکھیں گے، تب جو کچھ مجھ کو لکھنا ہوگا، لکھوں گا۔ آغا صاحب کو سب خط سنا دیا اور اون کو اوسی وقت کاشی ناتھ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اوس کو گرمائیں اور شرمائیں اور کچھ سجاد میرزا کے واسطے بھجوائیں۔ ضیاالدین خاں دو ہفتہ سے یہاں ہیں۔ اپنے باغ میں اترے ہوئے ہیں۔ دو بار میرے پاس بھی دو دو گھڑی کے واسطے آئے تھے۔ کچھ اون کو منظور ہے، رعایت اخلاص و محبت قدیم(۴)۔ خدا چاہے تو کچھ سجاد میرزا کو اور کلکتے سے اون کے خط کے آنے کے بعد کچھ ناظر جی کو اون سے بھجواؤں۔

میرا وہی حال ہے۔ بھوکا نہیں ہوں، مگر کسی کی خدمت گزاری کی توفیق نہیں ہے، اگر کہوں تو کون باور کرے؟ اور وہ بات خود کہنے کی

---

(۱) یوسف علی خاں عزیز۔

(۲) حسین میرزا۔ جن کا نام ذوالفقارالدین حیدر تھا۔

(۳) سبحان‌اللہ کیا اسلوب بیان ہے، پھر الفاظ بے مقصد و ارادہ ایسے آ گئے، جن سے جذبات کے مد و جزر کی پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے۔

(۴) کہتے ہیں نواب ضیاءالدین احمد خاں نے اس دور مصائب میں حسین میرزا کی ہر ممکن اعانت کی۔

نہیں، کرنے کی ہے، سو کرنے کا مقدور نہیں۔ تفضل حسین خاں ابن غلام علی خاں میرٹھ میں اپنے ماموں کے پاس ہے۔ شہر میں آیا تھا۔ میرے پاس بھی آیا تھا۔ تمہارا سلام کہہ دیا۔ پرسوں پھر وہ میرٹھ گیا۔ بھائی فضلو عرب سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سے آئے ہوئے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ عرضیاں دیتے پھرتے ہیں، کوئی سنتا نہیں۔ تم کو سلام کہتے ہیں۔ آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ فقیر اور ہتھیار جس پاس ہو، وہ نہ آئے اور باقی ہندو، مسلمان، عورت، مرد، سوار، پیادہ، جو چاہے چلا آئے، چلا جائے۔ بغیر آبادی کے ٹکٹ کے، رات کو رہنے نہ پائے۔ وہ شور و غل تھا کہ سڑکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤنی بنے گی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ مر پٹ کر ایک جاں نثار خاں کے چھتے کی سڑک نکلی، دلی والوں نے الکھنئو کا خاکہ اڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھادیے اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا۔ بات اتنی ہی ہے جو تم نے لکھی ہے۔

بہر حال اب جو کچھ ہو لکھو اور ناظر جی کے روانہ ہو جانے کی خبر اور سجاد اور اکبر اور اس کی ماں کی خیریت اور اپنے باپ کا حال لکھو۔

پنجشنبہ ۱۸۔ محرم الحرام ۱۲۷۶ھ (۱۸۔ اگست ۱۸۵۹ء)

(۶)

میری جان شکوہ کرنا سیکھو۔ یہ باب میں نے تم کو ابھی پڑھایا نہیں۔ کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اوسی دن یا دوسرے دن جواب نہ لکھا ہو، بلکہ میں ایسا جانتا ہوں کہ یہ جو تم نے مجھ کو شکایت نامہ بھیجا ہے، اس کے بعد ایک خط میرا بھی تم کو پہنچا ہوگا۔ یہ خط کل آیا، آج میں اس کا جواب لکھتا ہوں۔

سنو صاحب، تم جانتے ہو کہ میں چودہ پارچے کا خلعت ایک بار اور ملبوس خاص شال، رومال، دوشالہ ایک بار پیشگاہ حضرت سلطان عالم(۱) سے پا چکا

---

(۱) واجد علی شاہ۔

ہوں۔ مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دو بار کس کے ذریعے سے ملا ہے؟ یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت مجتہدالعصر مدظلہ العالی۔ اب آدمیت اس کی مقتضی نہیں ہے کہ میں بغیر ان کے توسط کے مدح گستری کروں۔ چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا کہ میرا دستور ہے، کاغذ بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا اور میں تجھ کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ کو بھیج دیا ہے۔ اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃالعلماء سید نقی صاحب (۱) اگر کلکتے پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو۔ داروغگی املاک کے باب میں جو مناسب اور معقول اور واقعی ہے، وہ میں بے پردہ عالیشان مظفر حسین خاں کے خط میں لکھتا ہوں۔ یہ ورق پڑھ کر ان کی خدمت میں گزران دو اور جو وہ ارشاد کریں مجھ کو لکھو۔ تمہارے اس خط کے مطالب مندرجہ کا جواب ہو چکا۔ اس سے زیادہ میرے پاس کوئی بات اس وقت لکھنے کو نہیں ہے، مگر یہ کہ ایک خط تمہارے ماموں صاحب کے نام کا بھیج چکا ہوں۔ اگر وہ پہنچے گا اور خدا کرے پہنچے تو اس سے تم کو ایک حال معلوم ہوگا۔

(شنبہ - ٥ نومبر ١٨٥٩ء) غالب

(۷)

یوسف میرزا،

میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت غم سے سودائی ہو جاتے ہیں، عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس ہجوم غم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آ گیا ہو تو کیا عجب ہے، بلکہ اس کا باور نہ کرنا غضب ہے۔ پوچھو کہ غم کیا ہے؟ غم مرگ،

---

(۱) سید علی نقی بن سید حسین بن غفران مآب سید دلدار علی شاہ نصیر آبادی۔ واجد علی شاہ کو سید علی نقی سے کمال عقیدت و ارادت تھی۔ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔

غم فراق، غم رزق، غم عزت۔ غم مرگ میں قلعہ نا مبارک(۱) سے قطع نظر کر کے اهل شہر کو گنتا هوں: مظفرالدولہ، میر ناصرالدین، میرزا عاشور بیگ، میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد میرزا، انیس برس کا بچہ، مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدولہ، اس کے دو بیٹے ارتضیٰ خاں اور مرتضیٰ خاں، قاضی فیض‌الله، کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا؟ اے لو، بھول گیا۔ حکیم رضی‌الدین احمد خاں، میر احمد حسین میکش، الله الله ان کو کہاں سے لاؤں؟ غم فراق حسین میرزا، میر مہدی، میر سرفراز حسین، میرن صاحب، خدا ان کو جیتا رکھے۔ کاش یہ هوتا کہ جہاں هوتے، وهاں خوش هوتے! گھر ان کے بے چراغ، وہ خود آوارہ۔ سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا هوں، کلیجا ٹکڑے ٹکڑے هوتا هے۔ کہنے کو هر کوئی ایسا کہہ سکتا هے، مگر میں علی کو گواہ کر کے کہتا هوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میری نظر میں تیرہ و تار هے۔

حقیقی میرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا۔ اس کی بیٹی، اس کے چار بچے، اس کی ماں یعنی میری بھاوج، جے پور میں پڑے هوئے هیں۔ اس تین برس میں ایک روپیہ ان کو نہیں بھیجا۔ بھتیجی کیا کہتی هوگی کہ میرا بھی کوئی چچا هے۔ یہاں اغنیا اور امرا کے ازواج اور اولاد بھیک مانگتے پھریں اور میں دیکھوں! اس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاهیے۔

اب خاص اپنا دکھ روتا هوں۔ ایک بیوی دو بچے، تین چار آدمی گھر کے، کلو، کلیان، ایاز یہ باهر۔ مداری کی جورو بچے بدستور، گویا مداری موجود هے۔ میاں گھمن گئے، گئے مہینے بھر سے آ گئے کہ بھوکا مرتا هوں۔ اچھا بھائی تم بھی رهو۔ ایک پیسے کی آمد نہیں، بیس آدمی روٹی کھانے

---

(۱) لال قلعے کو ''قلعہ مبارک،، کہتے تھے۔ ممکن هے اس کی وجہ سے حوادث کا جو طوفان برپا هوا، اسے ''نا مبارک،، کہہ دیا یا ان لوگوں کا قول استعمال کیا، جو واقعی اسے ''نا مبارک،، سمجھنے لگے تھے۔

والے موجود۔ مقام معلوم(۱) سے کچھ آئے جاتا ہے وہ بقدر سدرمق ہے۔ محنت وہ ہے کہ دن رات میں فرصت کام سے کم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ایک فکر برابر چلی جاتی ہے۔ آدمی ہوں، دیو نہیں، بھوت نہیں۔ ان رنجوں کا تحمل کیوں کر کروں؟ بڑھاپا، ضعف قویٰ، اب مجھ کو دیکھو تو جانو میرا کیا رنگ ہے۔ شاید کوئی دو چار گھڑی بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں، گویا صاحب فراش ہوں۔ نہ کہیں جانے کا ٹھکانا، نہ کوئی میرے پاس آنے والا۔ وہ عرق،(۲) جو بقدر طاقت، بنائے رکھتا تھا، اب میسر نہیں۔ سب سے بڑھ کر آمد آمد گورنمنٹ کا ہنگامہ ہے۔ دربار میں جاتا تھا، خلعت فاخرہ پاتا تھا، وہ صورت اب نظر نہیں آتی۔ نہ مقبول ہوں، نہ مردود ہوں۔ نہ گنہ گار ہوں، نہ مخبر، نہ مفسد۔ بھلا اب تم ہی کہو اگر یہاں دربار ہوا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں؟

دو مہینے دن رات خون جگر کھایا اور ایک قصیدہ چونسٹھ بیت کا لکھا۔ محمد افضل مصور کو دیا، وہ پہلی دسمبر کو مجھے دے گا۔ یہ اس کا مطلع ہے:

ز سال نو دگر آبے بروے کار آمد
هزار و هشت صد و شصت در شمار آمد

اس میں التزام اپنی تمام سر گزشت کے لکھنے کا کیا ہے۔ اس کی نقل تم کو بھیجوں گا۔

میرے آقا زادۂ روشن گہر، جناب مفتی میر عباس صاحب کو دکھانا(۳)۔ اس بجھے ہوئے بلکہ مرے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے۔

جہاں پناہ(۴) کی مدح کی فکر نہ کر سکا۔ یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے

---

(۱) غالباً اشارہ رام پور کی طرف ہے۔ (۲) شراب۔

(۳) یہ قصیدہ کیننگ کی مدح میں تھا، جو ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۲ء تک ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے رہا۔ کلیات فارسی کا چوالیسواں قصیدہ۔

(۴) واجد علی شاہ۔ غالباً اسی قصیدے کا ذکر ہے جس کا نمبر کلیات فارسی میں (۵۱) ہے۔

گزرا نہ تھا، میں نے اسی میں امجد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ھے کہ ایک قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا۔ میں نے اگر باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ پھر کیسی حالت اور کیسی مصیبت میں کہ جس کا ذکر بطریق اختصار اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس قصیدے سے مجھ کو غرض دستگاہ سخن منظور نہیں، گدائی منظور ھے۔

بہ ہر حال یہ تو کہو قصیدہ پہنچا یا نہیں؟ پرسوں تمہارے ماموں کا خط آیا، اس میں قصیدے کے پہنچنے کا ذکر نہیں۔ اس تفرقہ کو مٹاؤ اور صاف لکھو کہ قصیدہ پہنچا یا نہیں؟ اگر پہنچا تو حضور میں گزرا یا نہیں؟ اگر گزرا تو کس کی معرفت گزرا؟ اور کیا حکم ہوا؟ یہ امور جلد لکھو اور ہاں یہ بھی لکھو کہ املاک واقع شہر دہلی کے باب میں کیا حکم ہوا؟

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ کل میں نے فرد فہرست دیہات و باغات و املاک مع حاصل ہر یک باغ و دہ و ملک، ناظر جی کو بھیج دی ھے۔ اس خط سے ایک دن پہلے وہ فرد پہنچے گی۔ یہ فرد کالکٹری کے دفتر سے لی ھے، لیکن اتنا معلوم رھے کہ شہر کی عمارت جو سڑک میں نہیں آئی اور برسات میں ڈھے نہیں گئی، وہ سب خالی پڑی ھے۔ کرایہ دار کا نام نہیں۔ مجھ کو یہاں کی املاک کا علاقہ حسین میرزا کے واسطے مطلوب ھے، میں تو پنسن کے باب میں حکم اخیر سن لوں، پھر رام پور چلا جاؤں گا۔ جمادی الاول سے ذی الحجہ تک آٹھ مہینے اور پھر محرم سے ۱۲۷۷ھ سال شروع ہوگا۔ اس کے دو، چار، حد دس گیارہ مہینے غرضکہ انیس بیس مہینے ہر طرح بسر کرنے ہیں۔ اس میں رنج و راحت، ذلت و عزت جو مقسوم میں ھے وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملک عدم آباد کو چلا جاؤں(۱)۔ جسم رام پور میں اور روح عالم نور میں۔ ''یا علی،، ''یا علی،، ''یا علی،،۔

---

(۱) یہ وہی معاملہ ھے، جس کا ذکر حسین میرزا کے نام خط نمبر ۶ میں آ چکا ھے۔

میاں ہم تمہیں ایک اور خبر لکھتے ہیں۔ برھما کا پتر دو دن بیمار پڑا رہا، تیسرے دن مر گیا۔ ہے ہے کیا نیک بخت، غریب لڑکا تھا۔ باپ اس کا شیو جی رام اس کے غم میں مردے سے بدتر ہے۔ یہ دو مصاحب میرے یوں گئے: ایک مردہ، ایک دل افسردہ، کون ہے جس کو تمہارا سلام کہوں؟ یہ خط اپنے ماموں صاحب کو پڑھا دینا اور فرد ان سے لے کر پڑھ لینا اور جس طرح ان کی رائے میں آئے اس پر حصول مطلب کی بنائ اٹھانا اور ان سب مدارج کا جواب شتاب لکھنا۔

ضیاءالدین خاں رھتک چلے گئے اور وہ کام نہ کر گئے۔ دیکھیے آ کر کیا کہتے ہیں(۱) یا رات کو آ گئے ہوں یا شام تک آ جائیں۔ کیا کروں کس کے دل میں اپنا دل ڈالوں۔ بمرتضیٰ علی پہلے سے نیت میں یہ ہے کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے، حصہ برادرانہ کروں۔ نصف حسین میرزا اور تم اور سجاد، نصف میں۔ مفلسوں کا مدار حیات خیالات پر ہے، مگر انہیں خیالات سے ان کا حسن طبیعت معلوم ہو جاتا ہے۔ (۲) والسلام خیر ختام۔

دو شنبہ ۔ دوم جمادی الاول ۱۲۷۶ھ

مطابق ۲۸۔ نومبر ۱۸۵۹ء، وقت صبح۔

(۸)

میاں،

کل صبح کو تمہارے نام کا خط روانہ کیا، شام کو تمہارا ایک خط اور آیا۔ حضرت زبدۃالعلما (۳) کا اب تک وہاں نہ پہنچنا تعجب کی بات ہے۔ حق تعالیٰ ان کو، جہاں رہیں حفظ و امان میں رکھے۔ جب چاہیں وہاں پہنچیں۔ میرا مقصود تو اتنا ہی ہے کہ قصیدہ گزرے اور کچھ ہمارے تمہارے ہاتھ آئے۔ لیکن کل کے خط کی پشت پر جو سطریں ناظر جی

---

(۱) یعنی ان سے سجاد میرزا اور حسین میرزا کو کچھ رقم بھجوانے کا خیال تھا۔ اس کا انتظام نہیں ہوا تھا کہ نواب صاحب رھتک چلے گئے۔

(۲) ایک نہایت اہم حقیقت کس خوبصورتی سے بیان فرما گئے ہیں۔

(۳) زبدۃالعلما سید علی نقی۔

کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، ان کے دیکھنے سے آس ٹوٹ گئی، کچھ ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔

املاک واقع شہر دھلی کے سوال کا جواب اب کی بار قلم انداز ہوا، مکرر کہا جائے گا تو بے شک یہ جواب آئے گا کہ ہم نے تو عوض ان مکانات کے یہ مکانات دیے، معاوضہ ہو گیا۔ بھائی، میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی اور وہ سوا لاکھ روپیہ، جو علاوہ زر مقررہ ملا ہے، وہ دلی کی املاک کا خونبہا ہے۔ پرسوں ناظر جی کے نام کے سرنامے میں فرد فہرست مجموع املاک بھیج چکا ہوں۔ خیر یہ وار بھی خالی گیا۔ مولانا غالب علیہ‌الرحمہ خوب فرماتے ہیں :

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہئیے

تمہارے ماموں صاحب کی دستخطی تحریر نے جو میرا حال کیا ہے، وہ کس زبان سے ادا کروں؟ ہے ہے حسین میرزا اور یہ کہیے کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں اور مجھ کم بخت سے اس کا جواب سر انجام نہ ہو سکے! بہت بڑا آسرا تھا اور سرکار کی خدمت نہ سہی، عہدہ نہ سہی، علاقہ نہ سہی، سو ڈیڑھ سو روپیہ در ماھہ مقرر ہو جانا کیا مشکل تھا۔ دلی کے آدمی، خصوصاً امرائے شاہی ہر شہر میں بدنام اتنے ہیں کہ لوگ ان کے سائے سے بھاگتے ہیں۔ مرشدآباد بھی ایک سرکار تھی۔ حیدرآباد بہت بڑا گھر ہے۔ مگر بے ذریعہ و واسطہ کیوں کر جائے اور جائے تو کس سے ملے؟ کیا کہیے؟ ناچار وہیں رہو۔ کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا ہو جائے۔ اور میں کہاں کی صلاح بتاؤں؟ وہ صاحب(۱) رھتک گئے ہیں۔ کل یقین ہے کہ آگئے ہوں گے۔ مجھے ابھی خبر نہیں آئی۔ اگر مشیت الہی میں ہے تو دسمبر مہینے میں کچھ ظہور میں آ جائے گا۔ نواب گورنر جنرل بہادر، یقین ہے کہ آج آگرہ میں رونق افروز ہوں گے۔ الور، جے پور، دھول پور، گوالیار، ٹونک، جاورہ چھ رئیسوں کی وہاں ملازمت

(۱) ضیاالدین احمد خاں۔

کی خبر ہے۔ خیر ہم کو کیا؟ لیث الدولہ حسین علی خاں بہادر کی خدمت میں میرا سلام نیاز اور شکر یاد آوری۔

مرقومہ صبح سہ شنبہ ۲۹- نومبر، ۳- جمادی الاول بحساب جنتری (۱۸۵۹ء/۱۲۷۶ھ)

(۹)

میاں،

تمہارا خط رام پور پہنچا اور رام پور سے دلی آیا۔ میں ۲۳ شعبان کو رام پور سے چلا اور ۳۰ شعبان کو دلی پہنچا(۱) اسی دن چاند ہوا۔ یکشنبہ رمضان کی پہلی، آج دوشنبہ ۹- رمضان کی ہے۔ سو نواں دن مجھے یہاں آئے ہوئے ہے۔ میں نے حسین میرزا کو رام پور سے لکھا تھا کہ یوسف میرزا کو میرے آنے تک الور نہ جانے دینا۔ ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا خط اون کو تمہاری روانگی کے بعد پہنچا۔

جو مجھ کو اپنے ماموں کے مقدمے میں لکھتے ہو کیا مجھ کو ان کے حال سے غافل اور ان کی فکر سے فارغ جانتے ہو؟ کچھ بناء ڈال آیا ہوں، اگر خدا چاہے تو کوئی صورت نکل آئے۔ اب تم کہو کہ کب تک آؤ گے؟ صرف تمہارے دیکھنے کو نہیں کہتا، شاید تمہارے آنے پر کچھ کام بھی کیا جائے۔ مظفر میرزا کا اور ہمشیرہ صاحبہ(۲) کا آنا تو کچھ ضرور نہیں۔ شاید آگے بڑھ کر کچھ حاجت پڑے۔ بہ ہر حال جو ہو گا وہ سمجھ لیا جائے گا۔ تم چلے آؤ۔ ہمشیرہ عزیزہ کو میری دعا کہہ دینا۔ مظفر میرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی تمہارا خط رام پور پہنچا، ادھر کے چلنے کی فکر میں جواب نہ لکھ سکا۔

بخشی صاحبوں کا حال یہ ہے کہ آغا سلطان پنجاب کو گئے۔

---

(۱) یہ رام پور کے پہلے سفر کی کیفیت ہے، جو ۱۸۶۰ء میں ہوا تھا۔

(۲) یعنی یوسف میرزا اور مظفر میرزا کی والدہ اور حسین میرزا کی ہمشیرہ۔

جگراؤں میں منشی رجب علی (۱) کے مہمان ہیں ۔ صفدر سلطان اور یوسف سلطان وھاں ہیں۔ نواب مہدی علی خاں بقدر قلیل بلکہ اقل کچھ ان کی خبر لیتے ہیں۔ میر جلال الدین خوش نویس اور وہ دونوں بھائی باہم رہتے ہیں ۔ میں وھیں(۲) تھا کہ صفدر سلطان دلی کو آئے تھے۔ اب جو میں یہاں آیا تو سنا کہ وہ میرٹھ گئے۔ خدا جانے رام پور جائیں یا کسی اور طرف کا قصد کریں ۔ تباھی ہے، قہر الہی ہے ۔ مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا، ورنہ چند روز اور رام پور میں رہتا ۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مرقومہ دو شنبہ ۹۔ رمضان و ۲۔ اپریل

(۱۲۷۶ھ و ۱۸۶۰ء) راقم ، غالب

(۱۰)

آؤ صاحب ، میرے پاس بیٹھ جاؤ ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے ، ساتویں تاریخ شوال (۱) کی اور انتیسویں اپریل کی ۔ صبح کو بھائی فضلو،

---

(۱) سید رجب علی ارسطو جاہ ، جو پہلے میر منشی رہے اور ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے معتمد علیہ رفیق تھے۔ شہر دھلی کی خبریں وھی باھر انگریزوں تک پہنچاتے تھے۔ بہادر شاہ اور شہزادوں کی گرفتاری کے وقت میں وہ بھی ھاڈسن اور میرزا الہی بخش کے ساتھ تھے۔ جگراؤں ، (ضلع لدھیانہ) ان کا وطن تھا ۔ دھلی کے اکثر مصیبت زدہ امرا و شرفا لاھور آتے تھے تو ان کے ھاں ضرور ٹھہرتے تھے ۔ مثلاً مفتی صدرالدین آزردہ، شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد، آغا سلطان ۔ سید رجب علی نے لدھیانہ میں مجمع البحرین کے نام سے ایک مطبع بھی جاری کیا تھا ، جس میں متعدد کتابیں چھپیں۔

(۲) رام پور۔

(۳) عام نسخوں میں رمضان درج ہے، جو یقیناً غلط ہے، خواہ یہ غلطی کسی ناقل سے ہوئی ہو یا خود میرزا سے۔

جن کو میر کاظم علی بھی کہتے ھیں اور ھم نے احترام‌الدولہ خطاب دیا ھے، وہ تین پاؤ کھجوریں اور ایک ٹین کا لوٹا اور دو سوت کی رسیاں لے کر، بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ھو کر الور کو روانہ ھوئے۔ پہر دن چڑھے ڈاک کا ھرکارہ وہ تمہارا خط میرے نام کا اور ایک حکمنامہٴ محکمہٴ لاھور موسومہ میر کاظم علی لایا۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ تمہارے ماموں صاحب مع سجاد میرزا تشریف لائے۔ تمہارا خط ان کو دے دیا۔ وہ اس کو پڑھ رہے ھیں اور میں یہ خط تم کو لکھ رہا ھوں۔

پہلے تو یہ لکھتا ھوں کہ حکمنامہ میر کاظم علی کو دے دینا اور میری طرف سے تعزیت کرنا کہ خیر بھائی صبر کرو اور چپ ھو رھو تاریخ کے دو قطعوں میں سے ایک قطعہ رہا۔ ''ماہ رو خوش خرام،، کی جگہ ''مہ رخ خوش خرام،، بنا دیا ھے۔ قطعہ اچھا ھے، بشرط آنکہ متوفیہ کا شوھر یہ الفاظ اپنی زوجہ کے واسطے گوارا کرے۔ خواجہ جان(۱) جھوٹ بولتا ھے۔ والی رام پور کو اس پنسن کے اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا ساز ھے، بہ علی ابن ابی طالب علیہ‌السلام۔ ناظر جی نے تمہارے قول کی تصدیق کی اور کہا کہ ھاں مسودہ عرضی کا میرے پاس آ گیا۔ میں تم کو دکھاؤں گا۔ خیر تم نے جو لکھا ھو گا وہ مناسب ھوگا۔ خدا راس لائے اور کام بن جائے۔

الگذانڈر ھدرلے صاحب میرے دوست کے فرزند ھیں اور نیک بخت اور سعادت مند ھیں۔ میر کاظم علی وغیرہ کی تنخواہ میں میری سپارش کو دخل نہیں ھے۔ تم میر کاظم علی سے دریافت کر لو۔ ھاں دو مقدموں میں میں نے ان کو دو خط لکھے، مگر انہوں نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا اور ان مقدموں میں کوشش بھی نہیں کی۔ اب اس کو سمجھ کر جو کچھ تم لکھو اس کے موافق عمل میں لاؤں۔

---

(۱) شمس‌الدین خواجہ جان (برادر بدرالدین خواجہ امان) بن خواجہ حاجی۔

ناظر جی صاحب اور سجاد میرزا اپنے گھر گئے۔ وہ تم کو دعا اور سجاد بندگی کہہ گیا ہے۔ اپنے آنے میں جلدی نہ کرو۔ ماں کی رضاجوئی کو سب امور پر مقدم جانو۔ میں ابھی رام پور نہیں جاتا برسات کے بعد بشرط•حیات جاؤں گا، یعنی اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر میں قصد ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط دو دن میر کاظم علی کے پہنچنے سے پہلے تمہارے پاس پہنچے۔ ان •کے نام کا حکمنامہ بہت احتیاط سے اپنے پاس رہنے دینا۔ •بردار، جاتا نہ رہے۔ جب وہ پہنچیں، تب ان کو حوالہ کرنا۔ صاحب نہ خمس، نہ نذر یہ باتیں غیریت کی ہیں۔ جس طرح اپنے اور بچوں کو دوں گا، مظفر میرزا اور تم کو بھی اسی طرح بھجوا دوں گا۔ ہمشیرہ عزیزہ کو یعنی اپنی والدہ (۱) کو میری دعا کہنا۔

مرقومہ یک شنبہ وقت نیم روز ہفتم شوال، ۱۹- اپریل

(۱۲۷٦ھ - ۱۸٦۰ء) غالب

(۱۱)

یوسف میرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط کل منگل کو پہنچا۔ آج بدھ ۱۷- شوال اور ۹- مئی کی ہے اس کا جواب بھیجتا ہوں۔ خدا کی قسم تامس ہدرلے صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے۔ ہاں الک صاحب (۲) سے ہے۔ سو ان کے نام کا خط لکھا ہوا ہے تم کو بھیجتا ہوں، پڑھ کر، بند کر کے ان کو دو اور ان سے ملو اور جو کچھ وہ کہیں مجھ کو لکھو۔ احترام الدولہ بھائی فضلو میر کاظم علی بہادر کیا جانے کہ کتاب کس کو کہتے ہیں اور آگرہ کس ہتھیار کا نام اور سکندرہ کون سے

---

(۱) قدسیہ سلطان، ہمشیرہ حسین میرزا۔

(۲) الک سے مراد الیگزانڈر ہدرلے ہے جو ایک فرانسیسی مرد اور ہندوستانی عورت کے بطن سے تھا، وہ عارف کا شاگرد اور اردو کا اچھا شاعر تھا، تخلص آزاد تھا لیکن کبھی کبھی الک بھی تخلص کر لیتا جو الیگزانڈر کا مخفف تھا، ٹامس ہدرلے الیگزانڈر کا بھائی تھا۔

درخت کا پھل ہے۔ میرا اردو کا دیوان میرٹھ کو گیا، سکندر شاہ لے گئے، مصطفیٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اوس کی رسید آ گئی۔ نہ "برہان قاطع"، نہ "قاطع برہان"۔ کل جس وقت تمہارا خط آیا، اوس وقت منشی میر احمد حسین میرے پاس بیٹھے تھے اور اس وقت سالک مجذوب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دونوں صاحب تم کو اور بھائی فضلو کو سلام کہتے ہیں اور بھائی فضلو سے یہ کہہ دینا کہ باتفاق رائے منشی میر احمد حسین، اب باغ کی درخواست کی عرضی بے فائدہ، بلکہ مضر ہے۔ تمہارا کاغذ قیمتی ایک روپیہ کا منشی جی کے پاس موجود ہے، وہ اوس کو بیچ کر روپیہ تم کو بھجوا دیں گے۔

۱۷- شوال (۱۲۷۶ھ) و ۹- مئی (۱۸۶۰ء)

(۱۲)

یوسف میرزا،

کیوں کر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ (۱) مر گیا اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو، مگر صبر؟ یہ ایک شیوۂ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجا کٹ گیا اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ۔ بھلا کیوں کر نہ تڑپے گا؟ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں، دوا کا لگاؤ نہیں، پہلے بیٹا مرا، پھر باپ مرا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف میرزا کو۔

تمہاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا، یہ بات سچ ہے؟ اگر سچ ہے تو جوانمرد ایک بار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات

---

(۱) یوسف میرزا کا والد میر محمد نصیر۔ مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے حبس دوام، پھر پھانسی کی سزا ملی، لیکن میرزا کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ پھانسی نہیں ہوئی میر نصیر طبعی موت مرا۔

رہی، نہ قید فرنگ۔ ہاں صاحب وہ لکھتے ہیں کہ پنسن کا روپیہ مل گیا تھا، وہ تجہیز و تکفین کے کام آیا۔ یہ کیا بات ہے؟ جو مجرم ہو کر چودہ برس کو مقید ہوا ہو۔ اس کا پنسن کیوں کر ملے گا اور کس کی درخواست سے ملے گا؟ رسید کس سے لی جائے گی؟

مصطفیٰ خاں(۱) کی رہائی کا حکم ہوا، مگر پنسن ضبط۔ ہر چند اس پرسش سے کچھ حاصل نہیں، لیکن بہت عجیب بات ہے، تمہارے خیال میں جو کچھ آئے وہ مجھ کو لکھو۔(۲) دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب، عیاذاً باللہ! علی کا غلام کبھی مرتد نہیں ہوگا۔ ہاں، یہ ٹھیک ہے کہ حضرت چالاک اور سخن ساز اور ظریف تھے۔ سوچے ہوں گے کہ ان دموں میں اپنا کام نکالو اور رہا ہو جاؤ۔ عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو ان کا گمان غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں۔ قصہ مختصر، تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے مجھ کو بھیجا تھا، وہ میں نے تمہارے ماموں کو بھیج دیا۔ ان کی جاداد کی واگزاشت کا حکم تو ہو گیا ہے، اگر ان کے بڑے بھائی کے یار ان کو چھوڑیں۔ دیکھیے انجام کار کیا ہو تا ہے۔

مظفر میرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔ تمہارے چچا کا آغاز اچھا ہے، خدا کرے انجام اسی آغاز کے مطابق ہو۔ ان کا مقدمہ دیکھ کر تمہاری پھوپی کا اور تمہارا سر انجام دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔ ہوگا کیا؟ اگر جاداد بں مل بھی گئیں تو قرضدار دام دام لیں گے۔ رازق حقیقی پنسن دلوا دے کہ روٹی کا کام چلے۔ جناب میر قربان علی صاحب کو میرا سلام نیاز اور میر کاظم علی کو دعا۔

مرقومہ شنبہ ۲۷۔ شوال (۱۲۷۶ھ) و ۱۹۔ مئی سال حال (۱۸۶۰ء) غالب

---

(۱) مصطفیٰ خاں شیفتہ۔ (۲) یعنی والد کی پنشن کے باب میں۔

نواب سجاد میرزا

(۱)

خوبئی دین و دنیا تم کو ارزانی - تمہارے خط کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو گئیں، دل کو چین آ گیا - چشم بد دور، خط اچھا، عبارت اچھی - اردو میں مطالب نویس اچھے ہو - حق تعالیٰ تم کو عمر و دولت عطا کرے - اپنے والد ماجد کو سلام کہنا - اپنے بھائی مظفر میرزا کو دعا کہنا - زیادہ، زیادہ -

مارچ ۱۸۶۰ء - روز چہار شنبہ نجات کا طالب، غالب - ۱۲

(۲)

زبدۂ آل رسولؐ، سجاد میرزا خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا - دلنواز نامہ پہنچا :

حیران اطوار خودم، درماندۂ کار خودم
ہر لحظہ دارم نیتے چوں قرعہ ر مالہا

تمہارے یار باقر میرزا(۱) تحصیلداری تحصیلداری پکارتے تھے - یہاں معلوم ہوا کہ تمام قلمرو(۲) میں چھ تحصیلداریاں ہیں اور چھ تھانیداریاں ہیں : ساتواں علاقہ کہاں سے پیدا کیا جائے ؟ رہی مصاحبت(۳) اوس کو پہلے تسنن اور پھر علوم رسمیہ سے آ گہی ، پھر زبان آوری، پھر قسمت کی یاوری شرط ہے - باقر علی خاں کو تین شرطیں درکار ہیں - پہلی شرط موجود(۴) - تم کو پہلی شرط ازلاً و ابداً مفقود(۵) - بعد

---

(۱) ابن زین العابدین عارف - (۲) قلمرو ریاست رام پور (۳) فرمانروا کی مصاحبت -
(۴) باقر علی خاں مذہباً سنی ضرور ہے - باقی تین شرطیں مفقود ہیں یعنی نہ علوم رسمیہ سے آگاہ ہے نہ زبان آور ہے نہ قسمت یاور ہے -
(۵) تم مذہباً شیعہ ہو -

جشن،(۱) وقت رخصت، ان دونوں لڑکوں کے باب میں، ناظر جی اور مظفر میرزا اور تمہارے باب میں، محمد میرزا بن سیف‌الدولہ اور میاں زکی‌الدین اور میاں عبدالسلام کے باب میں کلام کروں گا:

تا بنگرید خواستۂ کردگار چیست

●

●

(۱) اس سے مراد ہے نواب کلب علی خان مرحوم کا جشن جلوس (۱۸۶۵) - ظاہر ہے کہ مکتوب رام پور سے لکھا گیا اور جن لوگوں کے نام لکھے ہیں ان کے متعلق نواب کلب علی خان ہی سے بات کرنے کا قصد تھا۔

نواب میر غلام بابا خاں

نواب میر غلام بابا خاں عرف چھوٹے صاحب بن سید اخی (قاضی شہر سورت و سجادہ نشین درگاہ میر جمال الدین عرف خواجہ دانا) ۴- شعبان ۱۲۵۰ھ/۶- دسمبر ۱۸۳۴ء کو پیدا ہوئے - ان کے جد اعلیٰ میر جمال الدین ، اکبر کے عہد میں خوارزم (ترکستان) سے ہندوستان آئے تھے- کچھ عرصہ بڑودہ میں رہے ، پھر سورت منتقل ہو گئے - ۵- صفر ۱۰۱۶ھ/ ۲۲- مئی ۱۶۰۷ء کو انتقال ہوا، سورت میں ان کی درگاہ زیارت گاہ عام ہے -

نواب میر غلام بابا خاں کی تربیت ان کے والد اور بڑے بھائی کی نگرانی میں ہوئی - نواب میر جعفر علی خاں کی صاحبزادی رحیم النسا عرف چھوٹی بیگم سے شادی ہوئی (۱۲۷۶ھ - ۱۸۶۰ء) جو غالباً میر ابراھیم علی خاں وفا ساکن بڑودہ کے چچا تھے - نواب میر غلام بابا خاں نے اپنے عہد ریاست میں سید جمال الدین عرف خواجہ دانا کی درگاہ از سر نو بڑے اہتمام سے تعمیر کرائی اور ایک ماذنہ بھی بنوایا (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء) جس کی تاریخ یہ کہی گئی :

ز روے بانگ بگو بر عمود دین نبی ص
دوبارہ اشہد ان لا الہ الا اللہ

نواب موصوف بڑے خلیق و حلیم ، سلیم الطبع، متواضع اور متحمل مزاج بزرگ تھے - مشہور اخبار نویس اور مصنف بہرام جی مروان جی مالاباری نے ہندوستان کے تمدنی حالات پر ایک کتاب تصنیف کی تھی - اس میں

ایک واقعہ نواب میر غلام بابا خاں کا بھی لکھا۔ نواب صاحب بمبئی سے سے سورت ٹرین پر جانا چاھتے تھے ۔ درجہ اول کا ٹکٹ لیا۔ جب گاڑی میں قدم رکھا تو وھاں ایک انگریز بیٹھا تھا۔ اس نے نواب صاحب کو بہت برا بھلا کہا مگر انہوں نے صبر کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

میرزا غالب کے ساتھ نواب میر غلام بابا کے روابط بظاھر میاں داد خاں سیاح کی وجہ سے پیدا ، ھوئے ، جو نواب موصوف کے مصاحب بن گئے تھے۔ حکومت نے نواب کو خان بہادر اور سی آئی ای کے خطاب دیے ۔ ۱۲- شوال ۱۳۱۰ھ/۱۹- اپریل ۱۸۹۳ء کو انتقال ھوا ۔ کسی نے تاریخ کہی جس کے بعض اشعار میں مرحوم کے سوانح بیان کر دیے۔ چند شعر درج ذیل ھیں :

سید آل نبیؐ ، ترمذیؒ، اولاد حسین — نقشبندی سندے بود غلام بابا
الف و پنجاہ و دو صد بود سنہ از ھجری — روز شعباں شدہ مولود غلام بابا
روح پرید شب دوازدھم در شوال — رحمۃ اللہ ذوی الجود غلام بابا
عمر مرحوم شدہ شصت کہ بس پیک اجل — گفت بر خیز بہ معبود غلام بابا
از سر ھفت فلک گفت چہ رضواں تاریخ — بہ جناں آمد و آسود غلام بابا

---

(۱)

سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم برھانہ ۔ جناب مستطاب ، نواب میر غلام بابا خان بہادر سے بتوسط میاں داد خاں صاحب شناسائی بہم پہنچی لیکن واہ ! ''اول ساغر و دردی،،، کیا جگر خون کن اتفاق ھے۔ پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا ، اس میں خبر مرگ ۔ اب میں جو اس کا جواب لکھوں ، اور یہ میرا پہلا خط ھوگا، لا محالہ مضامین اندوہ انگیز ھوں گے۔ نہ نامۂ شوق، نہ محبت نامہ، صرف تعزیت نامہ ۔ صریر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ھے، جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ھے۔ ھے ھے

میر جعفر علی خاں(۱) جیسا امیر روشن گہر نام آور، روشناس اعیان ہند و انگلینڈ وسط جوانی یعنی چھیالیس برس کی عمر میں یوں مر جائے!

نخل چمن سروری افتاد ز پا ہاے

سچ تو یہ ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے، مجموع اہل ہند ماتم دار و سوگوار ہوں، تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا، مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں، کیا کروں؟ قطعہ سال رحلت نواب غفران مآب، جب دل خار خار غم سے پر خون ہوا، یوں موزوں ہوا:

گر دید نہاں مہر جہانتاب دریغ　　شد تیرہ جہاں، بچشم احباب دریغ
ایں واقعہ را ز روے زاری غالب　　تاریخ رقم کرد کہ ''نواب دریغ''

''روے زاری'' یعنی ''زا، ہوز'' کے عدد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں۔ فہذا المطلوب۔ شریک بزم ماتم، منشی میاں داد خاں صاحب کو سلام۔

یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

(۲)

بہ جناب نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام مسنون الاسلام و دعاے دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے، گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجا لاتا ہوں۔ پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر اور پھر سید۔ نظر ان تینوں امور پر اس ارمغاں کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ خداے عالم آراے آپ کو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپ کا ممد و مددگار رہے۔

واب میر غلام بابا خاں کے خسر اور ان کی بیگم رحیم النسا عرف چھوٹی بیگم کے والد ماجد جن کا انتقال ۱۸۶۳ء میں ہوا۔

ظاہرا، بوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہو گیا، خیر یہاں بن جائے گی(۱)۔
والسلام بالوف الاحترام۔

سہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۴ء خوشنودیٔ احباب کا طالب، غالب

(۳)

جناب نواب صاحب،

آپ کے اخلاق کا شاکر اور آپ کی یاد آوری کا ممنون اور آپ کے دوام دولت کا دعا گو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا، تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا اور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے۔ خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے۔ اگر میری اوقات شبانہ روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کریں گے کہ یہ شخص جیتا کیوں کر ہے! صبح سے شام تک پلنگ پر پڑے رہنا اور پھر دمبدم پیشاب کو اٹھنا۔ ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنیٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۲ ہجری شروع ہوئی۔ ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے۔ اب کے رجب کے مہینے سے سترھواں سال شروع ہو گا۔ سترا بہترا، بہرا، بوڑھا، اپاہج آدمی ہوں۔ جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو، صرف تمہاری خوبی ہے۔ میں کسی لائق نہیں۔

چہار شنبہ ۳۱۔ مئی ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

---

(۱) اس گھڑی کا ذکر میاں داد خاں سیاح کے نام ایک مکتوب میں بھی آیا ہے (مکتوب ۱۴) ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے سیاح کو لکھا تھا۔ میں ''قاطع برہان،، دوبارہ چھپوانا چاہتا ہوں۔ اگر نواب میر غلام بابا خاں دو سو جلدیں خرید لیں تو طباعت میں خاصی مدد مل جائے گی۔ معلوم نہیں سیاح نے نواب موصوف سے یہ ذکر کیا یا نہیں، انہوں نے گھڑی بھیج دی۔ سیاح کو میرزا لکھتے ہیں کہ یہ میرے کس کام کی؟ یعنی اس سے طباعت کتاب میں کیا مدد مل سکتی ہے؟ سیاح کے نام مکتوب نمبر ۱۸ سے واضح ہے کہ نواب میر غلام بابا خاں نے سو روپے نقد بھی بھیج دیے تھے، جو ''قاطع برہان،، (موسوم بہ درفش کاویانی) کی طبع دوم میں صرف ہوئے۔

(۴)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، امیدگاه درویشاں، زاد افضالکم، آپ کا بندۂ منت پذیر، غالب خونیں صفیر، یوں نواسنج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عز و رود لایا اور مژدۂ قبول سے میرا مرتبہ بڑھایا۔ جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا، اگر اس کو قدر دانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں۔ البتہ آپ نے از راہ حق پسندی سخن کی قدردانی اور میری قدر افزائی کی ہے۔ جو اغلاط فارسی در زمان ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے، ان کو دفع کیا ہے تو کیا برائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے ''گمنام،، اپنی شہرت کے لیے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ، اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں۔

عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق(۱) پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ التحیہ والثنا، آپ کا دادا اور میرا آقا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کمے پوتے کا۔ آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی۔ چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اس کے چھپ جانے میں دیر کیا ہے۔

صبح یکشنبہ ۱۷- ستمبر ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

(۵)

نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سلامت۔

فقیر اسداللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو

---

(۱) میاں داد خاں سیاح جنہیں میرزا غالب نے سیف الحق خطاب دے دیا تھا۔ اشارہ سو روپے کی طرف سے جو نواب میر غلام بابا خاں نے ''قاطع برہان،، کی طبع دوم کے لیے مرحمت فرمائے تھے۔ دیکھیے مکتوب نمبر ۱۸ بنام سیاح۔

بڑھائی - حق تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے - چھتیس ''درفش کاویانی،،(۱) کی رسید پہنچی - حسب‌الارشاد اب اور نہ بھیجوں گا - قبلہ غرض شہرت ہے - اس قلمرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں، اس ملک میں آپ بانٹ دیں - اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودہ، گجرات میں سید احمد حسن مودودی اور میر ابراھیم علی خاں صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجیے گا (۲) اور چھ جلدیں مولانا سیف‌الحق کو عطا کیجیے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں -

خواجہ بدرالدین خاں میرے بھتیجے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے - اس کا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونے والا ہے، اس کے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں - آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں، تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں - والسلام مع‌الاکرام، میاں سیف‌الحق کو سلام -

۲۲- مارچ ۱۸۶۶ء

(۶)

نواب صاحب جمیل‌المناقب، عمیم‌الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر، زاد مجدہ،

عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ اور مولانا سیف‌الحق کا مہربانی نامہ دونوں لفافے ایک دن پہنچے - سیف‌الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائیں ہیں - مبارک ہو - اور مبارک ہو -

---

(۱) ''قاطع برہان،، کا دوسرا نام جو طبع دوم میں اختیار کیا گیا - تاہم پہلا نام بھی قائم رکھا - چنانچہ طبع دوم کے سرورق پر اوپر ''قاطع برہان،، ہے اور نیچے ''درفش کاویانی،، -

(۲) اس فقرے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ میر ابراھیم علی خاں اور میر غلام بابا خاں میں باہم رشتہ تھا اور رشتہ بظاہر یہ تھا کہ میر غلام بابا خاں کی بیگم میر ابراھیم علی خاں کے چچا نواب میر جعفر علی خاں کی صاحبزادی تھی اور میر ابراھیم علی خاں کی چچیری بہن تھی -

نظارۂ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا، مگر میرا حصہ مجھ کو پہنچ رہے گا خاطر جمع ہے۔

کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آ گیا یا نہیں؟ نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی۔ ''سید مہابت علی خاں،،۔ عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپ کے خط میں توضیح، نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھیے۔ پسند آنے یا نہ آنے کی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔

۹۔ ماہ اگست ۱۸۶۶ء جواب کا طالب، غالب

(۷)

ستودہ بہر زبان و نامور بہر دیار، نواب صاحب شفیق کرم گستر، مرتضوی تبار، نواب میر غلام بابا خاں بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن بعد جشن مبارک و ہمایوں ہو۔ رقعہ گلگوں نے بہار کی سیر دکھلائی، بسواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پانو سے اپاہج، کانوں سے بہرا، ضعف بصارت، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف معدہ، ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیوں کر قصد سفر کروں؟ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں(۱)؟ گھنٹے بھر میں دوبار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک ہفتے دو ہفتے کے بعد ناگاہ قولنج کے دورے کی شدت ہوتی ہے۔

---

(۱) مطلب یہ کہ ریل کے ڈبے میں کیوں کر تین چار روز بند ہو کر بیٹھا رہوں۔ ڈبے کو قفس سے تشبیہہ دی ہے۔ میرزا کے کمال تحریر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بے قصد و ارادہ اپنے عہد کے مختلف حالات بتا جاتے ہیں۔ مثلاً اس فقرے سے واضح ہو گیا کہ ۱۸۶۶ء میں ریل دہلی سے تین چار روز میں سورت پہنچتی تھی۔ میرزا کے مکاتیب کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو ایسی کئی اہم باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، جن کے جاننے کا بظاہر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

طاقت جسم میں، حالت جان میں نہیں، آنا میرا سورت تک کسی صورت حیز امکان میں نہیں۔

خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ لکھی، سیدانی صاحبہ کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیے۔ مادہ ''خجستہ بہار،، ذہن میں آیا ہے۔ سات عدد کم پائے ''خجستہ بہار،، پر ادب کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے۔ بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے، صرف جوش محبت سے چار مصرعے موزون ہوئے ہیں:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

۱۴- نومبر ۱۸۶۶ء راقم اسداللہ خاں غالب

سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصور خاکسار کا خاکہ اتار کر، دربار کا نقشہ اتارنے کو اکبر آباد گئے ہیں، وہ آ جائیں تو شغل تصویر تمام ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجا جاتا ہے۔ **قطعہ**:

خجستہ جشن دبستان نشینی بیگم بفیض ہمت نواب و یمن اقبالش
چو از پئے ادب آموزی است خوش باشد اگر ''خجستہ بہار ادب،، بود سالش

(۸)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عالیشان، والا دودمان، زاد مجدکم -

سلام مسنون الاسلام و دعاے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو از روے اخبار بمبئی آپ کی افزایش عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے، متواتر شکر الٰہی بجا لایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا۔ خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا، کیا کہوں (کس قدر) مسرت و شادمانی کا موجب اور کس طرح نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے۔ حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔(۱) - **قطعہ**

---

(۱) یہ ایک خاندانی مقدمے میں کامیابی کا ذکر ہے۔

فتح سید غلام بابا خان خود نشان دوام اقبال است
هم ازیں رو بود کہ غالب گفت کہ ''ظفرنامۂ ابد،، سال است

بہار باغ جاہ و جلال جاوداں باد!

(مارچ ۱۸٦۷ء) اسداللہ خاں غالب

(۹)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عنایت فرمائے مخلصان، زاد مجدہ، شکر یاد آوری و رواں پروری بجا لاتا ہوں۔ پہلے اس سے آپ کا جو مودت نامہ پہنچا ہے، وہ میرے خط کے جواب میں تھا۔ اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا خوان دعوت تھا۔ میں نے کھانے بھی کھائے، میوے بھی کھائے، ناچ بھی دیکھا، گانا بھی سنا۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔

صاحب، ریاست و امارت میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ بسبب فرط محبت اخبار میں تمہاری افزایش عزو جاہ دیکھ کر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی۔ ''ظفر نامۂ ابد،، بہت مبارک لفظ ہے۔ انشاءاللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور ہوں گے:

کارت بجہاں جملہ چناں باد کہ خواہی

سہ شنبہ ۳۔ اپریل ۱۸٦۷ء نجات کا طالب غالب

(۱۰)

جناب سید صاحب قبلہ!

بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ تو اپنی خیریت کبھی کبھی لکھا کر، آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا، اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی۔ ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا، بینائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا

مقدور نہیں - عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آ گئے تو میں مطلب کہتا گیا، وہ لکھتے گئے- یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپ کا خط آیا، آج ہی ایک دوست میرا آ گیا کہ یہ چند سطریں لکھوا دیں اور یہ آپ کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہو گیا ہے- منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپ کی محبت دل و جان میں اس قدر سما گئی ہے، جیسا اہل اسلام میں ملکہ ایمان کا- پس ایسی محبت کا موقوف ہونا کبھی ممکن نہیں - امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمدگر کی شرح کے بعد ہجوم غم ہائے نہانی کا ذکر کیا کروں؟ جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے- بس اللہ ہی اللہ ہے- سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیے گا اور یہ خط پڑھا دیجیے گا-

روز چہار شنبہ ٦- اپریل ١٨٦٨ء نجات کا طالب، غالب

میر ابراہیم علی خاں

''تلامذۂ غالب،، سے معلوم ہوا کہ یہ نقوی حسینی سید تھے۔ سلسلہ نسب حضرت خواجہ قطب الدین مودودی کے ذریعے سے امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اجداد کا وطن سہسواں (ضلع بدایوں) تھا۔ میر ابراہیم علی خاں کے دادا سید سرفراز علی خاں اٹھارویں صدی کے اواخر میں بڑودہ پہنچے اور مہاراجا گووندراؤ گائیکواڑ کی خدمات بوجہ احسن انجام دیں۔ مہاراجا نے کاٹھیاواڑ میں کھانڈیا اور دراوڑی کے علاقے بطور جاگیردوامی انہیں دے دیے۔ سید سرفراز علی خاں کے دو بیٹے تھے۔ بڑے میر اکبر علی خاں اور چھوٹے میر جعفر علی خاں۔ میر اکبر علی خاں نے فرزند اکبر کی حیثیت میں سید سرفراز علی کا منصب سلحداری سنبھال لیا۔ ان کے انتقال پر ۱۸۶۰ء میں میر ابراہیم علی خاں جدی منصب کے وارث ہوئے۔ میر جعفر علی خاں کی شادی سورت کے ایک قدیم امیر گھرانے میں ہو گئی تھی۔ وہ غالباً سورت ہی میں مقیم ہو گئے۔ انہیں کی صاحبزادی سے میر غلام بابا خاں کی شادی ہوئی تھی۔

میر ابراہیم علی خاں ۱۸۳۵ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ ۱۸۶۰ء میں سلحدار بنے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ تکمیل علوم سورت میں منشی مطف اللہ فریدی سے کی۔ شادی بڑودہ میں ہوئی۔ وفا اور طالب تخلص تھے۔ ۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔ ان کی یادگار چار فرزند تھے: میر احتشام علی خاں، میر ناصر علی خاں، میر یوسف علی خاں، میر محمود علی خاں۔ میر عالم علی خاں جن کا ذکر میرزا کے خطوط میں آیا

ہے نواب میر ابراھیم خاں کے اقربا میں سے تھے ۔ حکیم سید احمد حسن مودودی بھی میر ابراھیم علی خاں ھی سے وابستہ تھے کیونکہ دونوں کا وطن بھی ایک تھا اور دونوں سادات کے ایک ھی خاندان سے تھے ۔

(۱)

پیر و مرشد جناب سید ابراھیم علی خاں کو بندگی ۔ غزل پہنچتی ہے ۔ خط از روے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے ۔ قبلہ! آپ کے بھائی میر عالم علی خاں صاحب مجھ پر کیوں خفا ھیں کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے؟ یہ امر ان کے خاطر نشاں ھو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجا لانے کو آمادہ (۱) ہے ۔

نہم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ
(۲۱- جولائی ۱۸۶۶ء) نجات کا طالب غالب

(۲)

ولی نعمت کو غالب کی بندگی ،

بہ سبب ضعف پیری کے خدمت گزاری میں درنگ واقع ھو جائے تو معاف رھوں ، کبھی قاصر نہ رھوں گا ، انشاءاللہ العظیم ۔ دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے ، دوسری غزل ھفتہ آیندہ میں پہنچ جائے گی ۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال لکھوں ۔ دو تین دن ھوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا ۔ وہ لکھتے ھیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں ۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں ۔ مزا اس میں ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آزردہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے ؟ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ھوں گی

---

(۱) ظاھر ہے کہ میر ابراھیم علی خاں کے نام یہ پہلا خط نہیں کم از کم عالم علی خاں کے ساتھ اس سے پیشتر بھی خط و کتابت تھی ۔ بلکہ وہ اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجتے رھتے تھے ۔

خدا کرے وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے تو میر صاحب کی خدمت میں بھیج دوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو، جو اب آئی ہیں، دیکھوں گا۔ یہ اکتہر برس کی عمر کی خوبی ہے۔ آپ میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجیے گا۔

۲۰- اکتوبر ۱۸۶۶ء لطف و کرم کا طالب غالب

(۳)

سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خاں بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

بس شوق قتل سے ہے الخ

گم ہو گئی۔ پھر لکھ کر بھیجیے اور قصور معاف کیجیے۔ یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے، فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

میر صاحب قبلہ سید عالم علی خاں بہادر کی دو غزلیں پہنچیں، مگر وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤں گا(۱)۔ اور وہاں سے تیرے پاس آؤں گا۔ آج بحساب جنتری ۲۷، اور از روے رویت ۲۶ رجب کی ہے(۲)۔ غزلیں ان کی موجود، مگر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری بے گناہی کے گواہ رہیں۔

قبلہ! ضعف نے مضمحل کر دیا ہے، حواس بجا نہیں۔ اس مہینے میں رجب کی آٹھویں تاریخ سے بہتروان برس شروع ہو گیا ہے۔ غذا بہ اعتبار آرد و برنج مفقود(۳)۔ صبح کو پان سات بادام کا شیرہ، بارہ بجے آب گوشت، شام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔

ہاں حضرت جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی کا اخوان واحباب سے معلوم ہوا(۴) اور وہ علم باعث

---

(۱) غالباً وطن سے مراد سہسواں ہے۔

(۲) یعنی جنتری کے اندراجات کے مطابق ۲۷ اور چاند دیکھنے کی بناء پر ۲۶۔

(۳) مطلب یہ کہ روٹی اور چاول بالکل ترک کر دیے گئے۔

(۴) بھائیوں اور دوستوں سے اختلاف۔

توزع(۱) ضمیر ہے۔ متوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی طمانیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشیے اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمائیے گا۔

پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء - رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں(۲)۔

اسد بے دستگاہ

(۴)

بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی تسلیم۔ بجناب میر ابراھیم علی خاں بہادر کورنش مقبول باد۔ تصویر مہر تنویر مجھے پہنچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجب ھے کہ آپ کو اس کے پہنچنے میں تردد ھے۔ امسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکہ یعنی تصویر، منشی میاں داد خاں کی معرفت نذر کی ھے۔ یقین ھے، وہ بھی پہنچی ہو گی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں۔ اپنی غزل آپ رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل ان کے حوالہ کر دیں (۱)۔

جمعہ ۱۷۔ اگست ۱۸۶۸ء نجات کا طالب، غالب

(۵)

جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ ، والا مناقب ، عالیشان ، نواب سید ابراھیم علی خاں بہادر ، مد ظلہ العالی۔ بعد بندگی معروض ھے۔ حضرت سید احمد حسن خان صاحب مد ظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگیں مرتب کر کے "اکمل الاخبار" میں میں نے چھپوا دی ھے اور ایک رباعی

---

(۱) پراگندگی ، پریشانی۔

(۲) جنتری کے حساب سے ۲۷ اور رویت کے حساب سے ۲۶۔

(۳) یہ مکتوب سید احمد حسن اور نواب میر ابراھیم علی خاں کو مشترک لکھا ھے، چونکہ سید احمد حسن کو صرف سلام لکھ دیا ھے باقی پورے خط میں نواب میر ابراھیم علی خاں ھی مخاطب ھیں، اس لیے میں نے اسے نواب صاحب کے مجموعے میں شامل کر لیا۔

اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا، جو انہوں نے یہاں بھیجا تھا، وہ بھی چھپوا دیا اور تین قطعے تاریخی بہاری لال منتظم اور میر فخرالدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھی تویں، وہ چھپوا دیں۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔

رباعی

حق داد بہ سید ز پئے انعامش   فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش   ''ارشاد حسین خاں،، کہ باشد نامش

قطعہ

غالب حال سنین ہجری   معلوم کن از ''خجستہ فرزند،،
چوں یک صد و بست و چار ماند   این است شمار عمر دلبند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۰ھ ہے۔ جب ''خجستہ فرزند،، کے اعداد میں سے ۱۲۸۰ لے لیے جائیں تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں۔ ان کو میں نے دعاے عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبعی کو پہنچائے (۱)۔

خط کی رسید کا طالب غالب

---

(۱) یہ خط اگست ۱۸۶۸ء کا ہونا چاہیے۔ سید احمد حسن مودودی نے غالباً جولائی میں لکھا تھا کہ نواب میر ابراہیم علی خاں کے بچہ ہونے والا ہے۔ میرزا نے اپنے خط بنام سید احمد حسن مرقومہ ۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تاریخ تولد کا مجھے خیال رہے گا۔ بعد میں اطلاع ملی تو یہ تاریخیں کہیں۔

حکیم سید احمد حسن مودودی

سید احمد حسن بن سید محمد حسن صالحی، وطن سہسواں۔ غالباً ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ تکمیل علوم دهلی میں کی۔ غالباً اسی زمانے میں میرزا غالب سے تعلق پیدا ہوا۔ پھر بڑودہ چلے گئے اور وہاں وقت کے نامور طبیب حکیم ہاشم علی خاں موہانی سے طب پڑھی۔ وہیں مطب شروع کیا اور ریاست میں ملازمت اختیار کر لی۔ رؤسا بڑودہ کی قدر و منزلت کے باعث وہیں سکونت اختیار کر لی۔ بھائی بندوں اور اقربا کو اپنے پاس بلا کر مختلف خدمات پر مامور کرا دیا۔ ''حیات العلماء،، کا بیان ہے :

> بامروت و سیر چشم و کریم و مہمان نواز و قدر شناس اہل علم تھے مطالعہ کتب و صحبت ارباب کمال، و تصنیف و تالیف و شاعری و انشا نگاری میں زیادہ دلچسپی کے ساتھ اوقات بسر فرماتے۔ علماً و شعرا صادر و وارد کو بہ شوق تمام مہمان رکھتے تھے (ص ۱۷)۔

بڑودہ کی کشش کا خاص باعث غالباً یہ ہوا کہ نواب میر سید ابراہیم علی خاں وہاں موجود تھے، جنہیں بڑی جاگیر حاصل تھی اور وہ بھی مودودی سہسوانی تھے۔ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کے بھائی سید احمد حسن عرشی حج کے لیے جاتے وقت حکیم سید احمد حسن ہی کے پاس بڑودہ میں ٹھہرے تھے۔ وہیں بیمار ہو کر وفات پائی۔ حکیم صاحب ہی نے ان کی بیماری اور وفات کے متعلق مفصل خط نواب صدیق حسن

خاں کے نام بھوپال بھیجا تھا۔ حکیم صاحب کا کتب خانہ علوم و فنون مختلفہ کا ایک گراں بہا ذخیرہ تھا ۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں فوت ہوئے۔ مولف ''حیات العلما،، سید عبدالباقی سہسوانی نے لکھا ہے :

آپ کے فرزند ارجمند سید محمود حسین سلمہ ربہ جانشین پدر ہیں۔ آپ (حکیم احمد حسن) محرر سطور کے قریبی خال باافضال تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (ص ۷۱-۷۲)

مالک رام صاحب نے فنا اور جہالی تخلص لکھے ہیں (تلامذۂ غالب ۲۴۶) ''خمخانہ جاوید،، سے بھی فنا ہی کی توثیق ہوتی ہے۔ سید ظہیرالدین مدنی نے فدا اور جہالی تخلص بتائے ہیں۔

(۱)

حضرت قبلہ

پہلے التماس یہ ہے کہ آپ صحیح النسب سید، تمام امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ، جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں؟ خدا کے واسطے غور کیجیے کہ ''قبلہ ٔقبلہ،، اور ''کعبہ ٔ کعبہ،، یہ کیا ترکیب ہے؟ چونکہ آپ نے مجھے استاد گردانا ہے، اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجیے۔ زنہار قبلہ ٔ قبلہ کبھی نہ لکھیے، یہ سوء ادب ہے بہ نسبت قبلہ۔ عیاذاً باللہ!

آپ کا عطوفت نامہ پہنچا۔ میرے پہلے خط کا بدیر پہنچنا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اس کا خیال رکھوں گا۔ یہ اب آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا۔ اس کو یہ سمجھیے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے :

بہار گلستان احمد حسن

یہ سجع کیا برا ہے؟ :

دل حیدر و جان احمد حسن

یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ انہیں دونوں میں سے ایک سجع مہر پر کھدوا لیجیے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

۱۹- ذی‌الحجہ (۱۲۷۷ھ/۱۸ جون ۱۸۶۱ء) غالب

(۲)

حضرت پیر و مرشد،

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں، دونوں غزلیں پہنچتی ہیں۔ جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تعارف اسمی ہے۔ ان کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ حضرت جناب مولوی صدرالدین(۱) صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جایداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جایداد وا گزاشت کی۔ اب نصف جایداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرائے پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے، کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی‌بی، تیس چالیس روپے مہینے کی آمد، لیکن چونکہ امام بخش کی اولاد ان کی عترت (۲) ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں، لہذا فراغ بال سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے اواخر میں (۳) ہیں۔ خدا سلامت رکھے، غنیمت ہیں۔

یکشنبہ ۱۹- جنوری ۱۸۶۲ء غالب

---

(۱) یعنی مفتی صدرالدین آزردہ مرحوم و مغفور۔

(۲) یہ لفظ اولاد کے لیے بھی مستعمل ہے اور خویش و اقارب کے لیے بھی۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں۔

(۳) مفتی صدرالدین مرحوم ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۲۴ ربیع‌الاول ۱۲۸۵ھ/۱۵- مئی ۱۸۶۸ء کو وفات پائی۔ ۱۸۶۲ء (۱۲۷۹ھ) میں وہ بہ اعتبار سنین قمری چھہترویں سال میں تھے۔ لہذا میرزا کا یہ بیان درست ہے کہ عشرۂ ثامنہ کے اواخر میں ہیں۔

(۳)

سید صاحب قبلہ،

عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا - پس و پیش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراھیم علی خاں صاحب بہادر اور ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خاں بہادر کا پہنچا - میں علی کا غلام ہوں اور اولاد علی کا خانہ زاد، لیکن بوڑھا اور ناتوان اور مسلوب الحواس اور بے سرو سامان - خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گنہ گار - درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں - لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا -

خداوند نعمت، کیا تم دلی کو آباد اور قلعے کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو، جو حضرت شیخ کا کلام(۱) اور صاحبزادہ قطب الدین(۲) ابن مولانا فخرالدین علیہ الرحمۃ کا حال پوچھتے ہو؟ ''ایں دفتر را گاؤ خورد گاؤ را قصاب بردو قصاب در راہ مرد،، -

بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں - خود میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو پھیر دی - کاغذ کا پرزا، سونے کا تار، پشمینہ کا بال باقی نہ رہا - شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا - ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی - ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے - اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر، اس کے سوا کچھ نہیں - وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں - ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا، کچھ تبرکات بھی تھے - اب جب لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں؟ کیا کروں؟ کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہو سکے گا -

---

(۱) شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رح جو اپنے عہد کے مشہور مشائخ میں سے تھے - وفات ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/۱۶ ستمبر ۱۷۲۹ء - لال قلعہ دھلی اور جامع مسجد کے درمیان آپ کا مزار ہے -

(۲) مولانا فخرالدین فخر عالم کے صاحبزادے اور بہادر شاہ ظفر کے مرشد شیخ نصیرالدین ''عرف کالے میاں،، کے والد ماجد -

سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ اگر یہی مرضی ہے تو اتحاف و اہدا تکلف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں، اگر کچھ بھیج دیں گے، رد نہ کروں گا۔ کم و بیش پر نظر نہ کریں، جتنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔ والسلام۔

روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۳ء از اسداللہ

(۴)

پیرو مرشد،

تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی۔ آپ کے خطوط آئے ہوں گے۔ کوئی عنوان نا کشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفیٰ خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں کہ انہوں نے از روے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اپنی زبان سے یہ کیوں کر کہوں کہ اچھا ہوں، مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا، بہرا، اپاھج، بد حواس، ناتوان، فلک زدہ آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ کہ جب آپ کا خط آئے گا، اس کا جواب لکھوں گا۔ جب غزل آئے گی اس کو دیکھ کر پھر بھیجوں گا، مگر حضرت کے مسکن کا پتا بھول گیا۔ یہ خط تو مصطفیٰ خاں سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں، وہ آپ کو بھجوا دیں گے، آیندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے، اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔

۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء نجات کا طالب غالب

(۵)

حضرت پیر و مرشد،

ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو:

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از پاے نیامد ، ز عصامی آید

رام پور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔ دعا گوے دولت کو در دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رام پور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ (۱) وہاں پہنچا۔ بعد اختتام بزم، عازم وطن ہوا۔ ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں بیمار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ رواں و ناتواں تھا، ویسا ہوں۔ جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں؟

نواب میر جعفر خاں مبرور و مغفور کا خاندان، سبحان اللہ :

این سلسلہ از طلاے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خاں میرے دوست اور محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہمدگر جاری ہے آپ کا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب میر ابراہیم علی خاں صاحب اور حضرت میر عالم علی خاں صاحب کی خدمت گزاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔ اس وقت بکس کھولا ہے۔ خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے حضرت کے خط کا جواب بطور اختصار لکھا ہے۔ اب جب اس کا جواب آئے گا، تب فقیر حکم بجا لائے گا۔

چار شنبہ ۱۷- جنوری ۱۸۶۶ء اسداللہ

(۶)

پیر و مرشد،

آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہاں تک

---

(۱) دھلی سے رام پور تک چھ منزلیں۔

ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے، نہ ہات سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبرسن کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبرص نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا، لکھ دیا کروں گا۔ زیادہ حد ادب

۸- اپریل ۱۸۶۶ء- راقم اسداللہ خاں غالب

(۷)

پیر و مرشد،

یکم محرم کا خط کل ۱۸- محرم کو پہنچا، آج ۱۹ کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ پر اور میر ابراہیم علی خاں پر میری جان نثار ہے۔ مضیٰ ما مضیٰ۔ اب ایک ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجیے۔ اسی طرح میں فرداً فرداً اصلاح دے کر بھیج دیا کروں گا، مگر میرے قبلہ و کعبہ، واسطے خدا کے شجرۂ منظومہ ارسال نہ فرمائیے گا۔ اس کی اصلاح میری حد وسع سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا، یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیڈ کے تلف ہونے کا احتمال ہے، بیرنگ کا نہیں۔

شنبہ، دوم جون ۱۸۶۶ء اسداللہ

(۸)

قبلہ،

ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خاں کا خط مع غزل۔ آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں، اس واسطے یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اس کو پھاڑ

سکوں ، نہ پانی میں دھو سکوں۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے۔ آپ اور غزل لکھیے، اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے۔

یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی، آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں؟ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ آپ کی غزل ''سہلا کر سوئے،، اور ''نہلا کر سوئے،، اور تاریخ ہائے بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔

دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھیے۔ ایسا کئی لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے کہ ان سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے؟ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں بڑے معزز اور مکرم متوسل تھے اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے۔ سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں؟ اور ہاں یہ بھی لکھیے کہ میر عالم علی خاں کو ان سے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجیے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجیے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے ، اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے ، ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو۔

اسداللہ

۲۵- ستمبر ۱۸۶۶ء

(۹)

حضرت ،

یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مر لیا۔ کثرت احکام ، تواتر ورود اشعار، پھر یہ ہنجار کہ سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل، جس کا ایک شعر یہ ہے :

علی علی جو کہا تا سحر تو یوں سمجھے
که ذوالفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا تقاضا کیے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی برستی ہیں، کہاں تک دیکھوں؟ آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی، پھر رنجور دائمی، غذا یک قلم مفقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں، نہ روٹی، نہ بوٹی، نہ پلاؤ، نہ خشکا۔ آنکھ کی بینائی میں فرق، ہاتھ کی گیرائی میں فرق، رعشہ مستول، حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا، وہ وہیں رہا۔

میر عالم علی خاں صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سید صاحب کا آپ کے خط میں پہنچا، روپیہ وصول ہوا۔ معاً خرچ ہوا، ان کی ایک غزل ''ساری رات،، ''ہماری رات،، جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں، بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور کوئی غزل ان کی اب میرے پاس نہیں اور جناب میر عالم علی خاں کی دو غزلیں، یاد ہیں کہ آئی ہیں۔ اگر مل جائیں گی تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں۔ بکس میں دیکھوں گا۔ کتابوں میں ڈھونڈوں گا۔ مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے، تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہو کر بھیجی جائے اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں۔ از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۱۸- اکتوبر ۱۸۶۶ء   اسد یک رنگ

(۱۰)

سید صاحب و قبلہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے۔ وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض

سے افاقت ہے، سو محض غلط ہے۔ آگے ناتواں تھا، اب نیم جان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں، میرے حق میں دعا کریں کہ اب تہتر برس سے آگے نہ بڑھوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت عنایت کرے تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا رہوں۔

۳- جولائی ۱۸۶۷ء غالب

(۱۱)

جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی قبول ہو اور یہ عرض بھی قبول ہو کہ جناب معلی القاب نواب ابراهیم علی خاں بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں۔ بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا، خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی، مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے میرے حال پر یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے، مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہے گا جب آپ کی تحریر سے نوید تولد معلوم کر لوں گا، تب قطعہ یا رباعی جو کچھ ہو گی، وہ بھیج دوں گا اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے، مجھے اس حکم کی تعمیل بہ دل منظور ہے۔ جس مہینے تک میں زندہ ہوں، اس مہینے تک خدمت بجا لاؤں گا۔

۱۷- جولائی ۱۸۶۸ء

میاں داد خاں سیاح

نام میاں داد خاں ، ابتدا میں تخلص عشاق تھا ۔ میرزا غالب نے ان کا تخلص سیاح تجویز کیا اور سیف‌الحق لقب ٹھہرایا ۔ وطن اورنگ آباد ۔ سیاح کے والد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے امیر لوگوں میں سے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاح ہی کے اسراف سے نہ محض روپیہ بلکہ جایداد بھی ٹھکانے لگ گئی ۔ تلامذہ غالب کا بیان ہے :

> یارباش زندہ دل آدمی تھے ۔ مزاج میں نفاست بہت تھی ۔ خوش لباس ایسے کہ کپڑے دھلی سے سلواتے ۔ عطر کا شوق اس درجہ کہ جس گلی کوچے سے نکل جاتے وہ مہک اٹھتے اور لوگ محض فضا کی خوشبو سے کہہ دیتے کہ سیاح اس طرف سے گزرے ہیں (ص ۱۰۰) ۔

ایک بیان کے مطابق وفات پر بھی ان کے ہاں سے بے شمار پوشاکیں اور کم و بیش بیسیوں جوڑے جوتے نکلے ۔

مجبور ہو کر وطن چھوڑا ، بمبئی ہوتے ہوئے سورت پہنچے ۔ جہاں نواب میر غلام بابا خاں نے انہیں مصاحبوں میں داخل کر لیا ۔ یہ ۱۸۴۴ء یا ۱۸۴۵ء کا واقعہ ہے ۔ بعد ازاں شوق سیاحت میں نکل پڑے ، کہتے ہیں انہوں نے ایران ، عرب ، مصر وغیرہ کی سیر بھی کی تھی ۔ ہندوستان ، میں وہ دھلی ، کان پور ، لکھنئو بنارس وغیرہ دیکھتے ہوئے کلکتہ پہنچے ۔ ''سخن شعرا،، کا بیان ہے کہ ۱۸۶۲ء میں کلکتہ آئے تھے

(ص ۲۳۰) لکھنئو، بنارس اور کلکتہ پہنچنے کی تصدیق میرزا غالب کے خطوط سے بھی ہوئی۔ دھلی میں میرزا غالب سے خوب ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔

سفر سے مراجعت پر سورت ہی میں رہے اور وہیں ۱۸۶۵ء میں نکاح کیا۔ کئی بچے ہوئے، مگر سب کم سنی میں فوت ہو گئے۔ پھر ایک بچی لے کر پالی اور عبدالرشید خاں نامی ایک صاحب سے اس کی شادی کر دی۔

''تلامذۂ غالب،، کا بیان ہے کہ ۱۸۷۸ء میں ان پر جعلی سکے بنانے کا الزام لگا۔ بہت اچھے خطاط اور مصور تھے۔ غالباً اسی وجہ سے قلب سازی کی طرف مائل ہوئے۔ سو سو روپے کے نوٹ بناتے تھے۔ گرفتار یوں ہوئے کہ ایک مرتبہ بمبئی سے حیدر آباد جا رہے تھے۔ سو روپے کا نوٹ دے کر ریل کا ٹکٹ خریدا۔ سوء اتفاق سے ان کے بعد جو آدمی ٹکٹ خریدنے کے لیے آیا۔ اس کے پاس بھی سو روپے کا ایک نوٹ اسی نمبر کا تھا۔ فوراً تفتیش شروع ہوئی، گرفتاری کے بعد مقدمہ چلا اور چودہ سال قید کی سزا ہوئی۔ جیل خانے کا داروغہ ایک پارسی تھا۔ اس نے سیاح کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے مقرر کر لیا۔ ۱۸۸۷ میں وکٹوریا کی جوبلی پر قصیدہ لکھوا کر سفارش کے ساتھ اوپر بھجوایا اور رہائی کا انتظام کر دیا۔

۱۸۷۱ء میں منشی نولکشور نواب میر غلام بابا خاں کے بچوں کی تقریب ختنہ میں سورت آئے تو سیاح سے وعدہ لیا کہ وہ منشی صاحب کے ساتھ کشمیر جائیں گے۔ سیاح، سچین، بمبئی وغیرہ ٹھہرتے ہوئے کان پور پہنچے تو منشی نولکشور انتظار کر کے روانہ ہو چکے تھے، مگر اتفاق کی بات ہے کہ شدید بارشوں کے سبب راستہ خراب ہو گیا اور لوٹ آئے۔ سیاح کو لکھنئو لے گئے۔ خوب خاطر و مدارات کی۔ ایک مشاعرہ لکھنئو میں اور دوسرا کان پور میں ہوا۔ اس سفر اور مشاعروں کا حال سیاح نے ''سیر سیاح،، کے نام سے لکھ دیا تھا اور مطبع نولکشور میں یہ کتاب چھپ گئی تھی۔ اب کمیاب ہے۔ سیاح نے ایک مشاعرے میں جو طرحی غزل پڑھی تھی۔ اس کے دو شعر یہ ہیں :

نادان غلط سمجھتے ہیں توقیر زر کے ساتھ
عزت ملی بشر کو ہے علم و ہنر کے ساتھ
سیاح تا بہ سدرہ و کرسی ہے اپنی سیر
پایا نہیں یہ نام زمیں کے سفر کے ساتھ

نواب میر غلام بابا خاں کی زندگی تک انہیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ مگر ان کی وفات پر سیاح کی زندگی تنگی میں بسر ہوئی اور ایک دوست ان کی خدمت کرتے رہتے تھے۔

میرزا غالب نے اپنی کتاب ''لطائف غیبی،، سیاح ہی کے نام سے شائع کی تھی اس کی عبارت کا انداز میرزا کا ہے۔ ''سیر سیاح،، کا اسلوب بیان بالکل مختلف ہے۔ میرزا خود سیاح کو ''لطائف،، کا ایک نسخہ بھیج کر لکھتے ہیں :

یہ نسخہ میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر درست کر دیا ہے۔ باقی نسخوں کو بھی ان کے مطابق صحیح کر لو۔

۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا۔ مالک رام صاحب کا بیان ہے ، سورت میں۔ (تلامذۂ غالب ص ۱۰۷) میرزا عسکری مرحوم فرماتے ہیں کہ بمبئی میں۔ بہ ہر حال انہیں سید جمال الدین عرف خواجہ دانا کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔ مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق عمر قریباً پچاسی برس کی تھی۔ اسے درست مان لیا جائے تو بہ حساب سنین قمری ۱۲۴۰ھ یا ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۴ء) کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے ، میرزا عسکری نے عمر ستر برس بتائی ہے۔ مگر مالک رام صاحب کا بیان زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے۔

(۱)

برخوردار کامگار، سعادت نشان، منشی میاں داد خاں سیاح طال عمرہ،

درویش گوشہ نشیں، غالب حزیں کی دعاے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنئو کی ویرانی پر دل جلتا ہے مگر ، تم کو یاد رہے کہ

وہاں بعد اس فساد کے ایک کون(۱) ہوگا، یعنی راہیں وسیع ہو جائیں گی۔ بازار اچھے نکل آئیں گے۔ جو دیکھے گا وہ داد دے گا اور دلی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے، جو قلعے کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری دروازہ تک (۲) ہے، سراسر بگڑ گئی اور بگڑتی جاتی ہے۔

دیوان کا چھاپا کیسا؟ وہ شخص نا آشنا، موسوم بہ عظیم الدین(۳)، جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا، آدمی نہیں، بھوت ہے، پلید ہے، غول ہے، قصہ مختصر سخت نا معقول ہے۔ مجھ کو اس کے طور پر انطباع دیوان نا مطبوع ہے۔ اب میں اس سے دیوان مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے۔ تم بھی دعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں(۴)۔

دو شنبہ ۱۱- جون ۱۸۶۰ء غالب

(۲)

برخوردار،

تمہارا خط پہنچا۔ لکھنؤ کا کیا کہنا! وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ! وہ سرکار امیر گر تھی۔ جو بے سر و پا وہاں پہنچا، امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں!

---

(۱) یعنی بگاڑ کے بعد بناؤ کی صورت نکلے گی۔

(۲) اس سے مراد وہ بازار ہے، جو چاندنی چوک سے آگے مسجد فتح پوری کی شمالی سمت کے ساتھ ساتھ لاہوری دروازے تک جاتا ہے۔

(۳) عظیم الدین میرٹھی جسے دیوان چھاپنے کے لیے دیا تھا، پھر اس وجہ سے واپس مانگ لیا تھا کہ منشی شیو نرائن آرام نے کہا تھا، دیوان میں چھاپوں گا۔

(۴) اس خط کے انداز سے ظاہر ہے کہ یہ غالب کی طرف سے سیاح کے نام کا پہلا خط نہیں ہو سکتا۔ اور خط بھی لکھے ہوں گے جو ضائع ہو گئے۔

میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصب ناانصاف سے ہاتھ آ گیا اور میں نے نورچشم منشی شیو نرائن کو بھیج دیا۔ یقین کلی ہے کہ وہ چھاپیں گے۔ جہاں تم ہو گے، ایک نسخہ تم کو پہنچ جائے گا۔ طریقۂ سعادت مندی یہ ہے کہ ہم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ، وہاں سے خط لکھتے رہو اور اپنے مسکن کا پتا ہم پر ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی (۱)، شرمندہ بھی ہیں۔

مرقومہ شنبہ روز عید مطابق ۳۰- جون ۱۸۶۰ء

راقم اسداللہ خاں

(۳)

بھائی،

تمہاری جان اور اپنے ایمان کی قسم کہ فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانۂ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی (۲)۔ فارسی زبان میں دو چار تاریخیں ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں؟ حساب سے میرا جی

---

(۱) بظاہر، سیاح کے قیام دھلی کے زمانے کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) یہاں ذرا مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ مطبوعہ اردو دیوان میں کم از کم دو تاریخیں موجود ہیں ایک ھجری، دوسری عیسوی:

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزم طرب میں رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے تو بولا انشراح جشن جمشید

خجستہ انجمن طوے میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محظوظ

گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤں گا، حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لا دیتے، موزون میں کرتا۔ اگر آپ مادے کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے تعمیے اور تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ، ہنسی کے قابل ہو گئی ہے۔ کلکتہ میں قاضی‌القضاۃ سراج‌الدین علی خاں مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے۔ ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعاے تاریخ کی۔ میں نے لکھی۔ چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے:

مفتی عقل از پئے تاریخ ایں بنا ایما بسوے من ز رہ احترام کرد
گفتم بہ وے بدیہ ''خوشا خانۂ خدا'' شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رُفت و پاے ادب در شکنجہ ریخت ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو ''خوشا خانۂ خدا'' مادہ، پھر اس میں سے ''خاشاک'' کے عدد دور کرو، نو سو اکیس کا تخرجہ۔ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔ ''پاے ادب'' یعنی ''ب'' کو اڑایا۔ بھلا یہ بھی کوئی تاریخ ہے؟ مگر ہاں حساب کے قاعدے سے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ھ میں مرا۔ اس کی تاریخ میں نے لکھی:

ز سال واقعۂ میرزا مسیتا بیگ مآت راست شمار ائمہ امجاد
صحیفہ ہاے سماوی مبین از عشرات حدیقہ ہاے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی ''بارہ سو''، پھر کتب سماوی ''چار''، دہاکے کے چار یعنی چالیس، بہشت آٹھ، چالیس اور آٹھ اڑتالیس، بارہ سو اڑتالیس۔

دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی:

از بروج سپہر جوئی مآت عشرات از کواکب سیار

بروج بارہ، سات دھا کے ستر۔

یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا، کیوں نہیں آتا؟

جب کہ سید غلام بابا نے مسند عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر سنو:

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی
زمیں پہ ایسا تماشا ہوا برات کی رات کہ آسماں پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ بہم پہنچاؤ، تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈ دیتے تھے، وہ جنت کو سدھارے۔ جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں۔

سہ شنبہ ۱۱- محرم، ۳۱- جولائی سال حال
(۱۲۷۷ھ و ۱۸۶۰ء) غالب

(۴)

سعادت و اقبال نشان، منشی میاں داد خاں سے میں بہت شرمندہ ہوں کہ ان کے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے۔ اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا۔ اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں، اس خط کے جواب میں ہیں، جو بنارس سے آیا ہے۔

بھائی، بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے۔ ایک مثنوی میں نے اس کی تعریف میں لکھی ہے اور ''چراغ دیر'' (۱) اس کا نام رکھا ہے۔ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے، اس کو دیکھنا۔

---

(۱) یہ مثنوی کلیات نظم فارسی میں بہ اعتبار ترتیب تیسری مثنوی ہے۔ اس میں کل ایک سو چار شعر ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:
نفس با طور دمساز است امروز خموشی محشر راز است امروز

اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں۔ فتنہ و فساد(۱) کے زمانے سے بہت پہلے ان کا خط اور کچھ ان کا کلام میرے پاس آیا ہے۔ تم ان کو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنئو سے بنارس تک کے سفر کی سرگزشت لکھی ہے، اسی طرح آیندہ بھی لکھتے رہو گے۔ میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

اگر بہ دل نہ خلد ہرچہ از نظر گزرد زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسر نہیں، نہ سہی، ''ذکر ُعیش نصف العیش،، پر قناعت کی۔ میاں داد خاں سیاح کی سرگزشت سیر و سفر ہی سہی۔

غزل تمہاری رہنے دیتا ہوں، اس کے دیکھنے کی ابھی فرصت نہیں ہے۔ جیسا تم نے وعدہ کیا ہے، جب اور غزلیں بھیجوگے، ان کے ساتھ اس کو بھی دیکھ لوں گا، بلکہ احتیاط مقتضی اس کی ہے کہ ان غزلوں کے ساتھ اس کو بھی لکھ بھیجنا۔

ناتوانی زور پر ہے، بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے۔ ضعف، سستی، کاہلی، گرانجانی، گرانی - رکاب میں پاؤں ہے، باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور و دراز در پیش ہے، زاد راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر نا پرسیدہ بخش دیا تو خیر، اگر باز پرس ہوئی تو سقر مقر(۲) ہے اور ہاویہ زاویہ(۳) ہے۔ دوزخ جاوید ہے اور ہم ہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے(۴)

---

(۱) یعنی ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ جسے انگریز ''غدر،، کہتے رہے۔
(۲) سقر: دوزخ، مقر: جائے قرار۔ ٹھکانا۔
(۳) ہاویہ: دوزخ، ایک بیان کے مطابق دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ان میں سے پہلا سقر اور آخری ہاویہ ہے۔
(۴) یہ شعر شیخ ابراہیم ذوق کا ہے اور بہت عمدہ شعر ہے، اگرچہ اصل مضمون عرفی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

امید عافیت از مردن است، می ترسم
کہ مرگ دیگر و آسودگی دگر باشد

اللہ، اللہ، اللہ !

صبح دو شنبہ ۳۱- دسمبر ۱۸۶۰ء نجات کا طالب، غالب

(۵)

منشی صاحب،

تمہارے خط کے پہنچنے کی اطلاع دیتا ہوں اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں، کہہ دیجیے گا، بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجیے گا- ۱۲

بعض لوگ ''آن بان،، بولتے ہیں، مگر فقیر کے نزدیک ''آن تان،، صحیح ہے اور یہی فصیح ہے - ۱۲

''پر،، بمعنی ''لیکن،، لفظ مشہور ہے اور ''پہ،، اس کا مخفف ہے- اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو- کوئی اور لکھے یا نہ لکھے، میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا- ۱۲

مجھ کو بنگالے سے آئے بتیس تینتیس برس ہوئے- بہت احباب مر گئے، بہت متفرق ہو گئے- اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال رسائل کی رسم و راہ ہو- ۱۲

صاحب، وہ شعر جس کو تم نے پوچھا، یہ ہے :

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آ گئے ہیں، وہ دوسرے صفحے پر لکھتا ہوں :

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ ''پر،، کا مخفف ''پہ،، ہے، بمعنی لیکن -۱۲

بنارس کا کیا کہنا ہے! ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے! انتہاے جوانی

میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جواں ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا۔

عبادت خانۂ ناقوسیان است ہما نا کعبۂ ہندوستان است (۱)

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے، اس کی تدبیر فردوسی و خاقانی سے بھی نہ ہوگی۔ میں کیا کروں گا؟ نام تمہارا آسکتا ہے، لیکن الف دبتا رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب سے بھی ضرور پوچھنا۔

سہ شنبہ ۱۲- فروری ۱۸۶۱ء نجات کا طالب، غالب

(۶)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو دعا۔ صاحب وہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبائیں گے اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہوں گے۔ آدھ آنے کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں؟

''گلشن،، بعض کے نزدیک مونث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ ''قلم،،، ''دھی،،، ''خلعت،، ان کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی مونث، کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک ''دھی،، اور ''خلعت،، مذکر ہے اور قلم مشترک۔ چاہو مذکر کہو، چاہو مونث۔ ''گلشن،، البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بھائی، جہاں الف دبتا ہے، میرے کلیجے میں ایک تیر لگتا ہے۔ ''رکھتا ہے گلشن بھی،،۔ یہ الف دبتا ہوا دیکھ کر میں نے رکھتی ہے، بنا دیا، مگر ''گلشن،، مذکر مناسب ہے۔

''پھلکی،، یا ''پھلکا،، تنہا بے معنی محض ہے۔ ''ہلکی پھلکی،، یا ''ہلکا پھلکا،، یوں آئے تو درست، ورنہ لغو اور جو ''پھلکا،، پتلی چپاتی کو کہتے ہیں،

---

(۱) یہ بھی مثنوی ''چراغ دیر،، کا شعر ہے، جو بنارس کے متعلق لکھی گئی تھی۔

یہ دوسرا لغت ہے۔ ''پھلکے،، کبھی کوئی نہ بولے گا۔ ''پانی وانی،،، ''حقہ وقہ،، یوں کہیں گے۔ نرا ''وانی،، اور نرا ''وقہ،، نہ کہیں گے۔ ''هلکا پھلکا،، ، ''هلکی پھلکی،، کہیں گے سبک چیز کو۔ نرا ''پھلکا،، یا نری ''پھلکی،، نہ کہیں گے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو اور دبتے ہوئے حروف بھی ان سے پوچھ لیا کرو(۱) - ۱۲

غالب

(۷)

بھائی،

ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ(۲) کے شاگرد ہو جاؤ اور اپنا کلام ان کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو ان سے پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلی لکھنئو کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے-۱۲

ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے۔ عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے اس قاعدے کے یہ سمجھو کہ ''غربال،، (غین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور الف و لام) یہ لغت فارسی ہے، ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اس کی ''پرویزن،، (یعنی فارسی میں چھلنی کو ''غربال،، اور ''پرویزن،، کہتے ہیں) اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے۔ رہا عربال عین سعفص اور یائے تحتانی سے، فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے،

---

(۱) اس خط پر تاریخ درج نہیں ، لیکن آخر میں تذکیر و تانیث کے متعلق رجب علی بیگ سرور سے مشورہ کر لینے کا لکھا ہے ۔ اس سے سیاح نے سمجھا کہ میرزا نے سرور کا تلمذ اختیار کر لینے کے لیے کہا ہے۔ اس غلط فہمی کا علم میرزا کو ہوا تو اگلے خط میں لکھا کہ میں نے شاگرد ہونے کے لیے نہیں لکھا ، صرف مشورہ کر لینے کے لیے لکھا ہے، لہذا میں نے یہ خط (خط نمبر ۷) سے پہلے رکھا۔ سرور اس زمانے میں مہاراجا بنارس کے پاس ملازم تھے۔

(۲) رجب علی بیگ سرور مصنف فسانۂ عجائب وغیرہ۔

ھاں اگر عربی میں چھلنی کو عربال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عربال ، مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا ، عربال نہ کہتے ہوں گے۔

اب تم سنو ، فن لغت میں ایک امر ہے کہ اس کو تصحیف کہتے ہیں ، یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور نقطوں میں فرق ، جیسا کہ سعدی ''بوستان '' میں کہتا ہے :

مرا بوسه گفتا به تصحیف ده   که درویش را توشه از بوسه به

''توشه'' و ''بوسه'' و ''نوشه'' یہ تین لفظ مصحف ہمدگر ہیں ، حال آنکہ معانی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں ۔ ''توشه'' ، ترجمہ زاد کا ''بوسه'' ، ترجمہ قُبلہ کا ، ''نوشه'' اسم ''دولہ'' کا۔ صاحبان فرہنگ میں ''برہان قاطع'' والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے ، گزر اور کزر ، خربزہ اور خربزہ۔ کہتا ہے کہ ''سدا'' بہ سین سعفص لفظ فارسی ہے ، بمعنی آواز اور ''صدا'' بہ صاد تعریب ہے۔ جو لغات ''تے'' میں لکھے ہیں ، انہیں لغات کو ''طوے'' میں لکھتا ہے ، حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے طوے بھی نہیں ہے۔ مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے ، املا اس کی طوے سے غلط ہے ۔ ''برہان قاطع'' والا اس کو ''تے'' سے بھی لایا ہے اور طوے سے بھی۔ محققین جانتے ہیں کہ ''صدا'' بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے ، نہ معرب اور ''سدا'' سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے ، ہاں اردو کے محاورے میں بمعنی ''ہمیشہ'' کے مستعمل ہے قصہ کوتاہ ، غربال بمعنی چھلنی کے ، لفظ فارسی الاصل ، صحیح اور فصیح ہے اور عربال اگر کسی اور فرہنگ میں مثل ''قاموس'' اور ''صراح'' وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے تو اس کو مانو ، ورنہ یہ ''برہان قاطع'' والے کے خرافات میں سے ہے(۱) ۔

۲۷-فروری ۱۸۶۱ء   نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) ''برہان قاطع '' میں مجھے ''غربال'' یا ''عربال'' نظر نہیں آیا ، البتہ ''سدا'' (سین دال اور الف) بہ بمعنی آواز موجود ہے ۔

صاحب،

کل آپ کا خط آیا - میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میاں سیاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں بھول گئے؟ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو، میں نے نہیں پایا، ورنہ کیا امکان تھا کہ جواب نہ لکھتا - جناب منشی میر امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں، لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں - جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں، لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا - اغنیا کے واسطے اچھے ہیں - ہائے مولوی محمد حسن اور مولوی عبدالکریم! اس عہد میں اگر ان بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں اپنی قسمت کو روتا؟ وقت گزر جاتا ہے، بات رہ جاتی ہے -

ہاں، خان صاحب، آپ جو کلکتے پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق(۱) کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرے میں(۲) اس کا کیا حال ہے؟ گزارا کس طرح ہوتا ہے؟

جمعہ ۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء غالب

---

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی جو آخری دور میں ادب اور معقول کے امام مانے جاتے تھے - ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں ان پر بھی مقدمہ چلا تھا اور حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی تھی - اب ثابت ہو چکا ہے کہ مولانا بالکل بے گناہ تھے - اصل مجرم ان کا ایک ہم نام تھا، مگر اس زمانے میں انگریز جنون انتقام کے باعث تحقیق کا ملکہ بھی کھو چکے تھے - جو سامنے آ جاتا اسے پھانسی کا یا حبس دوام کا حکم سنا دیا جاتا - مولانا کے فرزند ارجمند نے بڑی کوشش سے رہائی کا حکم حاصل کیا، لیکن مولانا اس سے پیشتر واصل بحق ہو چکے تھے - انہیں انڈیمان ہی میں دفن کیا گیا -

(۲) جزیرے سے مراد انڈیمان ہے -

(۹)

صاحب،

آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق ہیں۔ جس زمانہ میں وہ دلی آئے تھے، میری ان سے ملاقاتیں ہوئی تھیں - وہ میرے دوست ہیں، شاگرد نہیں اور ہرگز قصیدہ انہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خستگی اور تہمت زدگی کا انتقام لیا۔ بہر حال میں تمہارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ ان دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ والی رام پور کا بہت سا کلام یوں ہی دھرا ہے۔ دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہیں، خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا تو یہ بھی دیکھی جائیں گی۔

جب حال یہ ہو کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں؟ اگر میرا حال درست ہوتا تو جناب مولوی عبدالغفور خاں صاحب نساخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا اور اس خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھا دیں۔

چہار شنبہ ۲۰- نومبر ۱۸۶۱ء نجات کا طالب، غالب

(۱۰)

جناب منشی صاحب،

آپ کا خط مہری لفٹنٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہوا تھا، پہنچا۔ اس کے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا۔ ایسے ایسے پچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں۔ مجھ کو تو چھ آنے کے پیسوں کا افسوس ہے، جو تم نے بابت محصول دیے۔

مرقوم ۱۰- فروری ۱۸۶۲ء راقم اسداللہ

آئیے بیٹھئیے مولانا سیاح ، السلام علیکم - مزاج مبارک - سورت کا پہنچنا به هر صورت مبارک هو - بھائی میرا دل بہت خوش هوا که تم اپنے وطن پہنچے، لیکن تم کو چین کہاں ، خدا جانے کے هفتے یا کے مہینے ٹھہرو گے اور پھر سیاحت کو نکلوگے - جی ہیں کہو گے آؤ اب دکن کی سیر کریں - حیدر آباد ، اورنگ آباد دونوں شہر اچھے هیں ، ان کو دیکھیں -

میرزا معین الدین حسین خان اور میرزا محمد حسین خاں (۱)، یہ دونوں بیٹے هیں - نواب قدرت اللہ بیگ خان کے اور قدرت اللہ بیگ خان ابن عم تھے نواب احمد بخش کے خان اور معین الدین حسین خان کی بہن منسوب هے بھائی ضیاءالدین خان سے -

یہاں کوئی امر نیا واقع نہیں هوا ، وهی حالات و اطوار هیں ، جو دیکھ گئے هو - مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاهور سے آئی تھیں ، یہاں سے ان کے جواب گئے هیں - یقین هے که واگزار کا حکم آئے اور مسلمانوں کو مل جائے - هنوز بدستور پہرا بیٹھا هوا هے اور کوئی جانے نہیں پاتا - والسلام مع الاکرام -

صبح شنبه ۲- ذیقعده و مئی معاً غالب

(۲- ذی قعده ۱۲۷۸ھ و ۲- مئی ۱۸۶۲ء)

---

(۱) میرزا معین الدین حسین خاں اور میرزا محمد حسین خاں ، نواب احمد بخش خاں کے چچیرے بھائی قدرت اللہ بیگ خاں (بن شرف الدوله قاسم جان) کے بیٹے تھے - میرزا معین الدین نے بھی ۱۸۵۷ کا ایک روزنامچه لکھا تھا جو ۱۸۷۸ء میں اس شرط کے ساتھ تھیوفلس مٹکاف کے حوالے کیا گیا تھا که میرزا کی زندگی میں اسے نه چھاپاجائے- ۳۱ جنوری ۱۸۸۵ء کو معین الدین نے حیدرآباد میں وفات پائی - اس کے بعد مٹکاف نے اس روزنامچے نیز چونی لعل کے روزنامچے کا جو انگریزی ترجمه مرتب کر دیا تھا وه ۱۸۹۸ء میں لندن سے شائع هوا - (Two Native Narratives of the Muting in Delhi) P1. اس کتاب کا اردو ترجمه خواجه حسن نظامی مرحوم نے ''غدر کی صبح و شام'' کے نام سے چھاپا تھا -

منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشان،

شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر ، مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔ اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اٹھایا۔ کیا کروں؟ ایک برس سے عوارض فساد خون میں مبتلا ہوں۔ بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو چراغاں ہو گیا ہے۔ طاقت نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اتر بیٹھتا ہوں۔ کھانا کھا کر ، ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے ، اتر کر پیشاب کیا جاتا ہے۔ بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ تشت چوکی سہی ، مگر کئی قدم جانا ، پھر آنا کیا ایسا آسان ہے۔ ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں۔ بہت جیا ، کہاں تک جیوں گا۔ (اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)۔

جناب نواب سید غلام بابا خاں صاحب کی خدمت میں سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارک باد دینا اور یہ قطعۂ تاریخ نذر کرنا :

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چار دہ   بر فراز لوح گردوں گردۂ تمثال اوست

۱۲۲۱

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب   از سر ناز و طرب ''فرزند فرخ فال،، اوست

۱۲۸۰ھ - ''ناز،، کے نون کے ''پچاس،، اور ''طرب،، کی طوے کے ''نو،، ''فرخ فال،، پر بڑھانے ہوں گے۔

پنجشنبہ ۱۶- اگست ۱۸۶۳ء   غالب

(۱۳)

صاحب،

یہ سر پیٹنے کی جگہ ہے کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا۔ سنو ، چھوٹے صاحب(۱) کا خط آیا۔ اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجزائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید کی تھی(۲)۔

---

(۱) نواب میر غلام بابا خاں۔

(۲) غالباً یہ ''لطائف غیبی،، کا معاملہ ہے۔ میرزا نے لکھا ہوگا کہ یہ کتاب چھپوا دی جائے۔ وہاں سے اطلاع آئی کہ اجزائے کتاب بھیج دیجیے۔ اس اثنا میں ''لطائف،، کی طباعت دہلی میں شروع ہو چکی تھی۔

میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس کتاب کا چھاپا یہاں ہی شروع ہو گیا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک مجلد آپ کے واسطے اور ایک منشی میاں داد خاں کے واسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا۔ اب تم نواب صاحب سے میرا سلام کہو اور یہ اپنے نام کا خط اون کو پڑھا دو اور ایک پتا تم کو دیتا ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا، اس میں مندرج تھا کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں۔ تم اجزاے کتاب کا پارسل اس پتے سے سورت بھیجنا۔ بھائی میں نے اسی پتے سے خط بھیجا تھا، نہ پہنچے تو میرا کیا گناہ۔ پیڈ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر، یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تا کہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے۔ فقط۔

صبح دو شنبہ ۱۴- ربیع الثانی مطابق ۱۷- ستمبر سال حال۔

(۱۴-ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۷- ستمبر ۱۸۶۴ء) غالب

(۱۴)

منشی صاحب،

یہ کیا اتفاق ہے کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا:

کس زبان مرا نمے فہمد
به عزیزاں چه التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں ''قاطع برہان'' کو دوبارہ چھپوانا چاہتا ہوں، نواب صاحب مدد دیں، یعنی دو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت صاحب نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ بھلا یہ میرے کس کام کی؟ چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں، پھر سوچا کہ برا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی اور خیال کیا کہ کتاب کے انطباع کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیج دوں گا۔ اسی خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا تم کو پہنچتا ہے اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کنجی نہیں آئی۔ ظاہرا، سہو سے وہیں رہ گئی ہوگی۔

ہاں صاحب ، تیس جلدیں ''لطائف غیبی'' کی دو پارسلوں میں آگے بھیجی ہیں، جس کی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچے - فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے - رسید جلد لکھو -

۳- دسمبر ۱۸۶۴ء

غالب

(۱۵)

سعادت و اقبال نشان، سیف الحق منشی میاں داد خاں سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے - خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے - مگر تیس کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی - یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے ، اس میں وہی ''لطائف غیبی'' ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے - اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے کہ تم اون تیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو اور اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے، تو اون سے مستعار لے کر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ اون کی نذر کر دو -

صاحب ، میں نے اپنے صرف زر سے ''لطائف غیبی'' کی جلدیں نہیں چھپوائیں - مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں - بیس میں نے مول لیں ، تیس تم کو دلوا دیں - بیس بھائی ضیاءالدین نے لیں ، دس مصطفیٰ خاں صاحب نے لیں - باقی کا حال مجھے معلوم نہیں -

دیکھو سیف الحق! سعدی رح کا قول کیا سچا ہے :

اگر دنیا نہ باشد ، دردمندم   و گر باشد، بہ مہرش پاے بندم
بلاے زیں جہاں آشوب تر نیست   کہ رنج خاطر است، ارھست ، ورنیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے - جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے - میں تو میر غلام بابا خاں کا دوست ہوں، ان کی فتح کی دعا مانگتا ہوں - آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں، وہ مجھ کو لکھا کریں -

غربیلہ کی ہندی ''نخرہ،، ہے ، فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

پنجم شعبان ۱۲۸۱ھ

(مطابق ۳- جنوری ۱۸۶۵ء) نجات کا طالب، غالب

(۱۶)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، سیف‌الحق میاں داد خاں سلمکم اللہ تعالیٰ !

فقیر کی طرف سے دعا و سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب (۱) کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خاں سے کہا گیا تھا کہ تم تصویر کے پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اسے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا، لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر، دیدار تو میسر ہوا، گفتار بھی اگر خدا چاہے گا تو سن لیں گے۔

دیکھو منشی صاحب آئینے کی تصویر(۲) کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں، مگر فقیر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے، آگے پہنچے اور نیچے کا پتا نہیں۔ مکالمہ ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی۔ اس وقت جداگانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہنا، بلکہ یہ خط اون کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں۔ میں سادات کا نیازمند اور علی رضؑ کا غلام ہوں :

بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

۱۷- ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ نجات کا طالب، غالب

(مطابق ۱۳- اپریل ۱۸۶۵ء)

---

(۱) نواب میر غلام بابا خاں۔ (۲) فوٹو۔

صاحب،

مہربانی نامہ کہ گویا الفاظ اس کے سراسر نواب میر غلام بابا خاں صاحب کی زبانی تھے، پہنچا ۔ جواب لکھتا ہوں اور پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں ۔ ایک قرن بارہ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی رام پور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے ۔ اس مغفور کی اندازہ دانی دیکھیے کہ مجھ سے کبھی اس روپے کی رسید نہیں لی ۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے ، میں خط کا جواب لکھ بھیجتا ۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو ، کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہتے ۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود ۔ انگریزی پنسن مسدود ۔ یہ بزرگوار (۱) وجہ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گہ گہ بھیجتا رہا ۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی ۔ رئیس حال کو خدا بدولت و اقبال ابداً موبداً سلامت رکھے ۔ وجہ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے بحسب دستور قدیم بھیجے جاتا ہے ۔ فتوح کی رسم دیکھیے جاری رہے یا نہیں ۔

میرے پاس روپیہ کہاں جو ''قاطع برہان،، کو دوبارہ چھپواؤں ؟ پہلے بھی نواب مغفور نے دو سو روپے بھیج دیے تھے، تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا ۔ اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ دو سو پہنچیں گے، وہ آخر اپریل ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے ۔ اپریل کا روپیہ رئیس حال سے میں نے پایا ، مصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا ۔ یاد دلاؤں گا ، مگر اس مرحوم کا وعدہ سرشتۂ دفتر سے نہ تھا ، جو از روے دفتر اس کی تصدیق ہو ۔ بہ ہر حال فکر میں ہوں ، اگر اسباب نے مساعدت کی فہوالمراد، ورنہ :

---

(۱) نواب کلب علی خاں والی رام پور ۔

آنچه مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

منشی صاحب ، اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں ۔

نجات کا طالب، غالب

۳۰- جولائی ۱۸۶۵ء

(۱۸)

منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشان ، منشی میاں داد خاں سیاح ، سیف‌الحق سلمکم اللہ تعالیٰ !

دعا اور سلام اور شکر اور سپاس ۔ تمہارا خط مرقومہ ۳۰- اگست پرسوں بروز جمعہ ۸- ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا ۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے مندرجہ اس کے ایک صراف سے وصول ہو گئے (۱) - چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی ۔ اس صرف میں میرا کام ہوا اور ان کا نام ہوا ۔ اللہ اللہ ! اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ میں نے ان کو دیکھا ، نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا ، نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت ، نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور ۔ خیر، فقیر ہوں جب تک جیوں گا دعا دوں گا ، تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہوں گا ۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا ۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آ جائے تو اس کا انطباع شروع ہو جائے ۔ تم نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو اور عرض کرو کہ آج تک کسی بھائی یا کسی دوست کا روپے پیسے کا احسان مند نہیں ہوا تھا ۔ اب احسان بھی اٹھایا تو اپنے آقا علی‌المرتضیٰ رضی‌اللہ عنہ کے فرزند کا ۔

وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملاے مکتب دار کا خبط ہے ، رحیم بیگ اس کا نام ، میرٹھ کا رہنے والا ، کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے ۔ باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے۔ اس کی تحریر میں نے دیکھی ، تم کو بھیجوں گا (۲) ۔ مگر ایک بڑے مزے

---

(۱) یہ وہی رقم ہے جو نواب میر غلام بابا خاں نے ''قاطع برہان ،، کی طباعت ثانیہ کے لیے بہ طور امداد بھیجی تھی۔

(۲) ''ساطع برہان،، جو میرزا رحیم بیگ نے ''قاطع برہان ،، کے رد میں لکھی تھی۔

کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں، جن کو ''لطائف غیبی،، میں رد کر چکے ہو۔ بہ ہر حال اس کے جواب کی فکر نہ کرنا۔ فقط والسلام والاکرام۔

دو شنبہ ۱۱- ستمبر ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

(۱۹)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میاں داد خاں تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحہ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں تا کہ تم اپنے خط کے پہنچنے سے اطلاع پاؤ۔ ''نامۂ غالب،، صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپی، جو میں مول لے کر بھیجوں اور تم سے اس کی قیمت مانگ لوں۔ میں نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں۔ دور و نزدیک بانٹ دیں۔ آج یکشنبہ ہے، پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے یہ نسخے اب میرے پاس باقی ہیں، کل تمہیں بھیج دوں گا۔

ہاں صاحب، سو روپے کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی آج(۱) شروع ہو گئی ہے۔ جس دن نوٹ پہنچا، اس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہارے رجسٹری دار خط کا جواب لکھ بھیجا۔ یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھا دیا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے، اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور، سچ کہتے ہو رحیم بیگ کا وطن اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا، نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

یک شنبہ ۱۷- ستمبر ۱۸۶۵ء راقم : غالب علی شاہ

---

(۱) ''قاطع برہان،، کی طبع ثانی کے لیے کتابت شروع ہو گئی۔

(۲۰)

صاحب،

میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے اور عزیزان وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے اور مع الخیر والعافیہ اپنے محسن و مربی کی خدمت میں پھر آ پہنچے - نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا اور کہنا کہ اس خط میں سلام صرف وفور اشتیاق سے لکھا ہے۔ محبت نامہ جداگانہ بھیجوں گا۔

ابھی ہاں میاں سیف الحق ، رام پور سے آ کر تین سو جلدیں ''درفش کاویانی،،(۱) کی تیار پائیں - نواب میر غلام بابا خاں صاحب سے حصہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا پشتارہ بنوایا، اس پر ٹاٹ لپٹوایا ، ڈاک گھر بھجوایا، مسترد آیا۔ سرکاری 'ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے ، پمفلٹ پاکٹ والے ، ریل والے، متفق اللفظ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں - تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں ، وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں پہنچ جائے اس خط کا جواب جس قدر جلد لکھو گے ، مجھ پر زیادہ احسان کرو گے -

سہ شنبہ ۲۳- جنوری ۱۸۶۶ء

نجات کا طالب، غالب

(۲۱)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان ، سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر اسداللہ کا سلام - کل سہ شنبہ ۲۰- فروری صبح کے وقت چھ پارسل چھتیس ''درفش کاویانی،، کے، نواب میر غلام بابا کی خدمت میں ارسال کیے - کل ہی شام کے وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا - خیر، اب اور نہ بھیجوں گا -

---

(۱) قاطع برہان طبع ثانی کا دوسرا نام -

صاحب ، یہ تم نے پانچ روپے کے ٹکٹ کیوں بھیجے ؟ میں نہ کتاب فروش ۔ نہ دلال ۔ یہ حرکت مجھے پسند نہ آئی اور تم نے برا کیا ۔ حضرت، سولہ جلدیں ''لطائف غیبی،، کی بھیج کر ، اس کے پان سات دن کے بعد بیس ''نامۂ غالب،، کا پارسل ارسال کیا ہے ۔ ''لطائف،، کی رسید تم نے بھیج دی، یقین ہے کہ ''نامۂ غالب،، کا پارسل بھی پہنچ جائے گا، گھبراؤ نہیں ۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور اشتیاق ملاقات عرض کرنا ۔

۲۱- فروری ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۲)

خان صاحب، سعادت و اقبال نشان، میاں داد خاں سیاح کو فقیر گوشہ نشیں کا سلام پہنچے ۔ تمہارا کوئی خط ، سوائے اوس خط کے جس کا جواب لکھتا ہوں، ہر گز نہیں پہنچا ۔ بہت دن سے مجھ کو خیال تھا کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا ۔ کل ناگاہ تمہارا خط پہنچا ، آج اوس کا جواب لکھتا ہوں ۔

مہر میں تو کھودنے کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو ، کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت؟ میں احباب کا خادم ہوں ۔ میر غلام بابا خاں سے میرا سلام کہیے اور وہ نگین مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجیے ۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اوس نگین کی درستی ہو جائے گی ۔ خاطر جمع رہے ۔ زیادہ کیا لکھوں ؟

اجی سیاح صاحب ، ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے ۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو ۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ اگر میر غلام بابا خاں صاحب کو مہر کھدوانی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے ۔ یہ تمہارا خط گویا میر غلام بابا خاں کے حسب الحکم تھا ۔ جی میں آیا تھا کہ انہیں کو اس کا جواب لکھوں اور اون کے نام کا خط بھیجوں، مگر پھر سوچا کہ تم آزردہ ہو جاؤ گے ، تمہیں کو خط لکھا ، بھائی یہ

طریقه فراموش کاری کا اچھا نہیں - گاہ گاہ خط لکھا کرو - والسلام

یکم مارچ ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۳)

اقبال نشان، سیف الحق کو دعا پہنچے - پانچ اشتہار اخبار کی خریداری اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچتے ہیں - چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروائیے اور اطراف و جوانب ، دور و نزدیک بھیجیے - جو صاحب کتاب و اخبار دونوں کے خریدار ہوں ، وہ اس کے خریدنے کی اطلاع کا خط میر فخرالدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں - جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں -

۲۲- مارچ ۱۸۶۶ء غالب

(۲۴)

مولانا سیف الحق،

اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا - بھلا یہ تو فرمائیے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں ؟ اگلے پانچ روپے پر میں بے مزہ ہوا تھا، یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے - بہ ہر حال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں اور کاہے کے ہیں ؟ اس رقعے کا جواب جلد لکھو - ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائیں گی -

۲۳- اپریل ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب، غالب

(۲۵)

صاحب،

میرا سلام - تمہارا خط پہنچا - دونوں غزلیں دیکھیں - خوش ہوا - فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں اور فن شعر میں اگر اس شیوے کی رعایت کی جائے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے - یاد کرو، کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی

نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو، خصوصاً روزمرہ اردو میں۔ دونوں غزلیں لفظاً اور معنیً بے عیب ہیں، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفرین اور صد ہزار آفرین۔

میر غلام بابا صاحب واقعی ایسے ہی ہیں، جیسا تم لکھتے ہو۔ سیاحت میں دس ہزار شخص تمہاری نظر سے گزرا ہوگا، اس گروہ کثیر میں جو تم ایک آدمی کے مداح ہو، تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے۔ لاریب فیہ۔ کیا فرمایش کروں اور کیا تم سے منگاؤں؟ وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں، انگور سے کم عزیز نہیں لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت؟ مالدے کا آم یہاں پیوندی اور ولایتی کر کے مشہور ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دلی آم بھیجنے محض تکلف ہے۔ روپے کے آم اور چار روپے محصول ڈاک اور پھر سو سے شاید دس پہنچیں۔ میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا۔ یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ، لذیذ اور خوشبو(۱) افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رام پور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔ اے لو! آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دوست(۲) کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکرے، ہر ٹوکرے، میں سو آم۔ کالو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے، دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے۔ اوائل جون ماہ حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل رہی ہے۔

۱۷- جون ۱۸۶۶ء

---

(۱) یعنی سونگھا جائے تو اچھی خوشبو آئے۔

(۲) قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی۔

(۲۶)

بھائی سیف الحق، تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب بڑودہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پر اون کے عتاب کی پاتا تو اون سے غدر کرتا اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں تو میں کیا کروں؟ تم برا نہ مانو، اس واسطے کہ اگر میں برا ہوں، تو اوس نے سچ کہا اور اگر میں اچھا ہوں اور اوس نے برا کہا تو اوس کو خدا کے حوالے کرو:

غالب برا نہ مان جو دشمن برا کہیں
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب، اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کہاں کھچا کھچا پھروں؟ گوشہ نشین آدمی، عکس کی تصویر اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں؟ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھچی ہوئی ہے، اگر ہاتھ آ جائے گی تو وہ ورق بھیج دوں گا۔

اجی، وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی، دوستانہ اختلاط تھا۔ بھئی میں بہرا ہوں، گانا کیا سنوں گا؟ بوڑھا ہوں، ناچ کیا دیکھوں گا؟ غذا چھہ ماشے آٹا، کھانا کیا کھاؤں گا؟ بمبئی، سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں اگر وہاں آتا اور شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔

۵- ستمبر ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۷)

صاحب،

میں تم سے شرمندہ (ہوں)۔ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا۔ میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا۔ اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہر چند ڈھونڈا، نہ پایا۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس قدر مجھ کو

یاد ہے کہ اوسی وقت میں نے اون اشعار کو سراسر دیکھ لیا تھا۔ اشعار سب ہموار تھے۔ تم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نذر گزرانو اور مع الخیر وطن کو جاؤ، لیکن بھائی وطن پہنچ کر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے گھر کا پتا لکھنا تاکہ میں اوس نشان سے تم کو خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خاں صاحب کو فقیر کی طرف سے سلام کہنا۔ فقط۔

اسد

صبح سہ شنبہ ۱۸- نومبر ۱۸۶۶ء

(۲۸)

منشی صاحب،

وہی جہان، وہی زمین، وہی آسمان، وہی سورت، وہی دلی، وہی نواب میر غلام بابا خاں، وہی سیف الحق سیاح، وہی غالب نیم جان۔ انگریزی ڈاک جاری، ہرکاروں کو ریل کی سواری۔ ربیع الاول میں تمہارا خط آیا۔ ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، آج شعبان کی ۲۶ ہے۔ صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آٹھ بج گئے ہیں۔ اس وقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا، نہ کوئی نواب صاحب کا عنایت نامہ۔ واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں، خدا کرے پارسل پہنچ جائے۔ اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا اور عتاب کی وجہ دریافت کر کے لکھنا۔ خط بیرنگ ہے اور پارسل پیڈ۔

۳- جنوری ۱۸۶۷ء نجات کا طالب، غالب

(۲۹)

منشی صاحب شفیق، بہ دل مہربان، عزیز تر از جان، سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ پرسوں نواب صاحب کا خط آیا۔ صاحب ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے "لطائف غیبی" کی

پندرہ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیج کر منگوائیں، پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیج کر ٹوپیاں منگوائیں میں نے تمہارے بھیجے ہوئے روپوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیج دیں۔ چاہے تم پہنو، چاہے چھوٹے صاحب کی نذر کرو۔

تمہیں جو میں نے ''سیف الحق،، خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو، تم میرے بازو ہو، میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ ''لطائف غیبی،، نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں۔

ایک نئی بات سنو۔ محمد میرزا خان میرے سببی بھائی کا نواسہ ہے۔ اوس نے ایک اخبار نکالا ہے مسمیٰ بہ ''اشرف الاخبار،،۔ اوس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں۔ اوس کو پڑھ کر معلوم کر لوگے کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے۔ اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے(۱)۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گزر جائے اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جائے اور تم اون کی طرف سے حکم خریداری ابتداً جنوری ۱۸۶۷ء سے بنام محمد میرزا خان لکھو اور وہ خط اس پتے سے دلی روانہ کرو، جو اون کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔

حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انہوں نے مجھے شرمندہ کیا۔ اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں۔ میں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل، علیل، فقیر، حقیر آدمی ہوں۔ یہ اون کی بزرگی، اون کی خوبی، اون کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ اون کو سلامت رکھے اور

---

(۱) گویا میرزا غالب نے خود ہی اعتراض لکھ کر سیاح کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

ان مقدمات میں من کل الوجوہ اون کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔

ہاں صاحب، برادر بجان برابر میرزا معین الدین حسین خاں بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی، میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ پہلے برخوردار شہاب الدین خاں صاحب سے پوچھو، (۱) وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرتے چلے آؤ۔ فقط

سہ شنبہ ۷۔ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۶۷ء

دیدار کا طالب، غالب

(۳۰)

بھائی،

تم جیتے رہو اور مراتب علیا کو پہنچو۔ لو ایک ہنسی کی بات سنو۔ تمہارا خط منشی کنہیا لال کے نام کا میرے پاس آیا۔ ہر چند میں نے خیال کیا، اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی ان کی کہ مجھ سے کہہ نہ دیا کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیج دینا۔ بے خبری میں جو خط آیا، میں نہ نام سے واقف، نہ مقام

---

(۱) میرزا معین الدین حسین خاں حیدرآباد میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ معلوم نہیں اس عبارت سے مقصود یہ تھا کہ انہیں خط لکھا جائے یا یہ کہ وہ بمبئی یا اور کسی قریبی مقام پر آ گئے تھے۔ میرزا شہاب الدین ثاقب کے پوچھنے کا ایک پہلو یہ ہے کہ میرزا معین الدین حسین اور شہاب الدین کے درمیان ماموں بھانجے کا رشتہ تھا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرزا معین الدین حسین خاں کچھ مدت تک ۱۸۵۷ء کی سرگرمیوں کے باعث روپوشی پر مجبور ہو گئے تھے۔ شاید میرزا غالب کو خیال ہو کہ ان کے آ جانے پر باز پرس کا کوئی اندیشہ شاید ہوگا اور اس معاملے سے میرزا شہاب الدین جس درجے میں آگاہ ہو سکتے تھے، میرزا غالب نہیں ہو سکتے تھے۔

سے واقف، خط نہ پھیر دوں تو کیا کروں؟ خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ(۱) بھائی میرزا محمد حسین خاں(۲) کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں کیا خوب بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔ انصاف کرو، دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات۔ میں نسیان کا پتلا، میرا قصور کیا؟ بہ ہر حال یہ شریف ہیں اور عمدہ روزگار کیے ہوئے ہیں۔

صاحب، میں نے ''اودھ اخبار،، میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتنے اور بمبئی کے صاحبوں میں ان کی افزایش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا، مگر رشک آتا ہے کہ بحوالہ ''اودھ اخبار،، لکھوں اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں۔ زیادہ۔ زیادہ۔

۳۱- مارچ ۱۸۶۷ء اسداللہ غالب

(۳۱)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، عزیز تر از جان سیف الحق، میاں داد خاں سیاح کو غالب کی دعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا ایک چھوٹے صاحب کا پہنچا۔ پچاس پچاس روپے کے نوٹ دو پہنچے، سو (۱۰۰) روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کا شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔

بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکما ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ ازاں جملہ

---

(۱) منشی کنہیا لال۔

(۲) بن میرزا قدرت بیگ خاں یعنی میرزا معین الدین حسین خاں کے چھوٹے بھائی۔

تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں : میر ابراہیم علی خاں صاحب ، میر عالم علی خاں صاحب ، نواب عباس علی خاں، رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں - غرضکہ انہیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں - جس دن ذرا افاقت پاؤں گا تو ان سب کواغذ کو دیکھوں گا-

۲۳- اپریل ۱۸۶۷ء

(۳۲)

بھائی،

تمہارا خط پہنچا، آج جواب لکھتا ہوں- پہلے یہ پوچھتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتذار چھپا ہے، وہ تمہاری نظر سے گزرا ہے یا نہیں؟(۱) نہ گزرا ہو، تو ''اکمل الاخبار،، ماہ شوال کے چاروں ہفتے کے دو ورقے دیکھ لو ، ایک ہفتے میں نکل آئے گا ۱۲

واقعی اعتراض کے جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں- اس ہفتے کے ''اکمل الاخبار،، میں دیکھ لو جو تم سے کلام کرے ، اسی انداز سے تم بھی کلام کرو(۲)-

۲۹- اپریل ۱۸۶۷ء نجات کا طالب، غالب

(۳۳)

منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق ، منشی میاں داد خاں سیاح کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے- بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا- آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا، اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا- جب حال یہ ہے تو کہو صاحب، میں اشعار کو اصلاح کیوں کر دوں؟ اور پھر اس موسم میں کہ گرمی میں سر کا بھیجا پگھلا جاتا ہے- دھوپ کو دیکھنے کی تاب

---

(۱) اصلاح شعر اور جواب خطوط سے عذرخواہی کا اعلان (دیکھیے خط ۳۴)-
(۲) قتیل کے کلام پر جو اعتراض ''اشرف الاخبار،، میں سیاح کے نام سے چھاپا تھا- اس کا جواب ، پھر جواب الجواب-

نہیں۔ رات کو صحن میں سوتا ہوں، صبح کو دو آدمی ہاتھوں میں لے کر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری، اس میں ڈال دیتے ہیں تمام دن اس گوشۂ تاریک میں پڑا رہتا ہوں۔ شام کو پھر دو آدمی بدستور لے جا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔ تمہاری غزلیں، میر ابراہیم علی خاں بہادر کی غزلیں، میر عالم علی خان بہادر کی غزلیں، حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں، یہ سب ایک جگہ دھری ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گزر گئی تو سب غزلوں کو دیکھ لوں گا۔

تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصور صاحب میرے دوست، میرے چہرے کی تصویر اتار کر لے گئے۔ اس کو تین مہینے ہوئے، آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کیا آئینے پر نقشہ اتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو۔ وعدہ کیا تھا کہ کل نہیں تو پرسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، یہ پانچواں مہینا ہے، آج تک نہیں آئے۔

غلام حسین خاں صاحب کا قطعہ پہنچا۔ اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے، اب اصلاح دے کون؟ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار۔ بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا۔ اس کو موقع محل بتا دیا۔ جو میں کہتا گیا، اسی طرح وہ بناتا گیا۔ وہ قطعے کا کاغذ بعد اصلاح کے ''اکمل المطابع'' میں بھیج دیا۔ ہفتہ آیندہ میں تم بھی دیکھ لو گے۔

۱۱ جون ۱۸۶۷ء مرگ ناگاہ کا طالب، غالب

(۳۴)

نور چشم، اقبال نشان، سیف الحق، میاں داد خاں سیاح کو غالب

نیم جان کی دعا پہنچے۔ واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں۔ آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا، اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ، آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آ جاتا ہے تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔

بھائی، میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں؟ ہاں، ''اکمل الاخبار،، اور ''اشرف الاخبار،، والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہے ہیں، سو ان کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے۔ اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا، اپاہج، پورا بہرا، آدھا اندھا، دن رات پڑا رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت، چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے۔ سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سرعت بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے۔

تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا، شہر سے چلا گیا۔ ایک انگریز ہے، وہ کھینچتا ہے۔ مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں، پالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹے کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں۔ اب تم از راہ مہربانی میر ابراہیم علی خاں بہادر اور حکیم سید احمد حسن صاحب کو اور جب بمبئی سے واپس آ جائیں، نواب غلام بابا خاں کو یہ خط پڑھوا دینا۔

تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور مر جانا معلوم ہو کر بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ اکتہر برس کی عمر تک سات بچے پیدا ہوئے۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے

سے زیادہ نہ ہوئی - تم ابھی جوان ہو ، حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم‌البدل دے ، والسلام

۲۵- اگست ۱۸۶۷ء غالب

(۳۵)

صاحب ،

تمہارے خط کے پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی - ٹوپیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ آئیں لیکن ضائع نہ گئیں - میرے شفیق اور تمہارے مربی کے صرف میں آئیں - تم کو اور ٹوپیاں بھیجوں گا -

مصور سے سخت عاجز ہوں - وعدہ ہی وعدہ ہے ، وفا کا نام نہیں

کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے خط کے پہنچنے سے دو دن پہلے میر فخرالدین نے ارسال کر دیا - ٹکٹ ان کے حوالے کر دیے -

حضرت ! بہتان لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو ؟ میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے - نواب(۲) صاحب کو کہنا کہ ٹوپیوں کو میرا ارمغان سمجھنا - سیف‌الحق کی نذر تصور نہ کرنا -

۲۵- جنوری ۱۸۶۸ء نجات کا طالب، غالب

---

(۱) یعنی نواب میر غلام بابا خاں- (۲) مراد نواب میر غلام‌بابا خاں ہی ہیں-

میر حبیب اللہ ذکا

حبیب اللہ نام ، ذکا تخلص ، نیلور (مدراس) وطن تھا ۔ وہیں ۱۲۴۴ھ ۔ ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام حافظ محمد میراں اور دادا کا نام حافظ محمد علی تھا ۔

آپ کے اجداد بیجا پور سے نقل مکان کر کے نیلور میں مقیم ہوئے تھے ۔ علم و فضل اس خاندان کا امتیازی نشان تھا ۔ منشی حبیب اللہ پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ۔ ابتدائی تعلیم بڑے بھائی منشی رحمت اللہ رسا سے حاصل کی ، جو راجہ کٹ گری کے دیوان تھے ۔ پھر مدراس جا کر عربی و فارسی کی متداولہ کتابیں پڑھیں ۔ تعلیم نے طبعی جوہروں کو چمکا دیا ۔ شعر و ادب کی محفلوں میں بڑا نام پیدا کر لیا ، اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر اور ادیب تھے ۔ انشأ فارسی میں خاص مہارت حاصل کر لی اور مدراس کے حلقوں میں بے مثل منشی سمجھے جاتے تھے ۔

اس زمانے میں مدراس کے دو سید فارسی شاعری کے استاد مانے جاتے تھے : ایک سید محمد مہدی ثاقب ، دوسرے سید محمد مرتضیٰ بینش ۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے ۔ ان کے جد اعلیٰ مشہد سے ہندوستان آئے اور گلبرگہ میں مقیم ہوئے ۔ ان کے ایک پوتے خواجہ محمد گیسو دراز رحؒ کے خالو تھے ۔ پھر اس خاندان کا ایک فرد ارکاٹ میں متوطن ہوا ۔ اس کی اولاد میں سے ایک صاحب سید ابراہیم نام مدراس چلے گئے ۔ ثاقب اور بینش انہیں سید ابراہیم کے پوتے تھے ۔ ذکا ابتدا میں انہیں سے اصلاح لیتے رہے ۔

کچھ مدت اس حالت میں گزری تو ذکا کو غالب سے غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی۔ واقف حال اصحاب کا بیان ہے کہ عقیدت دیوانگی کی حد تک جا پہنچی تھی اور ذکا ہر وقت اس کوشش میں رہنے لگے کہ غالب سے ملیں۔ ثاقب وقتاً فوقتاً حیدر آباد آتے تھے اور یہاں ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوتے تھے۔ ذکا کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ پہلے حیدرآباد پہنچنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر غالب سے ملنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکل آئے گی۔ چنانچہ وہ اپنے اقربا کو خبر کیے بغیر گھر سے نکلے اور پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے حیدرآباد پہنچے گئے۔

حیدرآباد میں ایک صاحب مولوی عبدالوہاب نواب مختارالملک سر سالار جنگ اول مرحوم و مغفور کی ڈیوڑھی میں میز خانے کے مہتمم تھے ان سے ذکا کی جان پہچان تھی۔ ذکا انہیں کے ہاں مقیم ہو گئے اور انہیں کی سفارش پر نواب مختار الملک نے ذکا کو صدر محاسبی کے دفتر میں میر منشی کی خدمت عطا کر دی تھی۔ پھر اپنی جاگیر میں ایک اچھی ملازمت دے دی۔ باالاخر، علاقہ دیوانی میں دوم تعلقداری (جو ہمارے ہاں ای، اے، سی، کے برابر ہے) پر مامور ہو گئے۔

حیدر آباد پہنچنے کے بعد غالب کے ساتھ مکاتبت کا سلسلہ جاری ہوا اور میرزا کے خطوں سے ظاہر ہے کہ وہ ذکا کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ شعرا کے ایک قلمی تذکرہ سے معلوم ہوا کہ غالب کی شاگردی کے بعد ذکا نے اپنا پہلا کلام ضائع کر دیا تھا۔ پھر جب تک جیتے رہے غالب ہی کے انداز میں شعر کہتے رہے۔

ھجو و مزاح میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کی ھجویں اور مزاحیہ نظمیں موجود ھیں۔

۱۲۷۲ھ (۵۶-۱۸۵۵ء) میں حیدرآباد آئے، تو اٹھائیس برس کی عمر تھی۔ انیس برس ملازم رھنے کے بعد ۱۲۹۱ھ/(۱۸۷۴ء) میں فالج

سے وفات پائی - صرف سینتالیس برس کی عمر تھی - چنچل گوڑہ میں دفن ہوئے -

ذکا نے دو شادیاں کیں : پہلی بیوی کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ، دوسری کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا - بڑے بیٹے کا نام محمد میراں تھا - غالب کے خطوں میں ان کا ذکر ہے - یہ بھی فارسی کے شاعر تھے اور سہا تخلص کرتے تھے - صدر محاسبی سرکار عالی میں انہیں منتظم کا عہدہ حاصل تھا - ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں -

۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں محمد میراں نے ذکا کا متفرق فارسی اور اردو کلام نظم و نثر ''خاش خاش،، کے نام سے چھاپ دیا تھا - اب یہ بالکل کمیاب ہے - میرے پاس اس کا ایک ناقص نسخہ ہے - جس کا کاغذ اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ ورق گردانی کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا -

دوسرے صاحبزادے محمد اسداللہ صاحب بھی صدر محاسبی میں منتظم رہے - ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (اکتوبر ۱۹۲۴ء) میں بعارضہ طاعون فوت ہوئے -

---

(۱)

صبح سہ شنبہ ۱۳- صفر سال غفر (۱۲۸۰ھ) صاحب ، میں تم کو اخوان‌الصفا میں گنتا ہوں - اپنا نور نظر و لخت جگر جانتا ہوں - دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں۱۲

قصیدہ و غزل میں صلہ و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے، نہ

به اندازۂ ارزش کلام (۱) - ۱۲ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیا(۲) کو نہ مذاق شعر سے نسبت، نہ مطالعۂ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدر (ہمت ؟) سلسلہ جنبانی کی، لیکن مرجع (۳) نے نہ قدردانی کی۔ ۱۲

مولوی غلام غوث خاں بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص خاص الاخلاص ہیں، ہرگز ان کو مدعی(۴) سے تلمذ نہیں۔ البتہ اس کو خوشگوار جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور ''قاطع برہان،، کا جواب لکھیں:

باطل است آنچہ مدعی گوید

مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر(۵) جیسا محتسب اور مولوی جامی(۶) جیسا مفتی

---

(۱) قصیدہ ہو یا غزل، ان میں صلہ و تحسین کا معاملہ، نصیبے اور قسمت کی یاوری پر موقوف ہے، کلام کی حیثیت و قیمت پر نہیں، جس حد تک میرزا کے عام حالات کا تعلق ہے، ان کا یہ تجربہ بالکل درست تھا۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (۲) ارباب دولت و ثروت۔

(۳) محل رجوع یعنی ممدوح۔ ظاہر ہے کہ یہ مختارالملک سالار جنگ اول کا ذکر ہے، جن کی مدح میں میرزا نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ بھیجا تھا۔ (کلیات نظم فارسی قصیدہ ۶۳) (۴) مدعی سے بظاہر اشارہ مولانا غلام امام شہید کی طرف ہے، جو اس وقت حیدر آباد میں تھے۔

(۵) نظام الدین علی شیر نوائی ہرات کے مغل بادشاہ سلطان حسین بایقرا کا ہم مکتب تھا۔ جب سلطان حسین تخت نشین ہوا تو شیر نوائی کو مصاحب بنا لیا۔ اس کی سرپرستی میں ہرات علم و ہنر کا مرکز بن گیا۔ نوائی خود ترکی اور فارسی کا خوش ذوق شاعر تھا۔ دونوں زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں۔ '' مجالس النفائس،، کے نام سے شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا، جو چھپ گیا ہے۔ مولانا جامی اسی کے دربار سے وابستہ رہے۔

(۶) علم، شعر اور تصوف میں مولانا جامی کا درجۂ بلند کسی شرح کا محتاج نہیں۔ تصانیف شعری کے علاوہ متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں، ۸۱۷ھ-۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے ۸۹۸ھ-۱۴۹۳ء میں وفات پائی۔

کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے ؟ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور اور سخندان ہو اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو ممیز (۱) ہو سکیں گے :

عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب

خالصاً للہ ، فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے ، یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے ۔ اس کو کون مسلم رکھے گا ؟ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے ، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے ۔ آفتاب و ساغر میں تدویر (۲) وجہ شبہ ہے ، شراب اور فلک میں وجہ شبہ کہاں ؟ ۱۲

میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں ۔ قدردانی کیوں کر کہوں ، قدر افزائی کرتے ہو ۔ دوستانہ ، نہ استادانہ ، جو خیال میں آئے گا کہا جائے گا ۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح (۳) کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے ، ما کتب فیہ شہرت نہ پایا کرے (۴) ۔ مجموعہ کلام سابق بھیج دو گے ، میں بکمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا ۔ استجازت (۵) کیا ضرور ؟ ۱۲

۱۳- صفر (۱۲۸۰ھ مطابق ۳۰- جولائی ۱۸۶۳ء) نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) میم اول مضموم و میم ثانی مفتوح اور یائے مشدد ۔ یائے مکسور ۔ تمیز کنندہ ۔ خوب و زشت کا پرکھنے والا ۔

(۲) گولائی ۔ (۳) اصلاح لینا ۔

(۴) یعنی جب تک اشعار بعد اصلاح میرے پاس سے واپس نہ پہنچیں ، انہیں کہیں چھاپا یا کسی اور ذریعے سے شائع نہ کیا جائے ۔ مقصود یہ تھا کہ اگر اتفاقیہ شاگرد سے غلطی ہو جائے تو اس کا الزام استاد پر لگے گا ۔

(۵) اجازت طلب کرنا ۔

(۲)

حضرت مولوی صاحب ،

میں برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں - اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود - پھوڑوں سے بدن لالہ زار، پوست سے ہڈیاں نمودار - پھوڑے ایسے ، جیسے انگارے سلگتے ہیں - اعضاء پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں - ضعف و ناتوانی علاوہ ، سوز غم ہائے نہانی علاوہ - صنعت سہل ممتنع میں ، میں نے نواب مختار الملک (۱) کو قصیدہ (۲) بھیجا ، کچھ قدردانی نہ فرمائی -

رد فرقہ وہابیہ میں ایک مثنوی (۳) جو سابق میں لکھی تھی ، وہ محی الدولہ کو (۴) بھیجی ، رسید بھی نہ آئی - اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید (۵) ، شاگرد قتیل وہاں کوس ''انا و لا غیری'' بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں - ایک کم ستر برس کی عمر میری ہوئی - سوائے شہرت خشک کے فن کا کچھ پھل نہ پایا - ''احسنت'' و ''مرحبا'' کا شور سامعہ فرسا ہوا - خیر ، ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا - مختارالملک نے

---

(۱) حیدر آباد کے امیر اور شہرۂ آفاق وزیر اعظم - ۸- فروری ۱۸۸۳ء کو ہیضے سے انتقال کیا -

(۲) وہی قصیدہ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اس میں اپنی کیفیت کس درد انگیز انداز میں پیش کی :

کس نیست متاع را خریدار | با آنکہ بہا گراں نہ گویم
زاں رو کہ خردوران گیتی | رنجند چو قدر داں نہ گویم
ناچار متاع عرضہ دارم | بے رونقی دکاں نہ گویم

(۳) کلیات نظم فارسی کی چھٹی مثنوی -

(۴) حیدر آباد کا ایک بڑا امیر -

(۵) ان کے حالات دوسری جگہ لکھے جا چکے ہیں -

یہ بھی نہ کیا ، نہ مدح کی داد دی ، نہ مدح کا صلہ دیا ۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے ! محی‌الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا ، مگر یہ کہ خدا سمجھے ۱۲

کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں :

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

فقیر کے نزدیک دیدیم زائد ہے ، اگر یوں ہو تو بہتر ہے :

هر یک ز گل و لالہ (۱) الخ

باشد شفقے کاں باب لعل تو ماند
گر چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

"باشد" مخل معنی ہے ۔ اگر اس کی جگہ "آرد" ہو تو بہتر ، مگر "آرد" صیغہ مستقبل کا اور "آورد" ماضی کا اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ ۔ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے ، مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے ۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے :

حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد
کے چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

مصرع :

خون شد دل غم دیدہ (۲) الخ

---

(۱) ذکا کا شعر یوں تھا :

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد
رخسار تو زیں ہر دو جدا رنگ بر آورد

میرزا نے پہلا مصرع بدل کر یوں بنا دیا :

ہر یک ز گل و لالہ چہا رنگ برآورد

(۲) پورا شعر یوں ہے :

خوں شد دل غم دیدہ و از دیدہ فروریخت
دیدی کہ جفایت چہ بلا رنگ بر آورد؟

یہ شعر ہموار ہے - نہ صاد کے قابل ، نہ اصلاح کا محتاج - چوتھا اور پانچواں یہ دو شعر ، واہ کیا کہنا ہے(۱) :

اے اہل ورع(۲) الخ یہ بھی ہموار ہے - نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح :

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود
تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ بر آورد

مولوی صاحب ، یہ بات تو کچھ نہیں - زبان چاٹنے کا آلہ ہے ، نہ چومنے کا - زباں برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے ؟

گوئی دہنم لب ز رگ برگ حنا داشت
تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ بر آورد(۳)

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے -

اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے - ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختارالملک نے منہ نہ لگایا ، مگر محی‌الدولہ نے چار سو روپے مہینا سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے -

روز چہار شنبہ ۱۰- ربیع‌الاول ۱۲۸۰ھ (۴)
مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

---

(۱) چوتھا اور پانچواں شعر ملاحظہ فرمائیے :

تا بند کشائیم ہر انگشت حنائی است
از عکس تنت بسکہ حنا رنگ بر آورد
خوں کرد جگر حسرت اظہار تمنا
لب بستن من ہم چو حنا رنگ بر آورد

(۲) شعر یہ ہے :

اے اہل ورع چوں نتواں داشت عزیزش
مے سرخ تر از خون شہا رنگ بر آورد

(۳) ذکا نے کلام مرتب کرتے وقت یہ شعر ، مقطع نیز دو اور شعر حذف کر دیے تھے -

(۴) بعض مطبوعہ نسخوں میں ۱۲۶۹ھ چھپا ہوا ہے جو غلط ہے-

مولانا ،

ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ ، نہ فطرت کیّا درنہ اس تحریر کے پانے پر مصروف رکھی گئی۔ بارے وہ گل نظر افروز ہوا اور طبیعت اس کے مشاہدے سے طرب اندوز ہوئی اب درنگ وزری کی تقصیر معاف کیجیے اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔

صاحب ، تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے (۱) - مگر ہزار حیف کہ بعد از انطباع پہنچی - کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی -

بندہ پرور تم چراغ دود مان مہر و وفا اور منجملہ اخوان‌الصفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے طالب ہو ، اس شیوے میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہو ، تا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں - واقعہ حال دل نشین کرتا ہوں۔

جناب مولوی موئد الدین خاں صاحب کے بزرگواروں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت (۲) و صفوت (۳) مرعی تھی کہ وہ مقتضی اس کی ہوئی

---

(۱) غالباً یہ قطعہ مراد ہے :

غالب کہ نفی مطلق اگر معنی کم است گویم کہ ہمسرش بہ سخن کمتر آمدہ
دیوان او ز مطبع منشی نول کشور طومار سعی کار گزاراں بر آمدہ
تاریخ انطباع نویسد ذکا ہمے جان سخن بہ قالب طبع اندر آمدہ
صد ہاے ہا ز رشک بر آمد ز منکراں یک حرف "ہا"، چہ شد ہمہ زائدگر آمدہ

(۲) دوستی - (۳) صفا و برگزیدگی -

کہ ہم میں اور ان میں برادرانہ ارتباط و اخلاط باہم رہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہے گا ۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے ۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام ، میرے کلیات کے پارسل کا ان کے پاس اور ان کے ذریعۂ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختارالملک بہادر کی نظر سے گزرنا اور جو کچھ اس کے گزرنے کے بعد واقع ہو ، دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیں ۔

جمعہ ۱۰- ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵- ستمبر ۱۸۶۳ء غالب

(۴)

بندہ پرور ،

آج تمہارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا ۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینے بیس دن میں پارسل پہنچے گا (۱) ۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں ، لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا ۔

آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا ، لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا ۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا اور کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل موئدالدین خاں کو دے دیجیے گا ؟

پارسل کا لفافہ (۲) مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ موئدالدین خاں صاحب سے ملیے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے انہیں دکھائیے اور ان سے پارسل کا حال

---

(۱) یہ پارسل جس میں کلیات کا نسخہ تھا ، غالباً ذکا کے لیے بھیجا گیا تھا ۔

(۲) یہ پہلے پارسل کا ذکر ہے ، جو مولوی موئدالدین کے ذریعے سے سالار جنگ کو بھیجا تھا ۔

دریافت فرمائیے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں کہ اردو عبارت سے استنباط مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہ ہر حال اب مدعا سمجھ لیجیے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمائیے اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیے۔

۵- جمادی الاول ۱۲۸۰ھ و نوز دھم اکتوبر ۱۸۶۳ء داد کا طالب ، غالب

روز ورود نامہ نامی

(۵)

صاحب ،

پہلے مطلع میں لطف نہیں، ہاں مضمون لطیف ہے ، وہ فرد میں خوب آ گیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ''ورنہ،،(کذا) کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا ہے۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

ساقی ابھی چھنی(۱) الخ

چھنی لفظ غریب ہے، نہ اہل دہلی کے زبان زد، نہ گوش زد۔ غربال کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سائلات(۲) کو چھانیں ، فارسی اس کی ''لاے پالا،، اور اردو ''صافی،، ہے۔ بہ یاے معروف ''برابر نہ ہوا تھا،، الخ تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے ، مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری پسند نہیں ہے ، میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو ، اور مقطع (۳) لکھ لو ۱۲

شنبہ ۱۴- نومبر ۱۸۶۳ء غالب

---

(۱) ذکا کا اردو کلام میری نظر سے نہیں گزرا ، اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ اصل شعر کیا تھا۔

(۲) بہنے والی چیزیں مثلاً شراب ، عرق وغیرہ۔ (۳) یعنی دوسرا۔

بندہ پرور ،

تمہارے دونوں خط پہنچے غالب گسستہ دم ، کوتہ قلم ، نہ لکھے تو یہ اور بات ہے ۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خاں کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے ۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا ۔ خاں صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح بھیجے جائیں گے ۔

اھاھا ! ''محرق قاطع،، کا تمہارے پاس پہنچنا :

کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا ؟ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آ گیا ۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کیے (۱) ۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے (۲) جدا جدا لکھے ۔ دانا ہو اور منصف ہو ۔ ''محرق،، کو دیکھ کر جانو گے کہ مؤلف اس کا احمق ہے اور جب وہ احمق ''دافع ھذیان ،، و ''سوالات عبدالکریم ،، اور ''لطائف غیبی ،، کو پڑھ کر متنبہ نہ ھوا اور ''محرق،، کو دھو نہ ڈالا تو معلوم ھوا کہ بے حیا بھی ھے ۔ ''دافع ھذیان،،، ''سوالات،، ''لطائف غیبی،، ، تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ھوتے ھیں ۔ یقین ھے کہ بہ تقدیم و تاخیر یک دو روز (۳) نظر انور سے گزریں ۔ فی‌الحال اس پارسل کی رسید

---

(۱) اشارہ ھے ''دافع ھذیان،، مصنفہ مولوی نجف علی ججھری کی طرف ۔

(۲) ''سوالات عبدالکریم،، اور ''لطائف غیبی،، یہ دونوں کتابیں خود میرزا کی مرتبہ تھیں ۔

(۳) ایک دو روز آگے پیچھے ۔

بفور ورود لکھیے - جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہنچے، تو اس کی رسید رقم کی جائے گی - چار نسخے پارسل میں ہیں : دو آپ لیجیے اور دو محمد نجیب خاں کو دیجیے -

دو شنبہ ۲۸- نومبر ۱۸۶۴ء غالب

(۷)

بندہ پرور،

کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا، آج میں پاسخ طراز ہوا - جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں، آپ کے خط کا دوسرا سر ورق ہے، پہچان لیجیے اور معلوم کیجیے کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد دو خط پہنچے - میں صحیفہ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں، بلکہ اسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغان کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے - پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں، پارسل تلف ہوا نہیں - آٹھ دس روز ہوئے ہوں گے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو رو گرداں کر لیا ہے، بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے - یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا -

ہاں صاحب، خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی کے نام، مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں، میں نے پایا - حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں - صرف اتحاد معنوی کے اقتضاء سے انہوں نے ''دافع ہذیان،، لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے - منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں - ان کو وہ خط بجنسہ بھیج دیا - یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھیج دیں گے - انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا کہ مولوی صاحب مرشدآباد بنگالے میں ہیں - نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے -

ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدردان پایا۔ غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی :

کسم بخود نہ پذیرفت و دہر بازم برد
چو نامۂ کہ بود نا نوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے، ولیعہد خسرو دہلی میرزا فتح الملک بہادر (۱) مغفور کے قصیدے کا اور دیکھو ایک رباعی میری :

دستم بہ کلید مخزنے می بایست ور بود تہی بہ دامنے می بایست
یا ہیچ گہم بکس ینفتادے کار یا خود بہ زمانہ چوں منے می بایست

انا للہ وانا الیہ راجعون

(۸)

اے عتابت بہ عنایت ہم شکل

آپ کا خط حاوی حل شبہات جس دن پہنچا، اس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا ۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی ۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مسلم رہی ۔ باوجود فقدان حافظہ واستیلاے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے :

چہ غرہ غرۂ پیشانی سمند عمر

بدل مصرع :

چہ غرہ غرۂ پیشانی تگاور عمر

دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ ''شبگرد گراں رکاب،، کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے، بے واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے ۱۲

صبح شنبہ ۳۔ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب

(۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)

---

(۱) غلام فخرالدین مخاطب بہ میرزا فتح الملک معروف بہ میرزا فخرو متخلص بہ رمز ولی عہد بہادر شاہ ثانی میرزا غالب کے شاگرد تھے- ۱۸۵۶ء میں بہ عارضہ ہیضہ وفات پائی۔

میرے مشفق ، میرے شفیق ، مجھ سے، ہیچ پوچ کے ماننے والے ، مجھ سے برے کو اچھا جاننے والے ، میرے محب ، میرے محبوب ، تم کو میری خبر بھی ہے ؟ آگے ناتوان تھا ، اب نیم جان ہوں ۔ آگے بہرا تھا ، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں ۔ رام پور کے سفر کا رہ آورد (۱) ہے رعشہ و ضعف بصر ۔ جہاں چار سطریں لکھیں ، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں ، حرف سوجھنے سے رہ گئے ۔ اکہتر برس جیا ، بہت جیا اب زندگی برسوں کی نہیں ، مہینوں اور دنوں کی ہے ۔

پہلا خط تمہارا پہنچا ، اس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا ۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا ۔ غزل کو دیکھا ۔ سب شعر اچھے اور لطیف ۔ حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا ۔ غرضکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو ۔ کل ایک خط رجسٹری دار آیا ، گویا ستارۂ دنبالہ دار آیا ۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے ۔ بارے کھولا اور دیکھا ۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بے جا سے لبریز ۔

صاحب ، میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو، وہیں رہ جائے تو رہ جائے ، ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا مجال ہے ، جو مجھ تک نہ پہنچے ۔ وہاں کے ڈاک کے کار پردازوں کو اختیار ہے ، مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں ۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں ، اس کا حال یہ ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا ۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا ۔

---

(۱) رہ آورد ایسے تحفے کو کہتے ہیں ، جو سفر سے لایا جائے ۔

بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیرو عافیت جلد لکھو۔

صبح جمعہ ۲۵- ذی حجہ ۱۲۸۲ھ / ۱۲- مئی ۱۸۶۶ء

جواب کا طالب ، غالب

(۱۰)

دوست روحانی ، برادر ایمانی ، مولوی حبیب‌اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب کا سلام ۔ تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا ؟ بغیر نشان محلہ کے ان کو خط کیوں کر بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر پہنچا ؟ :

حیرت اندر حیرت است اے یار من

پہلے یہ تو کہو کہ '' درفش کاویانی،، اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں ؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی ؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ‌ٔ

در خصوص گفتگوے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔

زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتروان برس شروع ہوا ۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ ، قند کے شربت کے ساتھ ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی ، قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب ۔ چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔

اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر ، چار پایہ بن کر اٹھتا ہوں ، تو پنڈلیاں لرزتی ہیں ۔

معہذا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے ، اٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا ۔ اسباب حیات میں سے (یہ) بات ہے کہ شب کو بد خواب نہیں ہوتا ۔ بعد اراقت بول بے تکلف نیند آ جاتی ہے ۔ ایک سو باسٹھ روپے آٹھ آنے کی آمد ، تین سو کا خرچ ، ہر مہینے میں ایک سو چالیس کا گھاٹا ۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں ؟ مردن ناگوار بدیہی ہے ، مرنا کیوں کر گوارا ہوگا ؟

بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں ۔

جواب خط کا طالب ، غالب

سہ شنبہ از روے جنتری ۲۶ ، اور از روے رویت

۲۵- رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴- دسمبر ۱۸۶۶ء

(۱۱)

جانان بلکہ جان ، مولوی منشی حبیب‌اللہ خان کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ و سرور سینہ منشی محمد میران(۱) کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کی نوید ۔ جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی ، رسم الخط بعینہ تمہاری تھی اب تم بتاؤ کہ رقعہ اس کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے؟ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدر آباد نہیں آیا ، ظاہرا اب تم نے وطن سے بلایا ہے ۔ مفصل لکھو کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے ؟ یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے؟ ہاں صاحب ، محمد میران ، یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں ۔ منشاۓ افراط پرسش ، وفور محبت ہے ، نہ فضولی ۔

---

(۱) فرزند ذکا ۔

یوسف علی خاں شریف و عالی خاندان ہیں ۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینا پاتے تھے ۔ جہاں سلطنت گئی وہاں تنخواہ بھی گئی ۔ شاعر ہیں ، ریختہ کہتے ہیں ۔ ہوس پیشہ ہیں ، مضطر ہیں ، ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں ۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں ۔ ان کا باپ میرا دوست تھا ۔ میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں ۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینا مقرر کر دیا ہے ، مگر بہ سبب کثرت عیال وہ ان کو مکتفی نہیں ۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کروگے تو کیا کروگے ؟

صاحب ، میں بعین عنایت الہی کثیرالاحباب ہوں ۔ ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسۂ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے ، نام اس کا ''موئد برہان،، ہے ۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کیے ہیں اور تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کیے ہیں اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں ۔ بس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور دو چار جلدیں ''درفش کاویانی،، علاوہ اوراق مذکور بھیج دیے ۔ اسی زمانے میں تین چار ورق ، خوب یاد ہے کہ ''درفش ،، کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں ۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے ''درفش،، کو کھول کر دیکھا نہیں ۔ وہ اوراق مع ''درفش،، زینت طاق نسیاں ہیں ۔ وہ ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے اور بس ۔

ہاں صاحب ، اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا ، ''مکاں تنگ است،، ''جہاں تنگ است،، مدح مختارالملک میں ، متضمن استدعائے مسکن وسیع ۔ پھر مہینے بعد اسی ''اودھ اخبار،، میں

یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا، مگر تیس روپے مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے اور ان کے شاگرد وضیع تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روداد کی تفصیل اور جواب اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں، بسبیل استعجاب۔

دوشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۸۳ ہجری (مطابق ۱۱۔ جنوری ۱۸۶۷ء)

(۱۲)

بھائی، میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے۔ ظاہرا معاملۂ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہو چکا، وقت پر پہنچے گا۔

''سترا بہترا،، اردو میں ترجمۂ پیر خرف ہے۔ میری تہتر برس کی عمر ہے، پس میں ''اخرف،، ہوا، گویا حافظہ کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا، رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی طرح معدوم ہو گیا۔ اب مہینے بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں، رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے، وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی، سر شام گوشت کے تلے ہوئے چار کباب، سوتے ہوئے پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر گلاب۔ خرف ہوں، پوچ ہوں، عاصی ہوں، فاسق ہوں، روسیاہ ہوں، یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے:

مشہور ہیں عالم میں، مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا۔ بکس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب

کے جواب لکھے ہیں گئے ۔

ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے وقت ہندوستان میں آیا ۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی ، صرف پچاس گھوڑے نقارہ و نشان سے شاہ عالم(۱) کا نوکر ہوا ۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا ، وہ علاقہ نہ رہا ۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خان بہادر لکھنؤ جا کر نواب

---

(۱) شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی جو ۱۸۰۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۸۰۶ء میں اس کا انتقال ہوا۔ میرزا نے کئی جگہ لکھا ہے کہ ان کا دادا شاہ عالم کے عہد میں ہندوستان آیا ، نیز لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم رہا۔ یہ بیان تھوڑی سی توضیح کا محتاج ہے۔ اول ممکن ہے میرزا کے ذہن میں یہ دونوں واقعے الگ ہوں یعنی دادا لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم رہا۔ اور اصل ہندوستان میں ، جس کی سرحد سرہند سے شروع ہوتی تھی ، شاہ عالم کے عہد میں وارد ہوا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شاہ عالم الہ آباد سے دہلی پہنچا تھا۔ (۱۷۷۲ء) اگر دونوں باتوں کو الگ الگ نہ سمجھا جائے تو یقیناً میرزا کا بیان ذہول پر مبنی ہے۔ ان کا دادا احمد شاہ بن محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا ۔ پہلے معین الملک کے پاس لاہور میں رہا۔ اس کا انتقال محرم ۱۱۶۷ھ۔ نومبر ۱۷۵۳ء میں ہوا۔ پھر میرزا کے دادا نے ہندوستان کا قصد کیا ، ذوالفقارالدولہ نجف خاں کے ساتھ میرزا کے دادا کا خاص تعلق ہے۔ یقین ہے کہ شاہ عالم کی ملازمت نجف خاں ہی کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہوگی۔ نجف خاں کی وفات (۱۷۸۲ھ) کے بعد میرزا کے دادا نے جے پور میں ملازمت کر لی اور آگرے میں توطن اختیار کر لیا۔

آصف‌الدولہ (۱) کا نوکر رہا - بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خاں(۲) کا نوکر ہوا - تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا - کئی برس وہاں رہا - وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی - والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا - راؤ راجا بختاور سنگھ (۳) کا نوکر ہوا - وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا (۴) - نصراللہ بیگ خان بہادر میرا حقیقی چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا ، اس نے مجھے پالا - ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا ، صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا - میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا - چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا - ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی کہ بمرگ ناگاہ مر گیا (۵) - رسالہ برطرف ہو گیا ، ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی ، وہ اب تک پاتا ہوں - پانچ برس کا تھا ، جو باپ مر گیا - آٹھ برس کا تھا ، جو چچا مر گیا - ۱۸۳۰ء(۶) میں کلکتہ گیا - نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی - دفتر دیکھا گیا - میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا - ملازمت ہوئی ، سات پارچے اور جبغیہ ، سرپیچ ، مالائے مروارید ، یہ تین رقم

---

(۱) نواب وزیر اودھ -

(۲) نظام علی خاں بن آصف جاہ اول - انہیں عموماً آصف جاہ دوم کہا جاتا ہے (وفات ۶- اگست ۱۸۰۳ء) -

(۳) بختاور سنگھ والی الور (وفات مئی ۱۸۱۵ء) اس کے بھتیجے بنی سنگھ اور خواص کے بیٹے بلونت سنگھ میں جانشینی کے لیے تنازع شروع ہوا - آخر بنی سنگھ کو راج گدی ملی ۔

(۴) ۱۸۰۲ء میں ایک سرکش زمیندار کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بیگ خاں کو بھیجا گیا اور اتفاقیہ گولے لگنے سے وفات پائی -

(۵) ۱۸۰۶ء میں - (۶) صحیح یہ ہے کہ میرزا ۱۸۲۷ء میں کلکتہ گئے اور ۱۸۲۹ء میں واپس آئے -

خلعت ملا۔ زاں بعد جب دہلی میں دربار ہوا، مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر، بجرم مصاحبت بہادر شاہ، دربار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری برأت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرض کہ یہ خلعت ریاست کا ہے، عوض خدمت نہیں، انعامی نہیں، معوج الذہن (۱) نہیں ہوں، غلط فہم نہیں ہوں، بد گماں نہیں ہوں، جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا، دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بری طرح کیا تھا، کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والی کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ، ۱۰- فروری ۱۸۶۷ء

(۱۳)

جان غالب،

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ ''موئد برہان،، میرے پاس بھی آ گئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں، وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مودت، بشرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو، یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کردو۔

(۱) وہ شخص جس کا ذہن کج ہو۔

میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ بہتر برس کی عمر۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۴- مارچ ۱۸۶۷ء   جواب کا طالب، غالب

(۱۴)

بندہ پرور،

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں، اس کا جواب لیجیے اور جو نہیں سمجھا وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجیے۔

عماد(۱)، عمائد شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اس کی پان سات بیت کی ایک غزل ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

پاے سر تا نشود راہ تو رفتن نتواں
جز بہ جاروب مژہ کوے تو رفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سُفتن وغیرہ قافیے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت ما قبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا؟ آیا معترض صاحب استناد بمثل و نظیر کو نہیں جانتے اور نہیں مانتے؟ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں، قدیم سے ہے۔

بندہ نواز میں نے لکھا کہ "موئد برہان" میرے پاس آ گئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر کا ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم از راہ عنایت "موئد" کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اس کو بھی جا بجا درج کر دو۔ تم نے اس درخواست کا

---

(۱) کرمان کے اکابر میں سے تھا اور اسے اچھا شاعر مانا جاتا ہے۔ (وفات ۷۷۳ھ/۱۲۷۵ء)۔

جواب ہاں ، نا ، کچھ نہ لکھا(۱) ۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے ۔ میاں محمد میراں کو دعا ۔

۱۸- مارچ ۱۸۶۷ء

(۱۵)

منشی صاحب ، الطاف نشان ، سعادت و اقبال توامان ، منشی حبیب‌اللہ خاں کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے ۔ تمہارا خط پہنچا ، پڑھ کر دل خوش ہوا ۔ تم میری بات پوچھتے ہو ، لیکن میں کیا لکھوں ؟ انگلیاں کہنے میں نہیں ۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل ۔ جب کوئی دوست آ جاتا ہے تو اس سے خط کا جواب لکھوا دیتا ہوں ۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے ، موتیٰ کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے ۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو ۔ پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی ، اب ماشوں پر ہے ۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے ۔ بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے ، بالکل میرا یہی حال ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

دوم شوال ۱۲۸۴ھ (مطابق ۲۷- جنوری ۱۸۶۸ء)

اپنی مرگ کا طالب ، غالب

---

(۱) پہلا خط ۱۴ مارچ کو لکھا گیا تھا ۔ معلوم نہیں چار دن کے اندر اندر اس کا جواب نہ ملنے کی شکایت کیوں پیدا ہو گئی ؟ کیا ۱۴- مارچ کے خط کو حقیقتہً ۴- مارچ کا سمجھا جائے ؟
اسکے سوا ۱۸- مارچ کے خط کی زیر غور عبارت کے لیے کوئی وجہ جواز سمجھ میں نہیں آتی ۔

قاضی عبدالجمیل جنون

قاضی صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ان کے بزرگ مغلوں کے عہد میں مصر سے ہندوستان آئے اور اونچے عہدوں پر فائز رہے۔ پھر کسی بزرگ کو بریلی میں منصب قضا مل گیا اور وہی شہر ان کا وطن بن گیا۔ ان کے جد امجد قاضی ثناءاللہ، شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے معتمد علیہ بن گئے تھے۔ جاگیر بھی مل گئی اور وظیفہ بھی معقول ملتا تھا۔ پھر ان کے بیٹے قاضی غلام نبی اور پوتے قاضی غلام احمد بریلی میں منصب قضا کے حامل رہے، بلکہ صدرالصدور اور جسٹس آف کورٹ بھی ہو گئے تھے۔ ۲۰۔ اگست ۱۸۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کے بڑے بیٹے صدر امین تھے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی قاضی محمد حمزہ کو آبائی اور موروثی منصب دلا دیا اور خود صدر امین ھی رہے۔ یہی قاضی محمد حمزہ، ہمارے جنون کے والد ماجد تھے جن کی وفات ۱۰۔ رمضان ۱۲۸۷ھ / ۴۔ دسمبر ۱۸۷۰ء کو ہوئی۔

قاضی عبدالجمیل ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ درسی کتابیں مفتی عنایت اللہ مرحوم کاکوروی مصنف ''تواریخ حبیب الہ'' سے پڑھیں، جنہیں ۱۸۵۷ء میں کالے پانی کی سزا بھی ہوئی تھی۔ مگر بعد میں یہ سزا منسوخ ہو گئی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر تک عربی و فارسی کے علوم سے بھی فارغ ہو گئے تھے۔

قاضی صاحب کے نام میرزا غالب کا پہلا خط جو فارسی میں ہے ۲۸۔ صفر ۱۲۶۶ھ/۱۳۔ جنوری ۱۸۵۰ء کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ میرزا کا تلمذ بذریعہ خط اختیار کیا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آخری عمر میں سارا کلام خود تلف کر دیا تھا۔

میرزا کو وقتاً فوقتاً آم ہدیۃً بھیجتے رہتے تھے۔ میرزا نے ایک مرتبہ ان کے لیے سیاہی اور قلمیں دہلی سے بھیجیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کے نام صرف سترہ خط تھے۔ منشی مہیش پرشاد نے قاضی صاحب کے صاحبزادے قاضی محمد خلیل سے مل کر تیرہ نئے خط حاصل کر لیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اٹھارہ آنیس سال کے گہرے تعلقات میں خطوط کا مجموعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ اغلب ہے بہتیرے خط تلف ہو گئے۔

قاضی صاحب بھی آبائی منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں انہیں خان بہادر کا خطاب ملا تھا۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔ مجموعۂ کلام خمخانہ جاوید اور ادبی خطوط غالب ہی میں تھا۔ مالک رام صاحب نے تلامذۂ غالب میں بھی چھاپ دیا اور ''نقوش'' کے تازہ خطوط نمبر میں ان کے اشعار مع اصلاحات غالب چھپ گئے ہیں۔

---

(۱)

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت مجھ کو ذریعۂ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیے اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں، لیکن بااین ہمہ اوس کے پڑھنے میں بہت تکلف (کرنا) پڑتا ہے علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اوس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تا کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا اور معہذا

میرا اندیشہ آپ کو بدیہی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دی جاوے۔ واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجیے، اس میں بین الافراد و بین المصرعین(۱) فاصلہ زیادہ چھوڑیئے۔ اب کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو اس ورق پر بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں ۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا، اس سے مقابلہ کر کر معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی؟

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعۂ طرحی کو کیا کیجیے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا؟ میں کبھی اوس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے اب ہی نہ ہو، اب کے ہو، تو آیندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ۱۲۔

۱۸۵۴ء اسداللہ

(۲)

قبلہ،

آپ کو خط پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں، گاہ گاہ انگریزی بھی، اور ڈاک کے ہرکارے میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے، وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے، محلہ بھی ضرور

---

(۱) سطروں اور مصرعوں کے درمیان یعنی دو شعروں کے درمیان بھی اور دو مصرعوں کے درمیان بھی فاصلہ زیادہ چھوڑنا چاہیے تاکہ حسب ضرورت اصلاح دی جا سکے۔

نہیں۔ آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔

یہ اب کے آپ نے حکیم کالے کا نام کیسا لکھا ہے؟ اس غریب کو تو شہر میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا، وہ مجھ کو پہنچا۔ جواب لکھنے میں جو میری طرف سے قصور ہوتا ہے، اس کے دو سبب ہیں: ایک تو یہ کہ حضرت مہینے بھر میں نو پتے لکھتے ہیں۔ میں کہاں تک یاد رکھا کروں؟ ایک مکان ہو تو اوس کو لکھ رکھوں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں؟ میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں؟

اب آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے: ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا جواب بندگی ہے اور کورنش اور آداب۔ دوسرا مدعا خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ، سو اس کا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی اللہ یار خاں صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اوس وقت مکان میں موجود نہ ہونا۔ واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیے گا اور میرا ملال ان سے بیان کیجیے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعے کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہوں گے۔ جب سوار ہو جاتا ہوں، تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھتے، حقہ پیتے۔ اگر قلعے جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

نگاشتہ نہم ربیع الاول ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء از اسد

(۳)

پیر و مرشد ،

فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر قاصر رہا ہے۔ جو حکم آپ کا ہوتا ہے ، اس کو بجا لاتا ہوں۔ مگر معدوم کو موجود کرنا میری وسع(۱) قدرت سے باہر ہے۔ اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لے کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا ، اوس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوان ریختہ چھاپے کا یہاں کہیں کہیں ہے۔ اپنے حافظ پر اعتماد نہ کر کر اوس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔

سنیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں دنوں میں ایک صاحب(۲) نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے :

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔

اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا :

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور

---

(۱) دسترس ، توانائی۔

(۲) منشی شیو نرائن آرام، جیسا کہ ان کے نام کے مکتوب مرقومہ ۲۶-اپریل ۱۸۵۹ء میں مذکور ہے۔

''شیر،، اور ''بت،، اور ''خدا،، اور ''جفا،، اور ''وفا،، میری طرز گفتار نہیں ھے۔ بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ھے ، وہ میرا شعر کیوں کر سمجھا گیا؟ واللہ باللہ وہ شعر ''خدنگ،، ''رنگ،، کے قافیہ کا میرا نہیں ھے ۱۲ والسلام ۔

مرسلہ جمعہ ۰ ماہ صیام (۱۲۷۵ھ) و غالب

۲۹۔ اپریل سال حال (۱۸۵۹)ء

(۴)

حضرت ،

کیا ارشاد ھوتا ھے ؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے، وہ دو دن کے بعد اصلاح دے کر بھیج دیے۔ خط ڈاک میں تلف ھو جائے تو میرا کیا گناہ ؟ آج آپ کا یہ خط صبح کو آیا ، میں نے آج ھی دوپہر کو دیکھ کر ڈاک میں بھجوا دیا ، اب پہنچے یا نہ پہنچے۔

دو باتیں سنئیے : ''طرح،، بسکون راے قرشت بہ معنی فریب ھے ، لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں۔ وہ دوسرا لغت ھے ۔ ''طرح،، بحرکت راے قرشت ، بروزن ''فرح،، اس کو بسکون راے مہملہ بولنا عوام کا منطق ھے ۔ معاذاللہ ! اگر تقریر میں اس طرح یعنی بہ سکون بولوں ، تو زبان اپنی کاٹ ڈالوں ، چہ جاے آنکہ نظم میں لاؤں۔ ھاں غزل ''طرح،، کی، زمین ''طرح،، کی یہ بسکون ھے اور بمعنی ''روش و طرز،، ''طرح،، ھے بہ فتحتین ۔

(دستاں.....) افسانہ نہیں۔ دستاں کے تین معنی ھیں : ایک تو رستم کے باپ کا نام اور وہ علم ھے۔ دوسرے(۱) . . . .تیسرے آواز

(۱) جہاں نقطے لگائے گئے ھیں ۔ وھاں کی عبارت کیڑا چاٹ گیا۔ بظاھر یوں لکھا ھوگا کہ دوسرے معنی مکرو حیلہ کے ھیں۔

خوش اور یہ جو بلبل ہزار داستان کہتے ہیں، سوقی(۱) اور فرومایہ (لوگ کہتے) ہیں - صحیح "ہزار دستاں"، ہے، یعنی بہت طرح کی آوازیں بولتا ہے -

جناب مولوی احمد حسن صاحب عرشی(۲) کو میرا سلام پہنچے -

(۲۸- اگست ۱۸۵۹ء)

(۵)

صاحب،

وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے، مجھ کو پہنچا اور میں نے اس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا - فارسی کیا لکھوں، یہاں ترکی تمام ہے - اخوان و احباب یا مقتول یا مفقودالخبر - ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں - آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں - اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے، پا برکاب ہوں -

طرح بالفتح بمعنے "نمونہ"، اور بمعنے "فریب"، سچ، لیکن طرح بفتحتین اور چیز ہے غیاث‌الدین رام پور میں ایک ملاے مکتبی تھا، ناقل نا عاقل - جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا - اس کا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا؟

کیستم من کہ تا ابد بزیم

---

(۱) یعنی بازاری لوگ -

(۲) نواب صدیق حسن خاں مرحوم قنوجی‌ثم بھوپالی کے بڑے بھائی اور میرزا غالب کے شاگرد - حالات دیکھیے ان کے نام مکاتیب کے آغاز میں -

لا حول ولا قوة ! یہ مصرع میرا نہیں۔ ''تا ابد بزیم'' یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے۔ میرا قطعہ یہ ہے :

کیستم من کہ جاوداں باشم چوں نظیری نماند و طالب مرد
ور بگویند در کدامیں سال مرد غالب؟ بگوکہ ''غالب مرد''(۱)

یہ مادۂ تاریخ از روے نجوم نہیں، بلکہ از روے کشف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پنجشنبہ ۸- ستمبر ۱۸۵۹ء غالب

(۶)

حضرت،

بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گزشتہ ان دنوں میں میں رام پور تھا۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آ گیا ہوں اور یہیں میں نے آپ کا خط پایا ہے۔ آپ نے سرنامے پر رام پور کا نام ناحق لکھا۔

حق تعالیٰ والی رام پور کو صد و سی سلامت رکھے، ان کا عطیہ ماہ بماہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ کرم گستری و استاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں۔ مولوی احمد حسن عرشی کے فراق کو نہیں سمجھا کہ کیوں واقع (۲) ہوا، بلکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ اور وہ یکجا کہاں تھے اور کب تھے؟ حایفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہوں گے۔ مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ دارد۔ شامہ ضعیف، سامعہ باطل، باصرہ میں نقصان نہیں۔ البتہ حدت کچھ کم ہو گئی ہے (۳)۔

---

(۱) یہ قطعہ یوں بھی دیکھا اور سنا ہے :

من کہ باشم کہ جاوداں باشم چوں نظیری نمانہ و ''طالب مرد
ور بہ پرسند در کدامیں سال مرد غالب؟ بگو کہ غالب مرد

(۲) وہ حج کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ بڑودہ پہنچ کر وفات پائی۔

(۳) یعنی نظر میں پہلے کی سی تیزی نہیں رہی، کسی قدر کم ہو گئی ہے۔

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

بہ ہر حال چونکہ میں دلی میں ہوں اور وہ رام پور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جو ان کی زبان کے محول(۱) تھے، بدستور ان کی تحویل میں رہے اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی، نہ امکنہ۔ کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا، اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آ جائے گا تو وہ مول لے کر خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت......الخ

ایک دوست کے پاس بقیۃالنہب و الغارۃ (۲) میرا کچھ کلام موجود ہے، اس سے یہ غزل لکھ کر بھیج دوں گا۔

[دلی میں ایک حکیم تھے، ان کا نصراللہ خاں نام تھا۔ وہ مر گئے اس نام کا کوئی وکیل عدالت دیوانی میں بھی میں نے نہیں سنا۔ کیسا ڈیرہ پور، کیسا کان پور۔ اب میں کس سے پوچھتا پھروں کہ نصراللہ خاں کے تم آشنا ہو یا نہیں؟ جب حضرت کو ان کا مسکن مع عہدہ معلوم ہے، تو پھر ان کے احباب کو کیوں ڈھونڈتے ہو؟

غزلیں اصلاح کے بعد پہنچتی ہیں۔

نجات کا طالب، غالب

''ننگے پاؤں،، واو کے ضمے کو اشباع کیسا؟ یہ تو ترجمہ ''یابم،، کا ہے(یعنی یافتن سے) اور پھر پاؤں کی یہ املا غلط ''پانؤ،،، ''گانؤ،،، ''چھانؤ،،

''گھنسیٹے گا،، نون کیسا؟ ''گھسیٹے گا،، اس کی املا یوں ہے(۳)]

۲۲- فروری ۱۸۶۱ء

---

(۱) جو ان کے حوالے کیے گئے تھے کہ زبانی کہہ دیں۔

(۲) یعنی لوٹ سے بچا ہوا کلام۔

(۳) اس مکتوب کی جو عبارت قوسین میں ہے، وہ منشی مہیش پرشاد نے اصل خط سے مقابلے کے بعد شامل مکتوب کی۔ پیشتر وہ نقل و کتابت میں حذف ہو گئی تھی۔

(۷)

جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔

عنایت نامہ کے ورود نے شادمان کیا، مگر امور مبہمہ جو نگارش پزیر تھے، انہوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں۔ آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا؟ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے خصوصاً جبکہ بدات خود حادث ہو؟ حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک اور بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو؟ نہ مہاوٹ، نہ برسات۔ دریا پایاب ہو گئے، کنویں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو؟ جناب اس کا خیال نہ فرماویں۔ اپنے کشف کو غلط کردوں گا(۱)، برشکال آیندہ تک جیوں گا۔ آپ کے موہبتی آم کھاؤں گا۔

جون ۱۸۶۱ء جواب کا طالب غالب

(۸)

........سلامت،

یہ عہدہ (۲) آپ کو مبارک ہو اور مجھ کو اسی طرح صدالصدوری کے منصب کی مبارکباد لکھنی نصیب ہو۔ غزلیں دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ اب کے اصلاح کی حاجت کم پڑی۔

"بردۂ"، "رفتۂ"، یہ جتنے الفاظ ہیں ان میں ہائے تحتانی نہیں لکھتے۔ پس وہی ہائے انہائی حرکت رہتی ہے۔ پس اگر وہ ساکن ہے تو تو "رفتہ"، "بردہ"، اس صورت پر رہے گی اور اگر اس کو حرکت

---

(۱) مطلب یہ کہ اپنی موت کے متعلق جو پیشگوئی بر بنائے کشف کر رکھی ہے، اسے غلط ثابت کردوں گا۔ آیندہ سال تک جیوں گا اور آپ کے عطا کردہ آم کھاؤں گا۔

(۲) اس سے مراد عہدۂ قضا ہے۔ جس پر حکومت نے قاضی عبدالجمیل کو مقرر کیا تھا۔

لازم آئے تو علامت حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ ''رفتہ''، ''آمدہ'' اور ان معنوں کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔

پان کا شعر کاٹ ڈالا، وجہ یہ ہے کہ پہلے تو میں ''پاں'' کا نون بے اعلان بروزن ''آں'' پسند نہیں کرتا(۱)۔

(۹)

جناب مخدوم و مکرم کو میری بندگی،

تفقد نامہ مرقومہ ۲۱- ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔ کوئی محکمہ تخفیف میں آئے کوئی گانو مثلاً لٹ جائے، آپ کا عہدہ آپ کو مبارک، آپ کا دولت خانہ سلامت۔ ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا آپ کو کھٹکا ہے، البتہ بجا ہے۔ جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اس کا اندیشہ کیا ہے؟ حاکم سمجھ لے گا۔ وہ وکیل ہیں، محکمہ منصفی میں نہ رہیں گے، محکمۂ صدر امین و سشن جج میں کام کریں گے۔

میں نہ تندرست ہوں، نہ رنجور ہوں، زندہ بدستور ہوں، دیکھیے، کب بلاتے ہیں؟(۲) اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دکھاتے ہیں؟ والسلام بالوف الاحترام ۱۲

یکشنبہ ۲۹- ستمبر ۱۸۶۱ء نجات کا طالب، غالب

(۱۰)

از اسد بندگی برسد۔ حضرت، یہ غزل قطعہ بند ہے۔ پس خطاب مطلع میں چاہیے مطلع دو دو لکھنے یہ ایجاد ریختہ والوں کا ہے۔

جناب مولوی اساس الدین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔

---

(۱) دوسری وجہ خط میں درج نہیں۔ منشی مہیش پرشاد نے لکھا ہے کہ ''اصل خط کا جو ورق ملا، اس پر اتنی ہی عبارت ہے''، (خطوط غالب ص ۱۱۹ حاشیہ)۔

(۲) یعنی کب موت کا بلاوا آتا ہے۔

(۱۱)

''اے مشفق من،، (۱) نا مربوط اور قبیح ، ٹکسال باہر ۔ اس شعر کو دور کرو ۔ اگر کوئی اور شعر ہاتھ نہ آئے اور اسی کو رکھنا چاہو تو یوں رکھو :

گالیاں دیتے ہو کیوں مشفق من ، خیر تو ہے ؟

(۱۲)

آداب عرض کرتا ہوں اور چاروں غزلیں دیکھ کر ، جابجا حک و اصلاح کر کر بھیجتا ہوں ۔

(۱۳)

''خستہ کام،، اور ''اندیشہ کام،، دونوں لفظ ٹکسال سے باہر ہیں ۔ ہاں ''ناکام،، اور ''دشمن کام،، اور ''دوست کام،، لکھتے ہیں اور ''تشنہ کام،، ترکیب ہے ۔ '' کام،، بہ معنی ''تالو،، کے ہے نہ بہ معنی ''مقصد،، و''مدعا،، کاغذ لفافے میں اس طرح لپیٹا کیجیے کہ کھلنے کی جگہ باقی رہے ۔

(۱۴)

''تڑپھنا،، ترجمہ ''تپیدن،، کا ، املا یوں ہے ، نہ ''تڑپنا،، ہائے فارسی اور نون کے درمیان ہائے مخلوط التلفظ ضرور ہے ۔

معشوق کو ''صاحب،، لکھنا چاہیے نہ کہ ''حضرت،، اور جو ایک دو

---

(۱) مطلب یہ کہ شعر میں محبوب کو ''مشفق من،، کہہ کر خطاب کرنا مناسب نہیں ۔ جنون کا شعر تھا :

باعث تحرک تکلف نہیں کھلتا مجھ کو
گالیاں دیتے ہو اے مشفق من ، خیر تو ہے

میرزا نے ''اے،، کی جگہ ''کیوں،، بنا دیا ۔ لیکن جنون نے یہ شعر کاٹ دیا ۔

جگه اصلاح ہے ، اس کی توضیح کی حاجت نہیں۔ فارسی غزل ، خیر اگر آپ کا جی چاہے تو رہنے دیجیے۔ جس طرح اس میں کہیں سقم نہیں، اسی طرح لطف بھی نہیں ۔

(۱۵)

''زبرون خانہ،، کا لطف خلاف روز مرہ۔ علاوہ اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ خود اس شخص کے گھر میں دخل غیر ہے(۱) ۔

(۱۶)

جناب مولوی صاحب ،

آپ کے دونوں خط پہنچے ۔ میں زندہ ہوں ، لیکن نیم مردہ ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں۔ اصل صاحب فراش میں ہوں۔ بیس دن سے پاؤں پر ورم

---

(۱) یہ ایک فارسی غزل کی اصلاح کے سلسلے کی عبارت ہے، لیکن اس غزل میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں ''زبرون خانہ،، استعمال کیا گیا ہو۔ اس کے ایک مصرعے میں اصلاح دی ہے۔ جنوں کا شعر یوں تھا :

در شب وصل از من دلدادہ مے گوید بہ ناز
کز پئے تو صد دل دیوانہ مضطر کردہ ایم

میرزا نے پہلا مصرع یوں بنا دیا :

''با من دلدادہ مے گوید بوصل از روے ناز،،

حاشیے میں لکھا ہے :

دریں جا ''از من گفتن،، غلط است۔ ایں خود معنی دیگر دارد
ایں جا موقع ''با من گفتن،، است ۔ ''از من گوید،، یعنی میرا
حال کہتا ہے، ''با من گوید،، یعنی مجھ سے کہتا ہے ۔
غالب

ہو گیا ہے - کف پا و پشت پا سے نوبت گزر کر پنڈلی تک آماس(۱) ہے- جوتے میں پاؤں سماتا نہیں - بول و براز کے واسطے اٹھنا دشوار- یہ سب باتیں ایک طرف، درد محلل روح(۲) ہے- ۱۲۷۷ ھجری میں میرا نہ مرنا ، صرف میری تکذیب کے واسطے تھا ،(۳) مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزہ چکھتا رہا ہوں- حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں ، پھر میں کیوں جیتا ہوں؟ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے- جس طرح طائر قفس میں-

کوئی شغل ، کوئی اختلاط ، کوئی جلسہ ، کوئی مجمع پسند نہیں - کتاب سے نفرت ، شعر سے نفرت ، جسم سے نفرت ، روح سے نفرت- یہ جو لکھا ہے ، بے مبالغہ اور بیان واقع ہے :

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم

ایسے مخمصے میں اگر تحریر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں-

صبح جمعہ یکم محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۹- جون ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) سوجن، ورم- (۲) ورم کو تحلیل کر دینے والا-

(۳) توجیہات کے پر لطف ہونے پر غور فرمائیے- پہلے پیشگوئی کی کہ ۱۲۷۷ھ میں مر جاؤں گا اور تاریخ بھی کہہ لی- پھر فرمایا یہ پیشگوئی از روے نجوم نہیں بلکہ از روے کشف ہے- جب یہ پوری نہ ہوئی تو کہا دہلی میں وبا پھیل گئی تھی مرگ عام میں مرنا میرے لیے کسر شان کا باعث تھا- اب فرماتے ہیں کہ وہ پیشگوئی اس وجہ سے غلط ثابت ہوئی کہ میری تکذیب ہو- موت کا وقت اور مقام معلوم نہیں- میں نے جو غیر مناسب دعویٰ کیا تھا ، اس کا جھوٹ سب پر ظاہر ہو جائے-

(۱۷)

جناب قاضی صاحب کو میری بندگی،

مکرمی مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے(۱) - اب میں تندرست ہوں - برس دن صاحب فراش رہا ہوں - ستر برس کی عمر، جتنا خون بدن میں تھا، بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا - سن نمو کہاں جو اب پھر تولید دم صالح ہو؟ بہر حال زندہ ہوں اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان - والسلام مع الاکرام ۱۲

دو شنبہ ۱۸- جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ　　　　نجات کا طالب، غالب

مطابق سی ام نومبر ۱۸۶۳ء

(۱۸)

قبلہ،

مجھے کیوں شرمندہ کیا؟ میں ثنا و دعا کے قابل نہیں، مگر اچھوں کا شیوہ ہے بروں کو اچھا کہنا - اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں(۲) ۱۲

شنبہ ۱۵- دسمبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

---

(۱) سیاق مکتوب سے ظاہر ہے، مکتوب الیہ نے منشی غلام غوث خاں بے خبر سے سنا کہ میرزا اب اچھے ہیں اور وہی بات میرزا کو لکھ بھیجی-

(۲) بظاہر مکتوب الیہ نے کوئی قطعہ یا قصیدہ میرزا کی مدح میں بھیجا تھا-

(۱۹)

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی،

اگر مجھے قوت ناظمہ(۱) پرتصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ جو میں شایستہ مدح نہیں تو یہ ستایش راجع آپ کی طرف ہوگی۔ گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی مدح میں ہے۔ میں اب رنجور نہیں، تندرست ہوں، مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ طاقت باقی تھی، وہ اس ابتلا میں زائل ہو گئی۔ اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں:

یکے مردہ شخصم بمردی رواں

اس مہینے یعنی رجب ۱۲۸۰ھ سے سترھواں برس شروع اور اسقام و آلام کا شیوع(۲) ہے۔ لا موجود الااللہ و لا موثر فی الوجود الااللہ ۱۲

بست و ہفتم رجب ۱۲۸۰ھ

ہفتم جنوری ۱۸۶۴ء نجات کا طالب غالب

---

(۱) عام مطبوعہ نسخوں میں قوت ناطقہ ہے، ''خطوط غالب،، مرتبہ مہیش پرشاد میں ''قوت ناظمہ،، ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ عرض کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ تحریر اس قصیدے کے سلسلے میں ہے، جس کا شکریہ مکتوب ۱۸ میں ادا کیا گیا تھا یا کسی نئے قصیدے کے جواب میں یہ سب کچھ لکھا گیا ہے۔

(۲) یہاں ''عود ہندی،، میں غالباً کاتب کو لفظ ''شیوع،، سمجھ میں نہ آیا۔ اور اس نے ''آغاز،، بنا دیا پھر یہی چھپتا رہا، منشی مہیش پرشاد نے دونوں جگہ ''شروع،، رکھا۔ مگر ظاہر ہے کہ میرزا نہ پے در پے ''شروع،، استعمال کر سکتے تھے اور نہ شروع کے بد یہی قافیے شیوع کو نظر انداز فرما سکتے تھے۔ لہذا یہاں ان کے خطوط میں یقینی طور پر ''شیوع،، ہوگا، بقول میرزا غالب چھاپے کو توقیع الہی سمجھ لینا کس بناء پر جائز ہے؟

(۲۰)

مہ شوال کو کیا دیکھے جنون غمگین
خنجر ناز نہیں، ابروے خمدار نہیں

پیر و مرشد،

ماہ شوال کو خنجر و شمشیر سے کیا علاقہ (۱) ؟ ہلال رمضان دیکھ کر تلوار کو دیکھتے ہیں اور ہلال شوال دیکھ کر سبز کپڑا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعار بہت ہیں، ان میں سے کسی کو دیکھ کر مقطع کر دیجیے۔

غالب

ہفتم فروری ۱۸۶۴ء

(۲۱)

غزل سراسر ہموار و ذوق انگیز ہے۔ ایک شعر میں ایک لفظ بنایا گیا (۲)، ایک شعر کا پہلا مصرع بدل دیا گیا (۳)۔

---

(۱) میرزا نے جنون کا یہ شعر کاٹ دیا تھا۔ کاٹنے کا سبب اس مکتوب میں واضح فرمایا۔

(۲) جنون کی غزل کا تیسرا شعر تھا۔

دل لگا کر دل کہیں لگتا نہیں
عشق بھی یا رب کوئی آزار ہے

میرزا نے دوسرا مصرع یوں بنا دیا تھا:

عشق یا رب کیا کوئی آزار ہے؟

(۳) جنون کی غزل کا آٹھواں شعر تھا:

وصل کیا بوسہ نہیں ملتا ہمیں
عشق مزدوری نہیں بیگار ہے

میرزا نے پہلا مصرع یوں بدل دیا:

بوسہ اس لب سے کبھی ملتا نہیں

مومن خاں کے اس مصرع میں تردد کیا ہے:

تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

''سے'' بہ معنی ''از'' نہیں ہے بلکہ بہ معنی ''مثل'' و ''مانند'' ہے، یعنی ''چوں تو دشمن اگر تہنیت دھد بر آں چہ اعتبار؟''

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

یعنی اگر تم نے کہا کہ لو مبارک ہو، کل ہم آئیں گے یا تجھے بلائیں گے۔ ہم ایسے وعدے سے کیا خوش ہوں؟ تم جیسے دشمن کی مبارک باد دینے سے کیا ہوتا ہے؟

غالب

۱۹- مارچ ۱۸۶۴ء

(۲۲)

سہسوان کے صاحب اگر ''قاطع برہان'' کا جواب لکھتے ہیں، خدا ان کو توفیق دے کہ عبارت کے معنی سمجھ لیں، تب جواب لکھیں والسلام(۱)

چہارم اپریل ۱۸۶۴ء

(۲۳)

حضرت سلامت،

میاں قدرت‌اللہ کا تردد بجا۔ ''پیش از صبح صادق'' نماز کیسی؟ یہ کاتب اول کی خوبی اور نقل کرنے والوں کی غفلت ہے۔ اصل فقرہ یہ ہے:

خود بدولت پیش از صبح صادق برخاستہ، بعد بانگ صلواۃ، با جماعت فضلا نماز صبح ادا کردہ، بہ جھروکہ درشن تشریف مے آوردند۔

حضرات نے ''بہ نفس نفیس'' بڑھا دیا اور ''برخاستہ'' کو بہ جبر اٹھا دیا۔ صبح صادق سے پہلے یعنی دو تین گھڑی رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے

---

(۱) کچھ معلوم نہیں کہ یہ سہسوانی بزرگ کون تھے؟ بہ ہر حال کسی سہسوانی کی طرف سے ''قاطع برہان'' کا جواب نہیں چھپا۔

فراغت کرتے۔ وضو کے مراسم بجا لاتے۔ جب مؤذن آذان دیتا جماعت کی نماز پڑھتے، رفع حوائج ضروریہ کو ''برخاستہ،، کے بعد مقدر چھوڑ جانا بلاغت ہے، یعنی اس وقت کے افعال بول و براز ہیں۔ ان کا ذکر مکروہ طبع ہے اور بہ نسبت پادشاہ خصوصاً۔

اور یہ جو فقیر ''بہ نفس نفیس،، کو غلط کہتا ہے، یہاں ایک دقیقہ ہے یعنی بہت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کر سکتا ہے اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً چلم پر آگ دھرنا یا پایخانہ میں لوٹا لے جانا اور بہت کام ایسے بھی ہیں کہ ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرا نیابتہً نہیں کر سکتا۔ مثلاً حقہ پینا یا پایخانہ جانا۔ سونا، جاگنا، آٹھنا، بیٹھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس افعال مشترکہ میں ''بہ نفس نفیس،، لکھ سکتے ہیں اور افعال مخصوصہ میں ''بہ نفس نفیس،، کی قید لغو اور پوچ اور مہمل ہے (۱)

میں کروں کیا؟ فی الحال دودمان معنی کا وہ حال ہے، جو ہندوستان کا غدر کے بعد ہو گیا۔ جہلا جانتے نہیں، علما اعتنا نہیں کرتے۔ چھاپے کو توقیع الٰہی سمجھتے ہیں۔ نسخۂ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں رکھتے۔ کاپی نویس کے جرم میں مصنف بیچارہ ماخوذ ہوتا ہے۔(۲)

۸ مئی ۱۸۶۴ء داد کا طالب، غالب

---

(۱) معنی اسی ہی کو کہتے ہیں کہ ایک ایک لفظ کی معنویت اور اس کے محل و موقع کی پوری دنیا نظر کے سامنے ہے۔ ''بہ نفس نفیس،، ویسے بھی بے محل تھا اور اس لیے بھی بے محل ٹھہرا کہ جن افعال کے موقع پر استعمال ہوا، ان کا تعلق بادشاہ کی ذات سے تھا اور ذاتی افعال میں جو کسی نوع کا اشتراک قبول نہیں کرتے ''بہ نفس نفیس،، کی قید حشو تھی۔

(۲) میرزا غالب کی یہ فریاد بھی بالکل بجا ہے۔

قبلہ ،

ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔ دس قلمیں اور چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالے کر دی ہے۔ خدا خیر کرے بحفاظت آپ کے پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں ، بوڑھا ہوں اور ناتواں ، گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا۔ افسوس ! ہزار افسوس!! ۱۲

سہ شنبہ ۲۸- جون ۱۸۶۴ء (۱)   نجات کا طالب ، غالب

(۲۵)

جناب عالی !

وہ غزل جو کہار لایا تھا ، وہاں پہنچی جہاں میں جانے والا ہوں ، یعنی عدم ، مدعا یہ کہ گم ہو گئی۔ ۱۲

گھات میں مدعا براری کی
تم نے غیروں کی غمگساری کی

تقدیم و تاخیر مصرعتین کر کے رہنے دو۔ اس میں کوئی سقم نہیں۔ ”مدعا براری،، کایتھوں کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ہوں ، مگر چونکہ من حیث‌المعنی یہ لفظ صحیح ہے، مضائقہ نہیں۔

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اس مطلع میں خیال ہے دقیق ، مگر کوہ کندن و کاہ برآوردن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدر یک مژہ برہم زدن

---

(۱) اس مکتوب کا عکس ”نقوش،، کے تازہ خطوط نمبر میں چھپا ہے (ص ۷) مگر ابتدائی دو سطروں کا پورا عکس نہ آ سکا۔ صرف درمیان کے الفاظ آئے۔ اطراف کی عبارت نہ آ سکی۔

ثبات و قرار ہے - حیرت ازالۂ حرکت کرتی ہے - قطرۂ مے افراط حیرت سے ٹپکنا بھول گیا - برابر برابر بوندیں جو تھم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بہ صورت اس تاگے کے بن گیا ، جس میں موتی پروئے ہوں -

لیتا ، نہ اگر دل تمہیں دیتا ، کوئی دم چین
کرتا ، جو نہ مرتا کوئی دن ، آہ و فغاں اور

یہ بہت لطیف تقدیر ہے - ''لیتا'' کو ربط ہے ''چین'' سے ، ''کرتا'' مربوط ہے ، ''آہ و فغاں'' سے - عربی میں تعقید لفظی و معنوی دونوں معیوب ہیں - فارسی میں تعقید معنوی عیب اور تعقید لفظی جائز ہے ، بلکہ فصیح و بلیغ - ریختہ تقلید ہے فارسی کی - حاصل معنی مصرعین یہ کہ اگر دل تمہیں نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا ، اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا -

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

یعنی اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے - خیر تیرا ملنا آسان نہیں ، نہ سہی ، نہ ہم مل سکیں گے ، نہ کوئی اور مل سکے گا - مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں - جس سے تو چاہتا ہے ، مل بھی سکتا ہے - ہجر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا ، رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے -

حسن اور اس حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے ، غیر کو آزمائے کیوں

مولوی صاحب کیا لطیف معنی ہیں ، داد دینا - حسن عارض اور حسن ظن ، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں ، یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے ، کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی نہیں بچتا اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا - پس جب اس کو اپنے اوپر ایسا بھروسا ہے تو رقیب کا امتحان کیوں

کرے؟ حسن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی، ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشق صادق نہ تھا، ہوسناک آدمی تھا۔ اگر پائے امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی:

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
کہیو سلام میرا اگر نامہ بر ملے

یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی، مگر کھٹکا یہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتمد علیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر، اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا را عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ (محبوب) کو دیکھ کر والہ و شیفتہ ہو گیا۔ کیسا خط، کیسا جواب۔ دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس وقوعے کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب دان تو خدا ہے، کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر؟ اے ندیم تجھ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اوس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب، تم کیا کیا دعوے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ مبہم کہتا ہے کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ پردیس چلا جائے۔

۲۴۔ اگست ۱۸۶۴ء

(۲۶)

پیر و مرشد ،

نواب صاحب کا وظیفه خوار ، گویا اس در کا فقیر تکیه دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا ، میں کہاں اور بریلی کہاں ۔ ۱۳۔ اکتوبر کو یہاں پہنچا ۔ بشرط حیات آخر دسمبر دہلی کو جاؤں گا۔ نمایش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں ! خود اس نمایش گاہ کی سیر سے، جس کو دنیا کہتے ہیں، دل بھر گیا ۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں(۱)۔ لااله الاالله ، لا موجود الاالله، لا موثر فی الوجود الاالله ۔

سه شنبه ۷۔ نومبر ۱۸۶۵ء نجات کا طالب ، غالب

(۲۷)

آداب بجا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامه پہنچا ۔ غزلیں دیکھی گئیں ۔ فقیر کا قاعدہ یه ہے که اگر کلام میں اسقام و اغلاط دیکھتا ہوں تو رفع کر دیتا ہوں اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں تو تصرف نہیں کرتا ۔ پس قسم کھا کر کہتا ہوں که ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی گنجایش نہیں ۔

---

(۱) میرزا غالب دوسری مرتبه رام پور گئے تو جنون نے بریلی آنے کی دعوت دی تھی۔ اور لکھا تھا که یہاں نمایش ہو رہی ہے ۔ اس کی بھی سیر کیجیے ۔ یه خط اسی دعوت کے جواب میں ہے۔ جنون نے اپنے خط کے ساتھ پانچ قطعات تاریخ بھیجے تھے ۔ نیز ایک مصرع تاریخ اختتام طبع دستنبو کا تھا یعنی :

''طبع دستنبویهٔ دانش شده''

اس مصرع سے ۱۲۸۲ھ نکلتے ہیں یعنی ۱۸۶۵ء ۔ یه دستنبو کی طبع دوم کی تاریخ ہے۔ دوسری مرتبه یه کتاب بریلی میں چھپی تھی اور قاضی عبدالجمیل نے اپنے اہتمام میں چھپوائی تھی ۔

(۲۸)

سبحان اللہ! سر آغاز فصل میں ایسے ثمرہائے پیش رس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے۔ یہ ثمر رب النوع اثمار ہے۔ اس کی تعریف کیا کروں؟ کلام اس باب میں کیا چاہتا ہوں کہ میں یاد رہا اور اعدا کا آپ کو خیال آیا۔ پروردگار باایں ہمہ رواں پروری و کرم گستری و یگانہ آوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن ۸۔ جون کو دوپہر کے وقت کہار پہنچا، اوسی وقت خط کا جواب لے کر اور آم کے دو ٹوکرے دے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں سے اوس کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا۔ خاطر عاطر جمع رہے۔

(جون ۱۸۶۶ء) خوشنودی کا طالب، غالب

(۲۹)

غزل کے بھیجنے میں دیر لگی۔ قصور معاف ہو۔ جو میرے عزیز بریلی میں وارد ہیں اور ان سے آپ ملتے ہیں، ان کا نام آپ لکھیں تو کمال مہربانی ہو۔

غالب

(۳۰)

جناب مولوی صاحب کو فقیر اسداللہ کا سلام،

میرزا محمد رضا بیگ ماموں (ماموں) میرزا علی جان کے پوتے اور میرزا حنیف بیگ کے بیٹے اور میرے بھتیجے ہیں۔ میرزا وقار علی بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ سے پوچھنا چاہیے کہ میرزا علی جان بیگ مرحوم رئیس آگرہ ان کے کون ہوتے تھے اور میرزا محمد علی بیگ جو لارڈ الن برا بہادر کے زمانے میں دلی کے منصف ہوتے تھے، وہ میرزا وقار علی بیگ کے کون تھے؟ میں نے ان صاحبان کو دیکھا نہیں۔ محمد علی بیگ کو دیکھا ہے۔ وہ ماموں میرزا علی جان بیگ مرحوم کے نواسے اور میرے بھانجے ہوتے تھے۔ پس اگر

اکسٹرا اسسٹنٹ بہادر محمد علی بیگ کے بھائی ہیں تو وہ بھی میرے بھانجے ہیں۔
چہار شنبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۶ء غالب

اصلاحات و افادات

سید وزیرالحسن صاحب عابدی نے اپنے بیش بہا ذخیرۂ نوادر میں سے قاضی عبدالجمیل جنون کے نام میرزا غالب کے بعض خطوط نقوش، کے تازہ خطوط نمبر میں چھاپ دیے۔ ساتھ ہی اشعار کا ایک مجموعہ شائع کر دیا، جن پر میرزا کی اصلاحات تھیں اور کہیں وجوہ اصلاح بھی لکھ دی تھیں۔ ان میں سے کچھ چیزیں خطوط کے سلسلے میں نقل ہو چکی ہیں۔ باقی ضروری اصلاحات و افادات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

میرے اندازے کے مطابق شائع شدہ اردو اشعار دو سو دس اور فارسی اشعار چون ہیں۔ جن میں قطعات تاریخ بھی شامل ہیں:

شعر جنون:

غیر سے سرگوشیاں ہوتی ہیں، اور
میرے نالوں کی بھی شنوائی نہیں

شعر کاٹ دیا۔ لکھا:
''شنوائی،، بہ فتحہ نون ہے، بہ سکونِ نون وکلاے عدالت کی بولی ہے۔

شعر جنون:

اے جنوں صبح سے اوداس ہو تم
تھی مگر کس سے ہمکناری رات

شعر کاٹ دیا اور تحریر فرمایا:

ہم کناری مرادف ہم آغوشی مسلّم، لیکن مستعمل نہیں۔ ہمکنار بولتے ہیں ہمکناری نہیں بولتے، مقطع اور لکھو۔

شعر جنون :

خانۂ دل تم نے کیوں ویراں کیا
گر خیال رونق افزائی نہیں

میرزا فرماتے ھیں :

یہ شعر یہ معنی دیتا ھے کہ اگر تم کو اس میں آنا نہیں تو اس کو کیوں ویران کرتے ہو؟ کیا آدمی جہاں جا کر رہا چاھتا ھے، پہلے اس گھر کو ویران کر لیتا ھے یا یہ محل استفسار و استفہام کا ھے یعنی تم نے جو خانۂ دل کو اوجاڑ دیا کیا تم یہاں نہیں آیا چاھتے؟

شعر یوں بنا دیا :

خانۂ دل تم نے کیوں ویراں کیا؟
کیا خیال رونق افزائی نہیں؟

شعر جنون :

گرچہ روز فراق بھی نہیں خوب
لیک ھوتی ھے سخت بھاری رات

میرزا نے ''نہیں خوب،، کی جگہ ''ھے گراں،، بنا دیا

شعر جنوں :

گرچہ رنجوری ھجراں کے گلے تھے دل میں
سامنے اس ستم ایجاد کے بولا نہ گیا

میرزا نے ''رنجوری،، کی جگہ ''رنج و غم،، بنا دیا۔

شعر جنوں :

مرے نقصان نہ ھوئے عشق میں کیا کیا ظالم
ھاتھ سے جاں گئی ، دل بھی گیا، کیا کیا نہ گیا

میرزا نے دوسرا مصرع یوں بنا دیا :

دل گیا ، جان گئی ، کیا کہوں کیا کیا نہ گیا

شعر جنوں :

خبر نہ تھی کہ عدو کا بھی ہے لگاؤ یہاں
وگر نہ جان کو تم پر فدا نہ کرتے ہم

اصلاح میرزا :

خبر نہ تھی کہ عدو کا بھی ہے لگاؤ جنون
وگر نہ جاں کو ان پر فدا نہ کرتے ہم

شعر جنوں :

فرقت یار میں گزاری رات
بے قراری میں لیک ساری رات

اصلاح میرزا :

بے قراری تھی لیک ساری رات

شعر جنوں :

ہے سر شام ہی سے بھاری رات
جانے کیوں کر کٹے گی ساری رات

اصلاح میرزا :

ہائے کیوں کر کٹے گی ساری رات

شعر جنوں :

تھا مرے ملنے میں بدنامی کا خوف
غیر کے ملنے میں رسوائی نہیں

اصلاح میرزا :

''خوف،، کی جگہ ''عذر،، بنا دیا

شعر جنوں :

دل لگانا ہے دل لگی نہیں کچھ
اس نے جو کچھ کہی سہے ہی بنی

اصلاح میرزا :

دل لگانا ہے ، دل لگی کیسی؟

شعر جنوں :

برون خانہ پڑے یوں رہا نہ کرتے ہم
جو دخل غیر نہ ہوتا تو کیا نہ کرتے ہم

اصلاح میرزا :

"برون خانہ"، خلاف روزمرہ ، علاوہ اس سے یہ احتمال ہوتا ہے، کہ مگر اس شخص کے گھر میں دخل غیر ہے۔

"برون خانہ"، کی جگہ "تمہارے در پہ"، بنا دیا۔

شعر جنوں :

تھے جان و دل سو پہلے ہی وہ پیشکش ہوئے
اب ہم کو پھانسے ہے تری زلف رسا عبث

اصلاح میررا : پھانسے ہے اب ہمیں تری زلف رسا عبث

شعر جنوں :

حکیم واجد علی کی شادی کے قطعہ تاریخ کا پہلا شعر :

یارم آں واجد علی فرزانۂ

اصلاح میرزا :

میرزا نے فرمایا : عین تقطیع میں سے جاتا رہتا تھا اور جب تک واجد علی کی تحتانی مکسور نہ ہو، فرزانہ اس کی صفت نہیں پڑتی۔

مصرع یوں بنا دیا :

دوست ، واجد علی فرزانہ

مصرع جنوں :

ہست بیت اللطف برخور السرور

میرزا نے فرمایا : یہ لطف نہیں، لَطَف سنا گیا ہے ۔ لو لی خانے کو بیت الّطَف کہتے ہیں۔

محمد عبدالرزاق شاکر

مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق ان کا خاندان عربی الاصل تھا۔ پہلے غزنی میں رہا جہاں ان کے سلسلے کی خانقاہ اب تک موجود ہے۔ پھر اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی سناالدین شاہان شرقی (جون پور) کے عہد حکومت (۱۳۹۴/۱۰۰۰ء) میں وارد ہند ہوئے۔ بعد میں اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک پھلواری شریف (بہار) جا بسی دوسری نے مچھلی شہر (ضلع جون پور، یو پی) میں توطن اختیار کیا۔ سید عبدالرزاق کا تعلق مچھلی شہر والی شاخ سے تھا۔ (تلامذۂ غالب ۱۳۲)۔

سید عبدالرزاق کے والد سید عبدالوہاب نے بیٹے کو نہایت عمدہ تعلیم دلائی، چنانچہ عربی اور فارسی میں تحریر و تقریر پر یکساں قادر تھے۔ نیز انہیں اپنے نسب کے تحفظ کا بڑا اہتمام تھا۔ عراق، عرب اور افغانستان آدمی بھیج کر نسب کی تحقیق کرائی تھی۔ جب ثابت ہو گیا کہ وہ حضرت جعفر طیار رضؓ اور حضرت زینب رضؓ (بنت حضرت علی رضؓ) کی اولاد میں سے ہیں، اپنے آپ کو ''جعفری الحیدری''، جعفری الزینبی لکھنے لگے۔

سید عبدالرزاق نے ابتدا میں وکالت کا امتحان دیا اور وکالت شروع بھی کی۔ چنانچہ میرزا غالب نے ایک خط میں انہیں ''اشرف الوکلاء'' کہہ کر خطاب کیا۔ پھر سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے منصف، پھر سب جج اور آخر میں عدالت خفیفہ کی ججی پر مامور ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں ملازمت سے سبک دوش ہو کر علی گڑھ میں رہنے لگے۔ اسی (۸۰) برس کی

عمر پا کر جون ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا ، اس وقت وہ مچھلی شہر گئے ہوئے تھے ۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے ۔ بڑے سید متقی ، جو سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے تھے اور نو برس ریاست جے پور میں وزیر مال رہے ۔ (وفات ۱۹۲۲ء) دوسرے سید علی نقی ایڈووکیٹ علی گڑھ ، نیز علی گڑھ کالج میں قانون کے پروفیسر (وفات ۱۹۳۳ء) ، تیسرے فارسی اور اردو کے مشہور شہر سید محمد ہادی مچھلی شہری ۔

جو خطوط ان کے نام سے چھپے ان میں کسی پر تاریخ درج نہیں حالانکہ میرزا تاریخ ضرور لکھتے تھے ۔ اغلب ہے تاریخیں حذف کر دی گئی ہوں ۔ لیکن یہ سب ۱۸۶۰ء کے بعد کے ہیں اور بعض خطوں کی تاریخیں بہ آسانی معین کی جا سکتی ہیں ۔ مثلاً خط ۳ غالباً ۱۸۶۴ء کا ہے ۔ اس لیے اس میں ''دافع ہذیان'' ، ''سوالات عبدالکریم '' اور ''لطائف غیبی'' کا ذکر ہے اور یہ رسالے ۱۸۶۴ء ہی میں چھپے ۔ خط ۷ یقینی طور پر اوائل اکتوبر ۱۸۶۵ء کا ہے ۔ جب غالب ، نواب کلب علی خاں مرحوم کے جشن جلوس میں شرکت کی غرض سے رام پور جانے والے تھے ۔ خط ۸ بلا شبہ رام پور سے لکھا گیا ، اس لیے کہ اس میں میرزا رحیم بیگ مؤلف ''ساطع برھان'' کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

''رسالہ اس کا ''ساطع برھان'' دلی پہنچ کر ڈھونڈوں گا'' ۔

خط ۹ جنوری ۱۸۶۶ء کا ہے ۔ کیونکہ اس کے آغاز میں رام پور سے مراجعت کا ذکر ہے ۔ خط ۱۰ یکم اپریل ۱۸۶۶ء کا مرقومہ ہے ۔ اس میں صرف تاریخ درج ہے ، سال درج نہیں ، لیکن چونکہ آخر مکتوب میں ''درفش کاویانی'' کا ذکر ہے ، جو غالب کے سفر رام پور کے دوران میں چھپی تھی ، یعنی اواخر ۱۸۶۵ء میں ، لہذا سال کے تعین میں دقت نہیں ہو سکتی ۔

---

(۱)

مخدوم مکرم ، مظہر لطف و کرم ، جناب مولوی صاحب اشرف‌الوکلاء۔ درویش گوشہ نشین ، غالب حزیں کا سلام۔ آپ کے عنایت نامے کے ورود سے میں آپ کا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت ، آپ حیران ہوئے ہوں گے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے؟ خط کے پہنچنے سے اظہار منت پذیری اگر گزاف نہیں تو کیا ہے؟ اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنیے ، یعنی آپ کے سبب میں نے اپنے والا برادر از جاں عزیز تر بہ دل نزدیک و از دیدہ دور ، نا مہربان ، بخود مغرور ، میر قاسم علی خاں (۱) کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ ، اگر آپ باعث نہ ہوتے تو بھائی صاحب کاہے کو مجھ کو خط لکھتے۔ انہیں سے پوچھیے کہ کبھی تم نے اسد کو خط لکھا ہے؟ پس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

آپ کا ، واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف ، موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اس کو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں ، اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں ، تاکہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔ مطلع کا یہ مصرع :

سر خوش و سرشار و مستم یللی (۲)

لسان فارسی میں ''سرشار'' صفت ہے پیالے کی ، معنی لفظی اس کے لبریز ، پس شارب (۳) کو لبریز کیوں کر کہیں گے؟ اور یہ جو اردو

---

(۱) منشی نبی بخش حقیر اور غالب کے عزیز دوست جو مولانا مرتضیٰ حسین کے بیان کے مطابق آگرے اور ہاترس میں منصف رہے۔ پھر صدر امین ہو گئے تھے۔

(۲) فارسی میں کلمہ خوشی و شادمانی۔ (۳) پینے والا۔

''مست و سرشار،، مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں، امر جداگانہ ہے۔
فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز۔

''رند عالم سوز،، شعرائے عجم میں بمعنی ''رند بے نام و ننگ ،، آیا ہے، جیسا کہ استاد کہتا ہے:

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

حسن مطلع سست تھا۔ ''مے رسد بر بادہ،، الخ ، ''برشیشہ،، یہاں انسب ہے۔ ''از لحد چوں خاک جستم،، الخ ، خاک کو جستن سے کیا علاقہ ؟ ''نقد جاں را مہر بستم یلی،، تعقید معنوی ہے۔ ''طالب عہدالستم،، الخ ، طالب عہدالست،،۔ یعنی عہدالست کس سے مانگتا ہے ؟ ہاں ''سر خوش عہد الست،، بر محل و بر موقع ۱۲

متوقع ہوں کہ میرا یہ رقعہ جو آپ کے نام کا ہے، جناب میر قاسم علی خاں صاحب کو پڑھا دیجیے گا اور اب جو آپ مجھے خط لکھیں، تو یہ بھی لکھیے گا کہ ہنوز وہ صدرامین ہیں یا ترقی کی اور صدرالصدور ہو گئے اور اگر ترقی نہیں کی تو کیا وجہ؟ ۱۲-

(۲)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شاکر کی خدمت میں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالی شان مولوی مفتی اسداللہ خاں بہادر(۱) کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچائیے۔ میں تو آپ سے عرض کرتا ہوں ، مگر آپ مفتی صاحب سے کہیے کہ مجھ کو

---

(۱) مفتی اسداللہ خاں بہادر بن کریم قلی الہ آبادی ، پیدایش ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء ، مولانا فضل رسول بدایونی کے شاگرد تھے۔ مولوی احمد علی مصنف تذکرہ علمأ ہند نے ان سے مشکوٰۃ اور شرح عقائد نسفی وغیرہ پڑھی تھیں۔ پہلے صدر عدالت آگرہ میں قاضی تھے، پھر جون پور میں صدرالصدور رہے۔ یکم جمادی الاول ۱۳۰۰ھ / ۱۱- مارچ ۱۸۸۳ء کو وہیں انتقال ہوا اور محلہ چڑی ماروں میں دفن ہوئے ، (دیکھیے تذکرۂ علمأ ہند)۔

باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے - چھاپے کے اجزا اٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی ، جس کے دو شعر قطعہ بند ھیں :

ارزندہ گوھرے چو من اندر زمانہ نیست خود را بخاک رہ گزر حیدر افگنم
منصور فرقۂ علی اللهیاں منم آوازۂ ''انا اسداللہ ،، در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو - اتحاد اسمی (۱) ، دلیل مودت روحانی ہے -

اخی مکرم میر قاسم علی خاں کو سلام پہنچے - سال گزشتہ کی تعطیل کی طرح دلی آ کر مجھ سے بے ملے نہ چلے جائیے گا -

پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے- اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچتے ھیں - یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں- بندہ نواز ، فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے - پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوھی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رھی - حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے :

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر (۲) میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ھی کی تخصیص نہیں ، سب کو ، جن سے خط و کتابت رہتی ہے ، اردو ھی میں نیاز نامے لکھا کرتا ھوں - جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے - ان میں جو صاحب الی آلان ذی حیات موجود ھیں ، ان سے بھی عندالضرورت اسی زبان مروج میں مکاتیب و مراسلات کا اتفاق ھوا کرتا ہے - پارسی مکتوبوں ، رسالوں ، نسخوں اور کتابوں کے مجموعے شیرازہ بستہ ، چھاپا ھو کر اطراف و اقصاے عجم میں پھیل گئے - حال کی نثروں کو کون فراھم کرنے جائے ؟ جان کنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تحریر و تعلق

---

(۱) یعنی ھم نام ھونا - میرزا کا نام اسد اللہ خاں تھا - اور مفتی صاحب کا بھی یہی نام تھا -

(۲) مطبوعہ دیوان میں ''وہ،، کی جگہ ''اب،، ہے -

و بار سے دست بردار و آزاد و سبک دوش کر دیا۔ جو نثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آیندہ ہوں، انہیں کو جناب احدیت جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپایدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا۔ پس امید وار ہوں کہ آپ انہیں نذور(۱) محترہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دلریش و فروماندۂ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ما سوی ہوس۔ ۱۲

تعقید معنوی کو حضور خود جانتے ہوں گے۔ اس کی توضیح و تفصیل میں تحصیل حاصل و تطویل لا طائل کی صورت نظر آتی ہے، لہذا خامہ فرسائی بروئے کار نہیں آتی۔ ۱۲

(۳)

حضرت! تین دوستوں نے ''مؤلف محرق،، (۲) پر جس کا نام ''صاحب تپ محرق،، رکھا گیا ہے، جوتی پیزار کی ہے۔ ایک رسالہ جو موجود تھا، بھیجا جاتا ہے۔ وہ دو نسخے بھی اگر بہم پہنچ گئے تو بھجوا دوں گا۔ غزل بعد اصلاح کے بھیجی جاتی ہے۔ طرز فقیر مبارک ہو۔ ۱۲

۱۸۶۳ء

(۴)

حضرت! مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے۔ جب

---

(۱) نذر کی جمع یعنی پیشکش۔

(۲) ''محرق قاطع برہان،، مرتبہ سید سعادت علی جو مرزا غالب کی ''قاطع برہان،، کے خلاف لکھی گئی تھی۔ یہ مطبع احمدی واقع شاہدرہ (دہلی) میں چھپی تھی۔

حضور کی طرف سے کوئی سوال آئے گا، بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائے گا :

ہیں اپنے گنہ مزیل امید
ایمان کہاں ہے، ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے، مگر بیان ناقص ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں، رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں سے نکلتی نہیں۔

(۵)

پیر و مرشد :

ایک شمع ہے دلیل سحر، سو خموش ہے

یہ خبر ہے۔ پہلا مصرع :

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے

یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش، یعنی اندھیرا ہی اندھیرا۔ ظلمت غلیظ، سحر ناپید۔ گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں دلیل صبح کی بود پر ہے، بجھی ہوئی شمع، اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے، جس گھر میں علامت صبح موید ظلمت ہوگی، وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

متقابل ہے مقابل میرا   رک گیا دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا؟ نور و ظلمت، شادی و غم، راحت و رنج، وجود و عدم۔ مقابل اس مصرع میں بہ معنی مرجع ہے، جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم اور دوست از روے خوے و عادت ضد ہمدگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ آپ اپنی طرف سے اس کو استصلاح سمجھتے ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں (۱)۔ والسلام ۱۲

(۶)

فقیر اسداللہ نے اس کاغذ کے لفافے پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری اور ٹکٹ پر شاکر دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں ؟ بعد تامل یاد آیا کہ مولوی عبدالرزاق صاحب اسم شریف اور شاکر تخلص ہے۔ غور کیجیے کہ نسیان کا کیا عالم ہے ؟ واللہ اگر مجھ کو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے (۲)۔ یہ لفافہ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا، کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل کو دیکھا۔ کل یہ لفافہ روانہ کروں گا۔

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہمتا ہو کر
آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

یہ مطلع دلنشیں ہے مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے یا نہیں ؟

مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا
بیٹھ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہو کر
حرمت مے کے لیے پیر مغاں کا ہے یہ حکم
ریش قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

یہ شعر بے لطف ہو گیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ایہام ریش کہاں رہا ۱۲۔

---

(۱) یعنی آپ اسے اصلاح لینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فائدہ اٹھا رہا ہوں۔

(۲) مطلب یہ کہ نام کے ساتھ ''جعفری الحیدری،، دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی اور عبدالرزاق ہیں جن کی کوئی غزل پہلے اصلاح کے لیے نہیں آئی۔

''کارگاہ ھستی میں،،الخ (۱)

داغ ساماں مثل انجم انجمن ، وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سامان ھو - موجودیت لالے کی منحصر نمایش داغ پر ھے ، ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ھوتا ھے ۱۲ -

بعد اس کے یہ سمجھ لیجیے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ھے ، دھقان کو جو تنے ، بونے ، پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ھے اور ریاضت میں لہو گرم ھو جاتا ھے - مقصود شاعر کا یہ ھے کہ وجود محض رنج و عنا ھے - مزارع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ھوا ھے ، وھی لالے کی راحت کے خرمن کا برق ھے - حاصل موجودیت ، داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج -

غنچہ تا شگفتنہا(۲).....الخ

کلی جب .نئی نکلے ، بصورت قاب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے ''برگ عافیت،، معلوم - یہاں معلوم بمعنی معدوم ھے اور برگ عافیت بمعنی مایۂ آرام :

برگ عیسیٰ بگور خویش فرست

برگ اور سرو برگ بمعنی ساز و سامان ھے - خواب گل باعتبار خموشی، و برجا ماندگی - پریشانی ظاہر ھے یعنی شگفتگی - وھی پھول کی

---

(۱) پہلے شعر شاکر کے تھے، جن میں حک و اصلاح ھوئی - پھر میرزا نے شاکر کے استفسار پر اپنے بعض شعروں کی شرح کی - پہلا شعر یہ ھے :

کار گہ ھستی میں، لالہ داغ ساماں ھے
برق خرمن راحت ، خون گرم دھقاں ھے

(۲) میرزا کا پورا شعر یوں ھے :

غنچہ تا شگفتنہا ، برگ عافیت معلوم
باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ھے

پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے۔ باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہم سے رنج(۱)........الخ

پشت دست ، صورت عجز اور ''خس بدنداں و کاہ بدنداں گرفتن،، بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھ دی اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ، ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو ؟

قبلہ ، ابتدائے فکر سخن میں بیدل(۲) و اسیر(۳) و شوکت(۴) کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا :

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا
اسداللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان حال میں رہنے دیے(٦) ۱۲-

بندہ پرور، اصلاح نثری کی ضرورت نہیں ۔ آپ کی انشا کی یہ روش خاص ، دلچسپ اور بے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑیے اور جو میرا تتبع اور مجھ پر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو بامعان

---

(۱) ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ، پشت دست عجز ، شعلہ خس بہ دنداں ہے

(۲) میرزا عبدالقادر بیدل۔ (۳) میرزا جلال اسیر (۴) شوکت بخاری۔

(٥) بے شک میرزا نے وہ اوراق چاک کر دیے ہوں گے، لیکن وہ مجموعہ تو بھوپال میں محفوظ رہ گیا اور ''دیوان غالب،، نسخہ حمیدیہ کے نام سے چھپ گیا۔ جس پر ڈاکٹر عبدالرحمان مرحوم بجنوری نے نہایت عمدہ مقدمہ لکھا۔ یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ جو شعر بطور نمونہ مروجہ دیوان میں محفوظ رہے وہ ''دس پندرہ،، سے زیادہ ہیں ۔

نظر و صرف ہمت ملاحظہ فرمائیے اور مشق بڑھائیے۔ چشم بد دور، طبیعت حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن کے ہے۔ میں آپ کی رسائی ذہن اور قوت قلم سے امید قوی رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھیے گا۔ میرے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جائیے گا اور ان ہذا من برکتہ العلم یا مولانا و باالفضل و الکمال اولانا۔ ۱۲

یکم اگست ۱۸۶۵ء

(۷)

قبلہ و کعبہ،

فقیر پا در رکاب ہے۔ سہ شنبہ، چہار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم رام پور ہوگا۔ تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم (۱) کی تعزیت اور رئیس حال (۲) کی تہنیت۔ دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔ اب جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رام پور بھیجیں۔ مکان کا پتا لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔

مخمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں اور خط میں اٹھاتا ہوں۔ حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار، یاروفا شعار، علامۂ روزگار، ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب بہادر صدرالصدور دہلی المتخلص بہ آزردہ دام بقاءہ، و زاد علاءہ، کہ مجھ سے ملنے غم خانے پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے، خمسے کو دیکھ کر پسند فرمایا۔ حضور کی بلاغت کی تحسین کی۔ عربی مصرعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر مزے لوٹے اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تا دیر عذب البیان و رطب اللسان

---

(۱) نواب یوسف علی خاں مرحوم ناظم، جن کا انتقال اپریل ۱۸۶۵ء میں ہوا۔

(۲) نواب کلب علی خاں بہادر نواب جو والد کی وفات کے بعد فرمانروائے رام پور ہوئے۔

رہے اور مجھ سے بقدر میرے معلوم و بیان کے آپ کی صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے ۔ مبارک ہو ۔ نادیدہ و غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ ، تمنائے ملاقات بہ عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں ، لہذا میں لکھتا ہوں ، قبول فرمائیے گا ۱۲۔

اکتوبر ۱۸۶۵ء

(۸)

قبلہ ،

پہلے معنی ابیات کے سنئیے :

''نقش فریادی (۱) ....''الخ

ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے ، جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا ۔ بس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے ، اس کا پیرہن کاغذی ہے ؟ یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو ، موجب رنج و ملال و آزار ہے ۔

''شوق ہر رنگ(۲)........''الخ

''رقیب'' بمعنے ''مخالف'' یعنی شوق سر و سامان کا دشمن ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں ننگا تھا ، تصویر کے پردے میں بھی ننگاہی رہا ۔ لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر با تن عریاں ہی کھنچتی ہے ، جہاں کھنچتی ہے ۔

---

(۱) نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

(۲) شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا
قیسؔ تصویر کے پردے میں عریاں نکلا

''زخم(۱) نے داد..........'' الخ

یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے، جیسا کہ اس شعر میں :

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیئے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے۔ ''زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی'' یعنی زائل نہ کیا تنگی کو۔ ''پر افشاں'' بمعنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا؟ وہ تو خود ضیق(۲) مقام سے گھبرا کر پر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامۂ غالب(۳) کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے کتاب پڑھ نہیں سکتا، سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا، لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا۔ اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے، اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو۔ رسالہ اس کا ''ساطع برہان'' دلی پہنچ کر ڈھونڈوں گا(۴)، اگر مل گیا تو خدمت میں پہنچے گا۔

---

(۱) زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

(۲) تنگی۔

(۳) وہ طویل مکتوب جو میرزا نے میرزا رحیم بیگ مؤلف ''ساطع برہان'' کو اردو میں لکھا تھا اور اس میں رحیم بیگ کی کتاب کے بعض مطالب پر گفتگو کی تھی۔

(۴) ظاہر ہے کہ یہ خط رام پور سے لکھا گیا، جہاں میرزا صاحب نواب کلب علی خاں کے جشن جلوس میں شرکت کے لیے گئے تھے۔

جناب مستطاب میر قاسم علی خاں صاحب صادق القول ہیں۔ میرے گھر آئے ہوں گے، دروازہ بند پایا ہوگا۔ مگر ایک خدشہ ہے کہ حضرت میں اور میرے بھائی میرزا علی بخش خاں میں بہت ربط و اتحاد تھا اور وہ مرحوم، خدایش بیا مرزاد، کذب و گزاف میں ضرب المثل تھا۔ اس تصور سے اگر میں اس جملے کے سچ جاننے میں تامل کروں تو میرا تامل بے جا نہ ہوگا۔ بہ ہر حال ان کو میرا سلام کہیے گا ۱۲

"سیلاب چی"، ایک لفظ ہے ہندیان فارسی دان کا۔ اصل لغت "چلمچی" ہے اور یہ لغت ترکی ہے۔ معہذا "حباب آسماں"، جب تک کہ آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں، "حباب آسماں"، نہ مقبول نہ مسموع(۱) "دنأت"، مسموع ہے اگر فتح الف کا اشباع جائز ہو، ورنہ "دنأت پروری"، کی جگہ "ادنیٰ پروری"، بہتر ہے۔ بلکہ "دنأت"، بہ ہر حال صفت ہے، "پرورش"، موصوف کی چاہیے، نہ صفت کی۔ والسلام - ۱۲

(اواخر ۱۸۶۵ء)

(۹)

قبلہ،

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا، ۸- جنوری کو فقیر پہنچا(۲)، تھکا ماندہ، خستہ، رنجور۔ ہنوز افاقت کلی نہیں پائی۔ آج صبحدم ہوا بند ہے، دھوپ تیز ہے۔ پشت بآفتاب تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ غزل پہنچی ہے۔ گوند میں لتھڑ کر ایک ٹکڑا کاغذ کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باحتیاط اس کو لفافے سے نکالیں۔

ہے تمہارا آفتابہ آفتاب آسماں
دیکھ لو اپنی چلمچی میں حباب آسماں(۳)

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو یوں رہنے دیجیے۔

---

(۱) شاکر نے ایک شعر میں "حباب آسماں"، باندھا تھا۔ جس کا ذکر بعد کے خط میں آیا ہے۔
(۲) یعنی رام پور سے دلی۔
(۳) یہ وہی شعر ہے جس کا ذکر پیشتر کے مکتوب میں آچکا ہے۔

مولوی نظام‌الدین گنجوی علیہ‌الرحمۃ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا۔ انہوں نے از روے قواعد نحو اس میں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمات پہنچے تو فرمایا ''یاران! شعر مرا بمدرسہ کہ برد،،

جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا (۱)، ان سے پوچھا چاہیے کہ کیا آپ اسی پہلے مصرع میں سے (ظلمت کدے میں میرے) اس کو مبتدا اور (شب غم کا جوش ہے) اس کو خبر ٹھہراتے ہیں؟ پس اگر یوں ہے تو بھی مدعا حاصل ہے۔ دوسرا مصرع دوسری خبر سہی۔ آخر یہ بھی تو مسلمات فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبریں ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور ہے یعنی جملہ فعلیہ کے ما قبل جو عبارت ہوتی ہے، اس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرع ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ما قبل مبتدا کو قبول کرتا ہے۔ اگر ہم نے اس دستور پر مصرع اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں آتی۔ بہ ہر حال جو وہ صاحب اسی پہلے مصرع کو قرار دیں، وہ مجھے قبول ہے، مگر شعر میرا مہمل نہیں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟ بھائی میر قاسم علی خاں صاحب کو بندگی ۱۲

جنوری ۱۸۶۶ء

(۱۰)

قبلہ! اس عنایت نامے کا، جو مارچ گزشتہ میں پایا ہے، آج یکم اپریل کو جواب لکھتا ہوں، گویا نماز صبح قضا پڑھتا ہوں۔ جناب مولوی غلام غوث خاں بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری غرب و شمال کا کیا کہنا ہے۔ حسن سیرت وہ جو بعد ریاضت شاقہ اور بعد تحصیل فضائل

---

(۱) یہ وہی بحث ہے جو پہلے خط ۵ میں آ چکی ہے یعنی میرزا کے اس شعر پر بحث:

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل، سحر سو خموش ہے

اربعہ ملکۂ عدالت و حکمت و شجاعت و عفت حاصل ہوتا ہے، اس دانا دل بیدار مغز کو فطرت نے ودیعت کیا ہے۔ حسن صورت وہ، کہ جو دیکھے پہلی نظر میں حسن خلق و لطف طبع اس کو نظر آئے۔

فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آیا ہے۔ لغت و ترکیب معترض فیہ کی سند کے اشعار حضرت نے اس خط میں درج کیے ہیں: اللہ اللہ! جو کلکتہ میں شورنشور اٹھا تھا۔ میرا شعر:

جز وے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موے کہ بتاں راز میاں بر خیزد

خستۂ جراحتہاے اعتراض ہوا ہے۔ منشاۓ اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے، اس کا ربط ''ہمہ'' کے ساتھ بحسب اجتہاد قتیل ممنوع ہے۔ قضا را اس زمانے میں شاہزادہ کامران درانی (۱) کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا کفایت خاں اس کا

---

(۱) شہزادہ کامران، بن شاہ محمود درانی، بن تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی۔ شاہ محمود نے اس وقت کابل پر حملہ کیا جب اس کا بھائی زمان شاہ بھاری فوج لے کر اس غرض سے ہندوستان آیا تھا کہ شمالی ہند میں افراتفری پیدا کرے تا کہ دکن میں ٹیپو سلطان پر انگریزوں کا دباؤ کم ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمان شاہ کو لاہور ہی سے واپس ہونا پڑا۔ وہ شاہ محمود کے مقابلے میں ہار گیا۔ گرفتار ہوا اور آنکھوں میں سلائی پھرا دی گئی اور اس غریب کی باقی عمر جلاوطنی میں گزری۔ ۱۸۴۵ء میں بمقام لدھیانہ انتقال ہوا۔ پھر شہزادہ کامران اپنی بے تدبیری سے شاہ محمود کی سلطنت بگاڑنے کا موجب بن گیا۔ اس نے فتح خاں بارک زئی وزیر اعظم کو بے وجہ قتل کرا دیا۔ فتح خاں کے بھائی اٹھے اور شاہ محمود کابل و قندھار چھوڑ کر ہرات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ شاہ محمود کے انتقال پر کامران خود ہرات میں بادشاہ بن گیا اور ۱۸۴۲ء میں مارا گیا۔

نام تھا ۔ اس تک یہ قصہ پہنچا ۔ اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے پڑھے ہیں ، جن میں ''ہمہ عالم،، و ''ہمہ روز ،، و ''ہمہ جا ،، مرقوم تھا اور وہ اشعار ''قاطع برہان،، میں مندرج ہیں ۔

ہاں صاحب ، ''قاطع برہان،، میں اور مطالب بڑھائے اور ایک دیباچہ دوسرا لکھا اور ''درفش کاویانی،، اس کا نام رکھا اور اس کو چھپوایا ۔ ایک مجلد اس کا آج اس خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجتا ہوں ۔ بعد پہنچنے کے اس کو دیکھیے گا اور اکثر وقت فرصت پیش نظر رکھیے گا اور جس دن پہنچے ، اسی دن یا اس کے دوسرے دن رسید لکھیے گا ۔ اور اگر اور صاحب اس کے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھیے گا ۔ دس پانچ ، دو چار جلد بھیج دوں گا ۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر ، غزل پھر بھیجوں گا ۔

(یکم اپریل ۱۸۶۶ء)

میر غلام حسنین قدر بلگرامی

قدر ۱۲۴۹ھ—۱۸۳۳ء میں پیدا ہوے، ''غلام حسنین،، تاریخی نام ہے۔ یعنی اس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ والد کا نام سید خلف علی اور دادا کا سید کرامت علی تھا۔ وطن بلگرام، شادی کورتھ (ضلع شاہ آباد، بہار) میں ہوئی تھی۔ مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا، معاش کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ آخر محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ پہلے ہردوئی میں مدرس رہے، پھر کیننگ کالج لکھنئو میں عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۳ء میں میر محبوب علی خاں مرحوم نظام دولت آصفیہ کلکتہ کی نمایش دیکھنے کے لیے آئے اور آغا مرزا مخاطب بہ سرورالملک (جو میرزا غالب کے بھانجے مرزا مغل بیگ کے فرزند تھے) کے ایماء پر قدر نے قصیدہ نظام کی خدمت میں گزرانا۔ حکم ہوا کہ قدر حیدرآباد چلیں جہاں ان کے لیے چار سو روپے ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ضیق النفس اور ضعف معدہ میں مبتلا ہو گئے۔ حیدرآباد میں علاج سے افاقہ نہ ہوا تو لکھنئو آ گئے۔ اچانک پہلو میں دنبل نکل آیا۔ ۲۳۔ ذی قعدہ ۱۳۰۱ھ—۱۴۔ ستمبر ۱۸۸۴ء کو وفات پائی۔ دولت آصفیہ سے ان کی بیوی کے لیے دو سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا۔

قدر کی تصانیف خاصی ہیں، مثلاً مثنوی ''قضا و قدر،،، ''قواعدالعروض،،، شرح ''مجموعۂ سخن،،، شرح ''قصائد عرفی،،، ''مصطلحات اردو خط مجموعہ،،۔ یہ حالات زیادہ تر ''تلامذۂ غالب،، سے ماخوذ ہیں۔ ''سخن شعرا،، میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔

(۱)

بندہ پرور ،

آپ کے عنایت نامے کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی: ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا ، دوسرے آپ کی طرز عبارت مجھ کو پسند آئی ، تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد (۱) مغفور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد ہوں۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو؟ جب مزاج میں آئے نظم و نثر بھیج دیں ، میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گا اور آرایش گفتار یعنی حک و اصلاح میں دریغ نہ ہوگا۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جاں میں تاب و تواں نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اردو ، سو اس میں عبارت آرائی متروک۔ جو زبان پر آوے ، وہ قلم سے نکلے۔ پانو رکاب میں ہے اور ہات باگ پر، کیا لکھوں اور کیا کہوں؟ یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے؟ اور کی فیض رسانی اور قدر دانی کو کیا روئیں، اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے با آنکہ بیگانۂ محض ہوں ، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا ، بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصاف ہوں گے وہ اہل ہند ، جو افسردہ دل نہ ہوے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

---

(۱) مولانا غلام علی آزاد بلگرامی جو عربی اور فارسی کے یگانہ ادیب اور شاعر تھے اور ان کی کئی تصنیفات چھپ چکی ہیں۔ ۵- صفر ۱۱۱۶ھ (۲۹- مئی ۱۷۰۴ء) میں بعہد عالمگیر پیدا ہوے۔ ۱۷۸۶ء میں وفات پائی۔ ان کے تذکرے مثلاً "خزانۂ عامرہ"، "سرو آزاد"، "مآثرالکرام"، اور عربی دیوان نیز "سبحۃ المرجان"، مشہور کتابیں ہیں۔ "حسان الہند"، لقب تھا۔

کل آپ کا خط آیا۔ آج میں نے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب میں آپ کو ملال نہ ہو۔ والسلام مع الکرام۔

نگاشتہ بست و سوم فروری ۱۸۵۷ء۔

از اسداللہ

(۲)

حضرت،

میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں، مگر کیا کروں؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر بہ مثل آپ خود نظرثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں۔ جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں، تب جا کر حک و اصلاح کا طور بنے۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے، نہ کتابت۔

''زردشت آتشکدہ،، الخ زردشت کو آتشکدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانے سے۔ زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا، آتشکدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔

''آب حرام اشتیاق،،، آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ و رحیق و مے و راوق کی طرح اسم نہیں۔ ناچار ''شراب شوق،، یا ''بادۂ شوق،، لکھنا چاہیے۔ ''اشتیاق،، سے ''شوق،، بہتر ہے۔

''ماہم دو سہ جامگی علی التواتر زدہ بودم،،۔ ''ماز دہ بودم،، تمہارا دل اس ترکیب کوقبول کرتا ہے؟ ''من زدہ بودم،، یا ''ما زدہ بودیم،،۔ اس سے علاوہ ''دو سہ جامگی،، بکاف فارسی یعنی چہ؟ ''جام،، معلوم کاف تصغیر کا ''جامک،، چاہیے۔ ''جامگ،، کیا؟ مگر یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر،

طاهر وحید ، کسی کے ہاں ''جام'' کو ''جامک'' نہیں لکھا، ''دو سه جامگی'' کی جگه ''دو سه ساغر'' یا ''دو سه قدح'' لکھو۔

''با چناری گلستان بر باغبان است و تیماری و بر قدرداناں''۔ میں اس فقرے کو نہیں سمجھا ، یعنی ''بر باغبان'' کیا ہے ؟ ''تیماری'' کیا ہے؟ ''تیمار'' بمعنی ''بیمار داری'' و ''غم خواری'' ہے۔ جب یه لفظ خود افادہ بمعنی مصدری کرتا ہے تو ''یائے مصدری'' کیسی ؟

''تیرہ شبی ها بسر آمد''۔ ''تیرہ شبہا بسر آمد'' ، خیر ، ''تیرہ شبے بسر آمد '' ۔ یعنی چه ؟

''لیلائے دیدم که با هزار طرۂ طرار''۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں ۔ وہ دو ہوتی ہیں نه که هزار در هزار۔

''جامگی'' مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا ، حضرت نے جو کہیں ''جامگی خوار'' دیکھا ہے تو اس کو ''جام خوار'' به معنی ''شراب خوار'' سمجھا ہے۔ یه غلط ہے۔ ''جامگی خوار'' اس نوکر کو کہتے ہیں که جس کی تنخواہ کچھ نه ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔ نظامی نوکر حضرت خضر کے کتنا روزینۂ سخن پاتے ہیں، جو خضر فرماتے ہیں :

تو اے جامگی خوار تدبیر من ز جام سخن چاشنی گیر من

''در توبه باز است و باب رحمت فراز'' ، معنی اس کے یه که توبه کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ ''فراز'' اضداد میں سے نہیں ہے۔ ''باز'' کھلا ، ''فراز'' بند۔

''قدر زعفران زار را بوے گل کرد''۔ اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ''قدر زعفران زار'' کیا ؟ اور پھر اس کو کس نے ''بوے گل'' کر دیا ؟

''سہ کرر،، ۔ کدام زبان است ؟ عربی یا فارسی ؟

''حسب لیاقت خود،، کافی است ، ''خودم،، چہ محل دارد ؟ مگر ہما شیوۂ قتیل ۔ ''بندہ مجبورم،، ، ہماں سکۂ قتیل ۔

صاحب بندہ ، تحریر میں اساتذہ (کی تحریر) کا تتبع کرو ، نہ یہ کہ مغل کے لہجے کا ۔ لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے ، نہ دبیروں اور شاعروں کا ۔ زیادہ ، زیادہ ۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجیے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا ، ہر مہینے میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا ، بھیجیے ۔

رہا جواب کا لکھنا ، کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ۔ ہر روز صبح کو قلعہ جانا ، دوپہر کو آنا ۔ بعد کھانا کھانے کے حضرت (۱) کے مسودوں کا درست کرنا ۔ احباب کو خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہات آتی ہے ۔ والسلام

(۳)

سوال :

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد   گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ناسخ :

رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہون احسان توسہی

اس ''سہی،، اور ''تو سہی،، کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟ ۱۲

(قدر)

---

(۱) بہادر شاہ ظفر ، ۱۸۵۴ء میں شیخ ابراھیم ذوق کی وفات کے بعد اصلاح شعر کی خدمت میرزا غالب سے متعلق ہو گئی تھی ۔

جواب :

اسمأ کے یا لغات کے واسطے یہ بات ھے کہ عربی میں یہ کہتے ھیں اور فارسی میں یہ اور ھندی میں یہ ۔ طرز گفتار ھندی کی فارسی یا فارسی کی ھندی کبھی نہیں ھو سکتی ۔ مثلاً "چوری کا گڑ میٹھا" ، اس کی فارسی نہ پوچھے گا ، مگر نادان ۔ "سہی" اور "تو سہی" کی فارسی کیوں کر بنے؟ یہ روز مرہ اردو ھے :

گر نہیں وصل تو حسرت ھی سہی

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ھو سکتی ھے ۔ "وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد" !

زاھدا تجھ کو کروں مرھون احساں تو سہی

ایک نوع کی تنبیہ ، ایک قسم کا دعویٰ ھے ۔ "نامرد باشم اگر فلاں کار نکنم" ، تا "فلاں کار نکنم نیاسایم" ۔ اھل ھند کی فارسی اس طرح خام اور نا تمام رھی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاھی اور اردو کے خاص روز مرے کی فارسی بنایا کیے ۔ ھندی میں "کچھ نہیں" کی جگہ "خاک نہیں" بولتے ھیں ۔ فارسی میں "ھیچ نیست" کی جگہ "خاک نیست" کبھی کوئی نہ کہے گا ۔ قتیل چاروں شانے چت گرا ھے :

کشتہ بر کشتہ تپاں بود ، دگر خاک نبود

یعنی "ھیچ نبود" ، لا حول ولا قوۃ ۔

ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا ۔ چونکہ میں بلی ماروں کے محلے میں رھتا ھوں ، اس نے پتا لکھا کہ "در محلہ گربہ کشاں" ۔ واہ فارسی ! ۱۲

مردم از من داستاں رانند و از دوران چرخ
گشت صرف طعمۂ زاغ و زغن عنقاے من

قدر :

کاٹ کر غیروں کا سر لائے جو میری نذر کو
ڈال دوں سونے کا آنڈو پانو میں جلاد کے

''آنڈو،، (۱) به دال ہندی یا به دال عربی ؟ بھائی واللہ ! یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا - میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں - ہاں سنا ہے کہ فلانا سردار ایسا بہادر و ثابت قدم تھا کہ معرکۂ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں ''آنڈو،، ڈلوا دیے - ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کے مانع رفتار ہو - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے - استعمال اس لفظ کا محل انعام میں نہیں چاہئیے -

''آبستن،، و ''آبست،، کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ ''آبست،، کو بجائے ''آبستن،، سمجھتا ہے - ''آبست،، کوئی لفظ نہیں ہے - ''آبستن،، اصل لفظ اور ''آبستنی،، مزید علیہ - یہ دونوں صحیح ، بلکہ آبستنی زیادہ فصیح - اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا ، تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں ؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع - ''ارمغان،، و ''ارمغانی،، ''آبستن،، و ''آبستنی،، اے یہ تو فارسی لغت ہیں - فارسی گویوں نے ''حضور،، کو ''حضوری،، اور ''فضول،، کو ''فضولی،، اور ''نقصان،، کو ''نقصانی،، لکھا ہے -

---

(۱) آنڈو لوہے کا کڑا ہوتا تھا ، جسے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیتے تھے - بظاہر وہ کڑا دوہرا ہوتا تھا - جسے آگے یا آگے پیچھے کے دو پاؤں میں ڈالتے تھے - اس کی وجہ سے ہاتھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تھا - میدان جنگ میں استقلال و استقامت کی یہ بھی ایک تدبیر تھی جو زمانۂ ماضی میں استعمال کی جاتی تھی -

آج تک سنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو ۔ ہاں "کبریائے الہی" یعنی خدا کی بزرگی۔ اس نظر پر "رب کبیر" لکھیں گے، نہ رب کبریا۔ کبریا صفت واقعی ہے، لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے، جیسا "زید عادل"، "جناب کبریا" بجائے "جناب الہی" جائز۔

ایک نکتہ دقیق ہے، یعنی مذہب حقۂ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں۔ اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور ائمہؑ رض کے ہمارا قول درست ہے۔

"حال" کی جگہ "حالات" یا "احوال" لکھنا قبیح نہیں ہے، خصوصاً احوال کہ یہ بہ معنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ "احوال" بہ معنی جمع مستعمل نہیں ہوتا، جیسے حور کہ بہ معنی "حورا" کے ہے۔ اہل فارس اس کو صیغۂ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں۔ سعدی کہتا ہے:

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ "حور" کو "حوری" کہہ کر اس کی جمع "حوریان" لاتے ہیں۔ حافظ لکھتا ہے:

حوریان رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے:

جان غالب تاب گفتارے کجاں داری ہنوز
سخت بے دردی کہ مے پرسی زما احوال ما

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے، وہ "آبستنی" کیوں لکھتا اور میں "احوال" کیوں لکھتا؟

صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرع یہ ہے :

هر لحظه دارم نیتے ، چوں قرعهٔ رمالها

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے ۔

داد کا طالب ، غالب

''ملک مغرب ، بلدهٔ دهلی ، کٹرۂ رودگراں،، یہ کیا لکھا کرتے ہو ؟ شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے ، محلہ غلط بلکہ زائد ۔ ہندوستان میں دلی کو سب جانتے ہیں اور دلی میں مجھ کو سب پہچانتے ہیں ۔

انصاف کا طالب ، غالب

(۵)

''تئیں ،، کا لفظ متروک اور مردود، قبیح ، غیر فصیح ۔ یہ پنجاب کی بولی ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی ۔ وہ ''تئیں،، بولتی تھی تو بیبیاں اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں :

خروش رعد غراں می شود پا در رکاب از بیم
عناں بر سینه چوں پیچد کرنگ (۱) برق جولانش

یہ شعر ناطق (۲) کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ ، سندھ کا رہنے والا ۔ اس کا منطق کیا اور اس کی زبان کیا ؟ پا در رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے لیے آمادہ و مستعد ہونے سے ، خواہی منشاء عزیمت خوف ہو ، خواہی کوئی اور سبب ۔

---

(۱) کرنگ : سرخ رنگ کا گھوڑا ۔

(۲) گل محمد خاں ناطق مکرانی بلوچستانی ۔ وطن سے ہندوستان پہنچا ۔ لکھنئو میں عمر گزار دی ۔ محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کی مدح میں قصیدے لکھے ۔ ۱۲۶۴ھ - ۱۸۴۸ء میں وفات پائی ۔

''عنان بر سینہ پیچد'' مہمل و محض مہمل ۔ نہ روز مرہ ، نہ محاورہ ، نہ اصطلاح ، نہ مفید معنی درنگ ، نہ مفید معنی شتاب ۔

''طیار'' صیغہ مبالغے کا ہے لغت عربی، املا اس کی طاے حطی سے ، ''طیر'' ثلاثی مجرد ، ''طائر'' فاعل ، ''طیور'' جمع ۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا ، حقیقت بدل گئی ، طوے تے بن گئی ۔ یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا ، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز ، فلاں شکرہ ، ''طیار'' شدہ است و صید مے گیرد ۔ بہ ہر حال اب تاے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا ۔ اس لفظ کو مستحدث(۱) اور دراصل اردو اور بہ تاے قرشت اور بہ معنی آمادہ ، اشخاص اور اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی جائز نہ ہوگا ۱۲

فقیر کے نزدیک ''نقاب'' اور ''قلم'' اور ''دھی'' ترجمہ جغرات ، یہ تینوں اسم مذکر ہیں ۔ منکر سے مجھے بحث نہیں ۔ مجیب کا میں احسان مند نہیں ۔ لغت فارسی ہو اور روز مرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں ۔ منطق فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں ؟ پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے(۲) ، یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعراے دہلی و لکھنئو ۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے ، زیادہ جھگڑا بے فائدہ ۱۲

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے

تمام جوہر تیغ زباں ابھر آئے

غزل کی زے یہاں ساکن ہے لیکن بہ سکون جائز ہے ۔ ''قدم'' مفرد ''قدموں'' جمع ہے ۱۲ غالب

---

(۱) نو مولود ۔ نیا پیدا کردہ لفظ ۔

(۲) ہم سے مراد صرف راقم نہیں بلکہ تمام شرفا و شعرا دہلی و لکھنئو یعنی جن کی زبان مستند مانی جاتی ہو ۔

''کھو رہا ہوں،، متعدی ہے۔ پوربیے اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی ''کھو گیا ہوں،،۔ ہم کہیں گے ''جاگتے ہیں،،، اہل پورب کہیں گے ''جگتے ہیں،،۔

جان و دل ، دل و جگر یہ صحیح ، ''جان و جگر،، ٹکسال باہر۱۲ ''فریاد،، مؤنث ہے۔ فریاد کر لینی چاہیے، ''فریاد کر لینا،، انگریزی بولی ہے۔ ''فکر،، مؤنث ہے۔ معشوق کو ہم زاد بنانا ظرفا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

اندیشۂ بلند رو لامکاں نورد چوں خواست بام جاہ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چوسپہراز فراز کوہ بعد ز ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد(۱)

پہلے مصرعے میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا ، جو مصرع ثانی میں ہے۔ ''نہاد،، بہ معنی مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں ''دید،، اور ''نہاد،، کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھوگے تو یہ معلوم ہو گا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسماں کو چھو لیں گے۔ مگر جب چوٹی پر پہنچوگے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤگے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ فرقداں ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر۔ ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقداں پر سے بام جاہ ممدوح نظر آوے گا ، بہت قریب۔ ہم فرقداں پر گئے۔ وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقداں پر ہزار پائی رکھی۔ اس پر چڑھ کے دیکھا ، تو بام ممدوح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا ۱۲

''لگا دیتے ہو،، اور ''اٹھا دیتے ہو،، خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم معشوق مجازی کو ''تم،، اور ''تو،، دونوں طرح

(۱) یہ شعر میرزا غالب کے ایک قصیدے سے ہیں ، جو منقبت میں لکھا گیا ، یعنی کلیات نظم فارسی کا آٹھواں قصیدہ۔

یاد کرتے ہیں خدا کو یا ''تو،، کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب ، یعنی صیغہ جمع غائب کا ، نظر بہ قرینہ ، افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے ۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ ''دیتے ہو،، ، اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا :

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو
ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو ؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی ، کوئی لونڈا ، اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذالقیاس دو ایک شعر اور بھی ۔ ناچار صیغہ جمع رکھ دیا تاکہ خوباں اور بتاں کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کی طرف ، آپ کے لفظ کے ساتھ یا قضا و قدر کی طرف ۔ اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا(۱) ۱۲ غالب

س : ''بود ،، اور ''باشد،، کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بہ معنی ''ہست،، آتے ہیں یا نہیں ؟ ۱۲ قدر

ج : البتہ آتے ہیں ۔ غالب

س : نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے ؟ قدر

ج : بے جا ہے ۔ جب تک علامت استمرار نہ ہو ، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں ؟ غالب

س : پارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ؟ قدر

ج : خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی ، فارسی میں کہاں سے ہوگی؟ مقتضب صفت بحر کی ہے ، نہ صفت مصدر کی ۱۲ غالب

---

(۱) مطلب یہ کہ ردیف میں ''ہو،، کی جگہ ''ہیں،، بنا دیا ۔

س : کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟ ۱۲ قدر

ج : جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں ۔ مثلاً ''گشتن،، کو ''گشتاندن،، نہ لکھیں گے ، ''گردد،، سے مصدر بنائیں گے ''گردیدن،، اور اس کو ''گرداندن،، اور ''گردانیدن،، کہیں گے ، جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا ، وہ متعدی نہ بنے گا ، جیسے ''برشتن،، اور ''خستن،، ۱۲ غالب

س : پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے ؟

ج : اردو مرکب ہے فارسی اور ھندی سے ، یعنی ''پناہ ،، کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں ۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے ، ھاں پناہ کی ھندی آسرا ہے ۔

''بر نہ آنا،، فصیح ، ''نہ بر آنا،، ٹکسال باھر ۔ قافیہ ھائے اصلی الفیہ سیکڑوں ھیں ۔ ان کو چھوڑ کر ''نسخہ،، اور ''نامہ،، اور ''افسانہ،، ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نا مناسب نہیں ؟ ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب

(۶)

حضرت ،

آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے ۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں ۔

''رنگ،، بوزن ''سنگ،، ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے - جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعضے منصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا -

''رنگنا،، بوزن ''چند جا،، نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں :

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی

یہ صحیح اور فصیح ہے :

ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی

یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے -

''خرام،، کو کون مؤنث بولے گا مگر وہ کہ دعوی فصاحت سے ہاتھ دھوئے گا ؟ ''رفتار،، مؤنث اور ''خرام،، مذکر ہے - رفتار کی تانیث کو ''خرام،، کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق (۱) ہے -

حرف مسروری جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں ، موحدہ سے زاے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں - مولوی آل نبی سہارن پوری اور مولوی امام بخش (۲) دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا - مولوی امام بخش ''با،، کو ''بے،، کہنا جائز نہیں رکھتے تھے - آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا ، مگر صرف از روے تلفظ اور اس کی اجازت - کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں - اردو میں طا کو طوے اور ظا کو ظوے کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں - لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زاے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی - ''طا،،

---

(۱) یعنی دو چیزوں کے درمیان اشتراک و مناسبت کا لحاظ رکھے بغیر ایک کو دوسری پر قیاس کرنا -

(۲) مولوی امام بخش صہبائی -

''ظا،، کو ''طا،، ''ظا،، ہی کہیں گے ، نہ طوے ، ظوے ، نہ ''طے،، ''ظے،، ۔ علیٰ ھذالقیاس حروف باقیہ ۔

انوری :

ز غایت کرم اندر کلام تو ''بے،، نیست
بہ اعتقاد تو ضد است نون مگر ''بے،، را
بہ عہد جود تو دائم بہ یک شکم زاید
زمانہ صوت سوال و صدائے آرے را

(۷)

حضرت ،

کیا فرماتے ہو ؟ ''ھوا بھی ہو،، ''قضا بھی ہو،، اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولی آ نہیں سکتا ۔ ''بیتابی ہو،، ''مہتابی ہو،، کیوں کر درست ہوگا ؟ وہاں موحدہ کے مابعد ہائے ہوز ہے ، یہاں موحدہ کے آگے نہیں ۔ ''چاپی،، کہ بائے فارسی اور یائے حطی ہے ، کاپی اور راپی اور پاپی یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں ۔ چاپی لغت انگریزی ہے ۔ اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے ، بلکہ مزا دیتا ہے ۔ تار بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں ۔ اوروں نے بھی باندھے ہیں ۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری ، خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں ۔ چابی بہ معنی کلید شوق سے لکھو نہ چابھی ۔ ناسخ لکھتا ہے : ''میم صاحب،، کے آگے کے الفاظ بھول گیا آخر مصرع یہ ہے :

. . . . مس کے ناز بے جا اٹھاؤں کس کس کے

الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں :

نگین دل سوا کھو دے تو گھر نیلام ہو جائے

صاحب، تم نے مثنوی خوب لکھی۔ کہیں املا میں کہیں انشا میں، جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔ فکر تاریخ مثنوی سے مدت العمر معاف رہوں ۱۲ والسلام۔

(۸)

مشفق میرے،

میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلی میں پہنچا تھا، مگر چونکہ اس خط میں آپ کے مسکن کا پتا نہیں لکھا تھا، میں تحریر جواب میں قاصر رہا۔ اب جو یہ خط رام پور میں پہنچا، اس میں پتا مرقوم تھا، میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے، وہ بکس وہیں رہا۔ اب جب تک دلی نہ جاؤں گا، ان کو نہ پاؤں گا، اور ایک آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلی تھا تو ایک خط میاں نوروز علی خاں کا تمہارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تھا۔ چونکہ ان دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا، میں نے اس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے۔ خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں؟

برخوردار میرزا عباس (۱) کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اب آپ مجھ کو خط بھیجیے، تو رام پور بھیجیے۔ پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں، رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔

خوشنودی کا طالب، غالب (۱۸۶۰ء)

---

(۱) میرزا غالب کے بھانجے جو یو پی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ بظاہر قدر بلگرامی نے میرزا کو سفارش کے لیے لکھا ہوگا۔

(۹)

سید صاحب،

تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہ ہونا۔ اب غزلوں کو دیکھا، کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔ مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں۔ صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدے کا بھیجنا، زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔ یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں، اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتی، یہ توسط میرے خلاف وضع ہے۔ مجھ کو معاف رکھیے اور اب جو خط بھیجیے، دلی کو بھیجیے گا کہ میں اس مہینے میں ادھر کو جاؤں گا۔ رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو۔ والسلام مع الاکرام۔

سہ شنبہ ۱۳- مارچ ۱۸۶۰ء غالب

(۱۰)

سعادت و اقبال نشان، میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہئیں یعنی پانسو تیس:

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجایش کہاں کہ پانسو تیس نکل جائیں اور ۱۲۷۸ بچ رہیں؟

صاحب، تم بہت دن سے بیکار ہو۔ ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے۔ تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مہری لے کر لکھنئو چلے جاؤ، مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ ان کو پڑھوا دو۔ اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی غرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے۔ تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا۔ معزز و مکرم رہوگے، زندگی کا لطف اٹھاؤگے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ لکھنئو تم سے نزدیک ہے، اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اگر نوکر نہ ہو جاؤگے، پھر چلے آنا۔ بخت آزمائی ہے۔

(۱۱)

بندہ پرور،

آپ کا خط لکھنئو سے آیا، حالات معلوم ہوئے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپ کے سپرد ہوا ہے؟ یہ بھی لکھیے۔ چند روز صبر کرو اگر وطن میں ہوتے تو اس بیکاری میں گھر کی خبر کیا لیتے؟ جس طرح جب گزرتی، اب بھی گزر جائے گی۔ بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا۔ بہ ہر حال ابھی اضافے کے واسطے نہ تم کہو، نہ میں لکھوں۔ دو چار مہینے کام کرو۔ اس اثنائ میں اگر بلگرام میں چھاپے خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہونا بھی تو حیز امکان سے باہر نہیں۔

(۱۸۶۱ء)

(۱۲)

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے۔ آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوایا۔ اس

رقعے کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ ان کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے؟ ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا؟ جاری ہے تو تصحیح کس کے طور پر ہے؟ قصیدے اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو مثنٰی بھیج دوں؟

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے ہیں یا نہیں؟ ''قاطع برہان،، کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں، ان میں سے ایک جلد لے کر، جناب فیض مآب، خداوند نعمت، آیۂ رحمت، قبلہ و کعبہ، جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس پایے پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار ہوں، صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔

سمجھے سید صاحب؟ منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ فرمائیں، اس تقریر میں تغیر باالمرادف بھی نہ ہو (۱)۔ جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو، ہو بہو لکھ بھیجو۔

ہاں مولوی ہادی علی صاحب (۲) کا جو حال معلوم ہو، وہ بھی ضرور

---

(۱) یعنی بجنسہ وہی الفاظ لکھو جو مجتہدالعصر فرمائیں۔ یہ بھی نہ ہو کہ ادائے مفہوم کے لیے ان کے مستعملہ الفاظ کے ہم معنی الفاظ استعمال کرو۔

(۲) منشی نولکشور کے مطبع میں تصحیح کتب کے کام پر مامور تھے اور تصحیح میں انہیں بڑی شہرت حاصل تھی۔

لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا ۔ بھائی صاحب ، از راہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں ۔

دو شنبہ پنجم ذی‌القعدہ و مئی سال رستاخیز (۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۶۲ء) ۔

(۱۳)

سید صاحب ،

آپ کا خط ، جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا ، پہنچا ۔ میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی ۔ اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر ان کے حکم سے ایک اور نسخہ ''قاطع برہان'' کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے ، یقین ہے کہ اس کی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤں گا ۔

ہاں صاحب ، منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں ، اب قیمت کا روپیہ بھیج کر سینتالیس اور منگائے لیتا ہوں ۔ کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں ؟ اہل مطبع کو خدا ، منشی صاحب کے سایہ عطوفت میں ، سلامت رکھے ، کہہ لیں گے چھاپا ۷۸ (۱۲۷۸ھ) میں شروع ہوا ، ۷۹ (۱۲۷۹ھ) میں تمام ہو گا ۔ مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو ۔

۲۴ - مئی ۱۸۶۲ء　　　　　　جواب کا طالب ، غالب

(۱۴)

سید صاحب ،

آپ نے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا اپنے پاس امانت رکھیے ، جب مفتی صاحب آئیں ان کو پہنچا دیجیے۔

تمہارا قصد یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا۔ وہاں کے ہنجار میں کچھ سستی پائی جو فسخ عزیمت کیا؟ اس کی کیفیت ضرور لکھیے اور جو تم نے سپارش کے باب میں لکھا ہے ، میں اس خواہش کو کیوں کر قبول کروں ؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں ، مرید نہیں ، صورت آشنا بھی تو نہیں ، کیوں کر لکھوں ؟ معہذا تمہارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے - یعنی وہ صاحب سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت وکایت لکھی ہوگی - جب غالب نے مجھ کو یہ لکھا ہے -

اس وقت آپ کی وحشت انگیز تحریر پہنچی - ادھر اس کو پڑھا اور ادھر یہ خط تمہیں اور ایک مرزا عباس کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا - لیکن چونکہ بلاد شرقیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے ، ناچار یہ تینوں خط بند کر کے تمہارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط پیڈ رکھ چھوڑتا ہوں - کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دوں گا ، خاطر جمع رکھو - میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا کہ مفید مطالب ہوگا ، ان شاءاللہ العلی العظیم -

چہارشنبہ بارہ پر تین بجے

خوشنودی احباب کا طالب ، غالب

(۱۵)

صاحب ،

واللہ ، سوائے اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا - کیسے چار خط تم نے بھیجے ؟ کیوں باتیں بناتے ہو ؟ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے -

بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔ برخوردار میرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے: مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہوا کہ تمہارے ہمسایے میں آئے ہیں۔ اب ان سے ملیے، خدا ان کو مروت کی توفیق دے۔

مطلع میں اپنا نام لکھنا رسم نہیں ہے۔ "میر" کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ میر جی اور میر صاحب کو کے وہ اپنے آپ کو لکھ جاتا ہے۔ اور(۱) کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے۔

غالب

(۱۶)

صاحب،

تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ میرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ میرزا کی بی بی میری بہو ہے، بیٹی نہیں۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے، کیا سمجھ کے لکھا؟ میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے، نہ نواسا نواسی۔ مجھ کو اس کی اولاد کا جد فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے۔

خیر، یہ تو ظرافت تھی، تم یہ تو بتاؤ کہ میرزا لکھنئو کیوں جاتا ہے؟ اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا۔ بذات خود اس تکلیف بے جا کو گوارا کرنا کیا ضرور؟ یہ بات جواب طلب ہے۔

میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ میرزا کی استدعا سے قطع نظر، میرا دل بھی تو پتھر یا لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے

---

(۱) اور بہ یعنی دوسرا۔

کو نہ چاہے۔ ایک بہن، اس کی مجموع اولاد وہاں۔ میرا تو وہ خانہ باغ ہے۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا؟ بشرط صحت آؤں گا۔ ان شاءاللہ۔

صبح یکشنبہ ۳ رمضان ۲۲- فروری سال حال

(۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۳ء)

(۱۷)

میر صاحب،

ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں لمبر اور سات پارچے اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنسن جاری ہو گیا۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگزاشت ہو گیا، مگر دلی میں دربار نہیں، انبالے آؤگے تو دربار میں لمبر اور خلعت معمولی پاؤگے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزا پایا اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے۔ دربار کیا۔ میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آ کر مجھ کو بلا لے گیا۔ بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں ردیف الف کی، یہ امر قابل پرسش کے نہیں، بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو صاحب دیوان مشہور ہیں، حافظ و صائب و کلیم و سلیم، ان کے آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو۔ کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤگے، چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۱۸۶۳ء

(۱۸)

صاحب،

میں برس دن سے بیمار تھا۔ ایک پھوڑا اچھا ہوا، دوسرا پیدا ہوا۔ اب فی‌الحال دونوں پانو ہاتھوں میں نو پھوڑے ہیں۔ دونوں پانو پر دو پھوڑے پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عمق ہڈی تک ہے۔ انہوں نے مجھ کو بٹھا دیا، اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے، پلنگ پر سے کھسل پڑا، پھر پڑ رہا۔ روٹی بھی اسی طرح کھاتا ہوں؟ پاخانے کیا کہوں کیونکر جاتا ہوں؟ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں۔ نیم مردہ ہوں، قریب بمرگ ہوں۔ افادہ و استفادہ و اصلاح کے حواس نہیں۔ غزل رہنے دی۔ یہ حال تم کو لکھ بھیجا۔

سہ شنبہ ۲۳۔ اگست ۱۸۶۳ء نجات کا طالب، غالب

(۱۹)

سید صاحب،

تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ تم کیوں شکر گزار ہوتے ہو؟ جو کچھ نیکی اور نکوئی اس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے، اس کا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں۔ بھائی، اس کا جوہر طبع از روے فطرت شریف ہے۔ پروردگار اس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے۔ یہ اپنے والد کے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے، پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے۔

وہ اپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا۔ میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا، مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاش

کہ جب ایسا ہوتا ، جیسا اب ہوں ، تو سب سے پہلے پہنچتا۔ جی اس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھوں اس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے۔

میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحب فراش رہا ہوں۔ چھوٹے بڑے زخم باراں اور ہر زخم خون چکاں۔ ایک درجن پھاے لگ جاتے تھے۔ جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے، وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں، کبھی پیتا ہوں مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پانو کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ معہذا متورم ہیں، جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا، مگر ہاں یہ میرا شعر :

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمے میرم ہم ز ناتوانی ہاست

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستروان برس شروع ہوگا۔

چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار

پس اب شکوۂ ضعف نادانی ہے، ایمان سلامت رہے۔

سہ شنبہ ۲۴۔ نومبر ۱۸۶۳ء   نجات کا طالب ، غالب

(۲۰)

قرۃالعین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالیٰ

تمہارا خط پہنچا ، دل خوش ہوا۔ مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو؟ تم کچھ لکھو تو جانوں۔ واللہ ، اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے ان کو دیکھا ہو، چہ جاے اختلاط و ارتباط۔ صرف بہ رعایت جانب حق چند کلمات انہوں نے لکھے ہیں۔ تم میرے یار ہو اور میری خدمتگزاری کے حقوق ہیں تم پر ، مجھ کو مدد دو اور

اپنی قوت علمی صرف کرو ـ ''محرق قاطع برہان'' میرے پاس موجود ہے، مجھ سے منگواؤ ـ میں ہر موقع پر خطا اور زلت (۱) مولف کا اشارہ کر دوں گا ـ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو ـ عامی نہیں ہو، عالم ہو ـ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر ''محرق'' کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں ـ تمھارے پاس دو نسخے، ایک ''دافع ہذیان''، ایک ''سوالات عبدالکریم''، مع استفتاء و افتاء دستخطی علمائے دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچیں گے ـ تم کو معارضہ بہت آسان ہو گا ـ مدعی کا کلام در اصل لغو، پھر تمھارے پاس سرمایہ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اس پر مزید علیہ ـ اس پر ''محرق'' کا خاکہ اڑ جائے گا ـ میرے پاس اس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخۂ مطبوعہ نامطبوعہ ''محرق'' بسبیل ڈاک بھیج دوں ـ مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے، اسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے، پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے ـ غالب اثنا عشری حیدری ـ

ہاں صاحب آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی کا خط مع اشعار آیا ـ اور میں نے اس کا جواب بھجوایا ـ اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا، مگر آغاز کا خط نہ آیا ـ اس مسودہ کو صاف کر کے تمھارے پاس بھیجتا ہوں (۲) ـ آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا، وہ بھی بھجوا دیا جائے گا ـ

---

(۱) زلت : لغزش ـ

(۲) اس سے مراد غالباً وہ مکتوب ہے جو کلیات نثر فارسی (آہنگ پنجم) میں ص ۲۰۱-۲۰۲ پر چھپا ہے ـ اس کے آغاز میں یہ شعر ہیں :

نا خدائے سفینہ معنی — آں محمد حسین والا جاہ
سوے من نا گرفتہ رو آورد — بہ سرم گل ز نامہ زد ناگاہ
رندی و راستی شعار من است — مومنم لا الہ الا اللہ
بستودن اگرچہ شادم کرد — من ہماں ناکسم سخن کوتاہ
من کہ بے رنجم از نگہ کہ مرا — در نظر نیست غیر روز سیاہ
ویژہ در آرزوے دیدن اوست — کہ نگہ داشتم بہ دیدہ نگاہ

سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خاں کو میری دعا کہنا اور یہ ورق ان کو سراسر پڑھا دینا۔

(۲۱)

سید صاحب،

تم "قدر" اور نورچشم مرزا عباس "قدر داں"، خاطر جمع رکھو۔ نوکری تمہاری ہو جائے گی۔ صاحب کی اور راجا کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں، مگر میرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو۔ یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب، جس میں گلبن ہزار در ہزار، میوہ دار درخت بے شمار، زمین سراسر سبزہ زار، بہت حوض، بہت نہریں۔ مٹی نظر نہیں آتی، سبزہ یا لہریں۔ فقیر غالب تمہارا خیر خواہ اور تمہارے ممدوح کا دعا گو ہے۔

۱۲۸۴ھ - ۱۸٦۵ء

(۲۲)

حضرت،

فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں، شعر دیکھنے سے نفرت ہے۔ پچھتر برس کی عمر(۱)، پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا۔

---

(۱) اگر اس خط کو ۱۸٦۸ء کا بھی فرض کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ میرزا کی عمر پچھتر کی نہ تھی، لیکن یقین ہے یہ بالکل آخری دور کا خط ہے، جب ضعف، ہجوم آلام اور عوارض بدنی نے ان کے لیے زندگی سراپا تکالیف بنادی تھی۔ خصوصاً یہ خط کسی ایسے وقت میں لکھا گیا، جب وہ بہت پریشان تھے۔ ان کی عمر بہ حساب قسنین قمری تہتر برس تین مہینے اور تئیس دن کی تھی۔

نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔ بقول انوری:

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔

اسداللہ خاں المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم‌الدولہ، خدایش بیامرزاد

سید فرزند احمد بلگرامی

میر فرزند احمد بن سید عبدالحی عرف میر سید احمد متخلص به احمد حسین واسطی ۔ اصل وطن بلگرام تھا ۔ بعد میں یہ خاندان کورتھ میں منتقل ہو گیا جو آرہ (ضلع شاہ آباد بہار) کے قریب سادات کی ایک مشہور بستی ہے ۔ صفیر حضرت صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے ۔ ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۴۹ھ ۹۔ اپریل ۱۸۳۴ء کو مارہرہ میں پیدا ہوئے ۔ پانچ برس کی عمر میں والد کے ساتھ آرہ پہنچے ، باقی عمر وہیں گزار دی ۔ بظاہر صاحب عالم ہی کے ایما پر میرزا کی شاگردی اختیار کی ۔ زبان میں لکنت تھی اس لیے مشاعرہ میں شعر پڑھتے وقت انہیں تکلیف ہوتی تھی ۔ ۲۱۔ رمضان ۱۳۱۷ھ ۱۱۔ مئی ۱۸۹۰ء کو پٹنہ میں وفات پائی اور آرہ میں انہیں دفن کیا گیا ۔ ان کی تصانیف میں سے ''بوستان خیال،، کا ترجمہ (دس جلد) تذکرہ ''جلوۂ خضر،،، رشحات صفیر (تذکیرہ و تانیث میں) صفیر بلبل اور خمخانہ صفیر (دیوان) ھیں تلامذۂ غالب کے مطابق اردو کے آٹھ اور فارسی کے تین دیوان تھے ۔ چار فارسی مثنویاں ، اردو کے قصیدے ، رباعیات ، قطعات واسوخت وغیرہ ان کے علاوہ تھے ۔ (ماخوذ از تلامذۂ غالب)

(۱)

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے ۔ مجھ کو حضرت برجیس فطرت جناب حضرت صاحب عالم سے نسبت اویسی(۱) ہے ۔ غائبان

(۱) نسبت اویسی سے مراد یہ ہے کہ دیکھا نہیں ، مگر عقیدت ہے ۔ عام روایت کے مطابق حضرت اویس رض کو رسول اکرم صلعم سے غائبانہ ہی محبت و عقیدت تھی ۔

خاص کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے آپ کی طرز نگارش نظماً اور نثراً درخشندگی جو ہر طبع سے خبر دیتی ہے - اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا - باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجا لاؤں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں - مجموع ایک ورق میں کیوں کر گنجایش پائیں؟ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے، اس کو عرض کرتا ہوں (۱)

۱- بسر در آوردن نخل معنی ، در آوردن کافی -

۲- شور در سر انگیختن ٹکسال باہر ، از سر انگیختن مناسب -

۳- نہ بر انگیزد نہ بر خیزد فارسی ہند - بر نخیزد و نینگیزد فارسی عجم -

۴- ''نالہ ہا کہ از دل سر بر زدہ اند،، یعنی چہ؟ غیر ذوی الروح بلکہ غیر ذوی‌العقول کی جمع کی خبر بہ صیغۂ مفرد اسم ہے -

۵- ''پریستان،، اصل لغت ، مخفف اس کا ''پرستان،، - ''پری استھان،، توہم محض - مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم‌الشعرا رود کی سے فخرالمتاخرین شیخ علی حزیں تک کسی کے کلام میں ''پریستان،، یا ''پرستان،، دیکھا نہیں -

حضرت صاحب(۲) قبلہ کی جناب میں میرا سلام عرض کیجیے اور کہیئے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب(۳) کا مودت نامہ پہنچا - دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں - کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل(۴) ، جس کا عنوان سید فرزند احمد کے نام

---

(۱) میں نے میرزا کی تصحیحات پر نمبر لگا دیے ہیں تا کہ خوانندگان کرام کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے -

(۲) صاحب عالم مارہروی -

(۳) چودھری عبدالغفور سرور مارہروی -

(۴) غالباً یہ میرزا کی مثنوی ابر گہربار تھی - جو ایک مرتبہ الگ بھی چھاپی گئی تھی اور اس کے ساتھ میرزا کے دو قصیدے نیز کچھ اور کلام چھپا تھا - صفیر نے ''ابر گہر بار،، کی مدح میں ایک مثنوی لکھی تھی -

کا ہے، ارسال کیا ہے۔ آپ بھی بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔ ہاں، پیر و مرشد! فارسی کی کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟ بہ قول ان شاءاللہ خاں ''یہ میری عمر بھر کی پونجی ہے،،۔

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مقبول عالم کو میرا سلام کہیے گا اور جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمائیے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمت تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمت اصلاح کا دست مزد(۱) ہے۔ والسلام

یوم الخمیس ذی الحجہ و ۱۲۔ مئی سال حال نجات کا طالب، غالب

(۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ۔ ۱۲۔ مئی ۱۸۶۴ء)

(۲)

مولوی سید فرزند احمد صفیر کو اس پیر هفتاد سالہ کی دعا پہنچے۔ آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ سترھواں برس مجھے جاتا ہے۔ ہائے:

سنین عمر کے ستر ہوئے شمار برس
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس(۲)

---

(۱) صفیر نے ایک غزل بھی اصلاح کے لیے بھیجی تھی۔ جس کا دست مزد میرزا نے سلام پہنچانا قرار دیا ہے۔ غزل میں سے صرف دو شعروں پر اصلاح ہوئی۔ صفیر کے شعر یہ تھے:

خیال روے تو اے قبلہ نظر کردم ز دیدنت نظر خویش بہرہ ور کردم
بلند شد شب هجراں چو شعلہ آهم چراغ ماہ خمش گشتہ بود بر کردم

پہلے شعر میں میرزا نے ''تو اے،، کی جگہ ''ترا،، بنا دیا۔ دوسرے شعر کا آخری مصرع یوں بدل دیا:

چراغ مہ بہ فلک مردہ بود بر کردم

(۲) صفیر بلگرامی نے اس کے جواب میں لکھا:

سنا صفیر! یہ کہتے ہیں حضرت غالب بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس
مگر یہ پہلے سے امداد غین کی ہے دعا خدا کرے، مرا غالب جیے ہزار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر نکھوں میں نور، دل میں سرور آیا اور قصہ "سروش سخن"، اس کے دوسرے دن پہنچا۔ قصہ دیکھا۔ آپ کے جوہر طبع کی لمعانی اور فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگرچہ وہ قصہ تو بچوں کے سلانے کی کہانی ہے، مگر محنت کی گئی ہے۔ ہاں اگر "فسانۂ عجائب"، کا مقابلہ کیا ہے، تو کیا کیا ہے؟ ابھی دیکھتا ہوں، آئندہ اس کی اطلاع دی جائے گی۔ اس میں جابجا "لاچار"، دیکھا ہے۔ "لا"، کا لگانا کاتب کی جہالت ہے۔ ہائے خدا کی مار کاتبان نا ہنجار پر۔ یہ میرا "دیوان"، اور "پنج آہنگ"، اور "مہر نیمروز"، ستیاناس کر کے چھوڑ دیا۔

لو، بس اب میں نواب ضیاءالدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بٹھا رکھا اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں۔

۲۸- نومبر ۱۸۶۳ء (۱) نجات کا طالب، غالب

(۳)

مخدوم زادۂ مرتضوی دودمان، سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے استصلاح اشعار میں امتثال امر کیا ہے تو اس واقعے کو یوں سمجھ لیا جائے کہ میں امیرالمومنین کا بوڑھا غلام ہوں۔ امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے کہ تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر،

---

(۱) یہ تاریخ میرے اندازے کے مطابق غلط ہے۔ ۱۸۶۳ء کی جگہ ۱۸۶۴ء ہونا چاہیے۔ ورنہ غالب کی عمر ستر برس نہیں بنتی۔ اگرچہ میرزا سے بعض اوقات عمر کے حساب میں غلطیاں بھی ہوئیں۔ مگر یہاں قرینہ یہی ہے کہ عمر درست ہوا اور تاریخ غلط لکھی گئی یا نقل و کتابت میں بدلی گئی۔ نیز صفیر کے نام یہ پہلا خط نہیں۔ پہلا خط ۱۲- مئی ۱۸۶۴ء کا ہے اور یہ ۱۲- مئی ۱۸۶۴ء کے بعد کا ہونا چاہیے۔

ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں؟ اپنے نانا کی خدمت میں فقیر کی بندگی عرض کیجیے گا ۔ اگرچہ حضرت میرے ہمعصر ہیں ۔ مگر ان کے ابو آلابا کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں؟ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنی نسبت میں چاہیے ۔ (۱)

نجات کا طالب ، غالب

(۳)

نور چشم ، لغت جگر ، زبدۂ اولاد پیغمبر ، حضرت مولوی سید فرزند احمد مجدہ ، اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائیں ۔ بوستان خیال کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک ۔ حضرت! یہ آپ کا احسان عظیم ہے، مجھ پر خصوصاً اور بالغ نظران ہند پر عموماً ۔

جناب میر ولایت علی(۲) صاحب سے بعد ارسال قیمت و محصول دو جلدیں مانگی ہیں ۔ خدا کرے وہ یہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد ۔

۸۔ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ

(۴۔ اپریل ۱۸۶۵ء) غالب

---

(۱) اس خط پر ''یوم الخمیس پنجم ذی حجہ ۱۲۷۸ھ'' تاریخ درج تھی جو بداہتہ غلط ہے، اس لیے کہ جب صفیر کے نام پہلا خط ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کو لکھا گیا تو تیسرا خط ۱۲۷۸ھ کا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ پھر ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ کا مہینا ۳۰۔ مئی سے شروع ہوا اور اس روز جمعہ تھا ۔ ۵۔ ذی الحجہ کو جمعرات ہو ہی نہیں سکتی ۔ یقین ہے کہ یہ تاریخ میرزا غالب نے نہیں لکھی ہوگی ۔ یہ کاتب یا ناقل کی کار فرمائی کا کرشمہ ہے ۔ بہ ہر حال یہ ۱۲۸۰ھ کے اواخر یا ۱۲۸۱ھ کے شروع کا ہونا چاہیے ۔

(۲) میر ولایت علی اس چھاپے خانے کے مہتمم تھے، جس میں ''بوستان خیال'' کا ترجمہ چھپا تھا ۔

(۵)

به علاقه مہر و محبت، نور چشم، سرور دل اور بہ رعایت سیادت مخدوم موسوی فرزند احمد صفیر طول اللہ عمرہ

اشعار گوہر بار دیکھ کر دل خوش ہوا، مگر جو میرے دل میں اتر گئے ہیں وہ تم کو لکھتا ہوں:

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

ورق ہیں جوشش مضمون گریہ سے بادل
بسان ژالہ ہے ہر نقطۂ کتاب میں آب
کبھی ہوں گرم، کبھی سرد حسب موقع و وقت
صفیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

عارفانہ اور موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ:

تم سلامت رہو قیامت تک صحت و لطف طبع روز افزوں

۲۰- ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ نجات کا طالب،

(مطابق ۲۱-اپریل ۱۸۶۵ء غالب

(۶)

نور چشم و سرور دل، فرزانۂ مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہ

اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں، سلام اور اس نسبت خاص سے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں، دعا اور اس نسبت اخص سے کہ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں، بندگی۔

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بہ سبیل ایجاز لکھا جاتا ہے۔ دہائی خدا کی مجھے ولایت کے اپیل کی تاب نہیں۔ نہ تم اپیلانٹ بنو اور

نہ مجھے رسپانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ "صبح بہار،، کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور ما کتب فیہ اس کا کیا ہے۔

چہار شنبہ ہفتم ذی‌الحجہ ۱۲۸۱ھ نجات کا طالب، غالب

(مطابق ۳- مئی ۱۸۶۵ء)

(۷)

بہ علاقہ مہر و محبت، نور چشم و سرور دل و بہ رعایت سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید فرزند احمد طال بقاوہٗ و زاد علاوہٗ، اس مصرع سے میرا مکنون خبر دریافت فرمائیں:

بندہ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

یا رب وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معائی سمجھتے ہیں؟ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں، وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں، تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے ہیں او نظم فقیر کی ہے۔ یہ کلام نہ بہ طریق کسر نفسی ہے، نہ بہ سبل اغراق، سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔

اس نامۂ مہر افزا کو دیکھ کر مبادی پرستان خیال کی عبارت یاد آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سنے تھے، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں؟ محمد رضا برق کا خطاب معلوم تھا(۱) تو آپ نے لکھا ہے۔ حکایت ہے، شکایت نہیں......

---

(۱) میرزا محمد رضا خاں برق فتح الدولہ بخشی‌الملک ابن میرزا کاظم علی مصاحب خاص و استاد واجد علی شاہ اختر فرمانروائے اودھ۔ بادشاہ معزول ہوئے تو برق نے ساتھ دیا۔ کلکتہ گئے۔ دوران "غدر،، میں بادشاہ کو فورٹ ولیم رکھا گیا تو برق نے اس زمانے میں بھی رفاقت نہ چھوڑی۔ ۱۸۵۷ء ہی میں انتقال ہوا۔

پہلی جلد جس کا نام "افق الخیال،، (۱) ہے، اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید ہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو، بے طلب بھیج دیں اور معاً قیمت لکھ بھیجیں۔

شہزادہ بشیرالدین میسوری

شہزادہ بشیرالدین بن شہزادہ شکراللہ خاں بن ٹیپو سلطان شہید۔ ٹیپو سلطان کی شہادت (۴-مئی ۱۷۹۹ء) کے بعد انگریزوں نے سلطنت میسور کو چار حصوں میں بانٹ لیا تھا۔ درمیانی حصہ قائم رکھا اور اس کی حکومت سابق ہندو فرمانروا خاندان کے ایک فرد کو دے دی۔ بڑا علاقہ خود سنبھال لیا۔ کچھ علاقے نظام اور مرہٹوں کو دے دیے۔ سلطان کے پورے خاندان کو ویلور کے قلعے میں رکھا۔ ویلور مدراس سے پچھتر میل جنوب مغرب میں ہے۔ سوءِ اتفاق سے وہاں ۱۸۰۶ء میں یکایک ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اور اس میں شہزادوں کو ملوث سمجھ لیا گیا۔ لہذا ان سب کو اٹھا کر کلکتہ پہنچایا گیا، حالانکہ ویلور کی آب و ہوا شہزادوں کے خلاف طبع نہ تھی، لیکن کلکتہ ان کے لیے نہایت ناخوشگوار مقام تھا۔

شہزادہ بشیرالدین متخلص بہ توفیق نے کلکتہ میں پرورش پائی۔ علم سے طبیعت کو خاص مناسبت تھی۔ عربی و فارسی میں کمال حاصل کیا۔ شعر بھی کہتے تھے اور میرزا غالب سے تعلق، شعر و سخن سے دل بستگی ہی کے باعث ہوا۔ غالباً شہاب الدین احمد خاں ثاقب اس سلسلے میں واسطہ بنے ہوں گے۔

شہزادہ بشیرالدین نے زیادہ تر عقلی علوم مولوی عبدالرحیم گورکھپوری سے پڑھے تھے، جو عقلیت میں توغل کے باعث دھری مشہور ہو گئے تھے۔ سید احمد شہید سفر حج کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تھے تو انہیں

شہزادہ موصوف نے دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا تھا۔ ۱۳۰۲ھ—۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔ عبدالغفور خاں نساخ نے تاریخ وفات میں دو مادے نکالے۔ چند شعر بطور نمونہ کلام درج ہیں :

دلے آزردۂ داری ازیں خوشتر چہ مے خواہی
درون سادۂ داری ؛ ازیں خوشتر چہ مے خواہی

شدیؔ توفیق گر بے چیز ، با گردون دوں مستیز
ز فیض طبع گوہر ریز گنجے از گہر داری

نہ دیدہ است کس از شاخ خشک میوۂ تر
بجز قلم کہ دہد میوہ تر و شیریں

(۱)

پیر و مرشد سلامت ،

اعضا فرسودہ اور بودے ہو گئے ، روح ان میں دوڑتی نہیں پھرتی ، مگر ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس مکمن (۱) میں ہے۔ قویٰ نکمے ہو گئے۔ اب وہ کام جو ان سے متعلق تھے، بند ہو گئے۔ آپ کا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجا لانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفۂ غیبی یعنی روح کے کام ہیں۔ جب تک وہ باقی ہے ، سرانجام پاتے جائیں گے۔

''خاکم بدہن،، واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو ''خاکم بدہن،، کہہ لیتے ہیں :
بر خاک بہ ریختی مئے ناب مرا ''خاکم بدہن،، ، مگر تو مستی رہی اور ''خاکم بسر،، اور ''خاکم بفرق،، عام ہے ، جیسا کہ میں ایک شہزادے (۲) کے مرثیہ میں کہتا ہوں :

---

(۱) چھپنے کی جگہ ۔ کمین گاہ۔
(۲) شہزادہ فرخندہ شاہ ابن بہادر شاہ ظفر کے مرثیے میں۔ ملاحظہ فرمائیے کلیات نظم فارسی (ص ۶۰ - ۶۳)

اے اہل شہر مدفن ایں دودماں کجاست ؟
''خاکم بہ فرق،، خواب گہ خسرواں کجاست ؟

استاد (۱) :

''خاکم بسر،، کہ عاشق کار آزمودہ ام
دانم کہ با رقیب بخلوت چہا رود

آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں ''خاکم بدہن،، کا متوقع نہیں، جیسا کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا ، حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں :

فرق است درمیانہ کہ بسیار نازک است

نجات کا طالب ، غالب

(۲)

پیر و مرشد برحق سلامت ،

تقصیر معاف ، میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور حاکم بھی وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقۂ ادارت سے خارج کر دیا ۔ عرائض جواب طلب کا جواب نہیں ۔ ایک عنایت نامۂ سابق میں :

آب ز لہل میرود بر پر چنگ

یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا ، میں اس کو پڑھ بھی ۔ نہ سکا ، معنی تو علاوہ رہے ۔ میں نے عریضہ لکھا اور جملے کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا ۔ اب تک جواب نہیں پہنچا ۔ جی گھبرا رہا ہے ۔ جب تک اس کا جواب نہ پاؤں گا ، آرام نہ آئے گا ۔

برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب‌الدین خاں بہادر(۲) کی زبانی آپ کے

---

(۱) یہ شعر مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ و حسرتی کا ہے ۔

(۲) ثاقب بن نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر ۔

مزاج مبارک کی خیر و عافیت سنی ، مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی ہوتی ہے ، وہ کہاں! حضرت اب تو خالصاً للہ والرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملے کے معانی لکھ بھیجیے۔ زیادہ حد ادب۔

عفو جرم کا طالب ، غالب

(۳)

بندہ پرور ،

مہربانی نامہ آیا ، سر پر رکھا اور آنکھوں پر لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان ، لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی ، نہ معانی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں ، وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں صرف کرتے ہیں۔ جب رود کی و عنصری و خاقانی و رشید وطواط اور ان کے امثال و نظائر کا کلام بہ استیفا (۱) دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ہے کہ یہ فارسی ہے۔

منکہ باشم (۲) الخ

اس کی شرح جو چھاپے میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجیے اور معانی میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔

پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ ”از اوج بیاں انداختہ،، کا فاعل کون ہے

---

(۱) پورا۔ تمام۔

(۲) عرفی کے اس شعر کی شرح میرزا چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کے خط میں بھی لکھ چکے ہیں۔

اور مفعول کون ہے۔ اگر ''عقل کل،، کو ''انداختہ،، کا مفعول اور ''منکہ،، کے کاف کو کدامیہ ٹھہراؤگے ، تو بے شبہ ''انداختہ،، کے فاعل دو ٹھہریں گے : ایک ''ناوک انداز ادب،، اور ایک ''مرغ اوصاف تو،،۔ ایک فعل اور دو فاعل ، یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے ؟

اب فقیر سے اس کے معنی سنیے۔ ''من انداختہ،، کا مفعول ''را،، مقدر ، ''منکہ،، کا ''کاف،، توصیفی، ''ناوک اندازادب،، ، ادب آموز یعنی استاد ، ''مرغ توصیف تو،، فاعل : مجھ کو ، کہ عقل کل کا استاد ہوں ، تیرے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ ''عقل کل،، تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے، اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا ، مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے ، جہاں اس ''ناوک انداز،، کو ناوک کے پہنچانے کی گنجایش نہیں ، اوج بیان سے گرنا ، عاجز آ جانا ہے۔ قدرت وہ ، کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ کیا اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز با وجود دعوائے قدرت ! ۱۲

ایثار تو بر دوختہ(۱) چشم و دھن آز

اس کے معنی تو وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا۔

''احسان تو ہر قطرۂ دریا بشگافت ، تا ہم بقید حساب نیامد،،۔ یہ ہیچمدان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے ، مگر خیال میں جب آئے گی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار

---

(۱) یہ شعر بھی عرفی ہی کا ہے :

ایثار تو بر دوختہ چشم و دھن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

و عطا میں مروارید و یاقوت و بحر و معدن کی کمبختی آتی ہے۔ لعل و در کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا، نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانہ میں اس زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیرالدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا، اس میں کے دو شعر یہ آپ کو لکھتا ہوں:

ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی　　جز پردگیان حرم معدن و یم را
وقت است کہ ایں قوم بہ ہر کوچہ وبازار　　پرسند ز ہم منشأ رسوائی ہم را

"پردگیان حرم معدن و یم"، لعل و گوہر، جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں، وہ با ہمدگر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں۔ ہم کو اس قدر بے حرمت و ذلیل کیوں کر رکھا ہے؟ قطرۂ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا، بے حساب ہے۔ مقصود عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے، وہ بخش دیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوہ استعداد موتی ہو جانے کی ہے، تو اس احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آئیں، تو وہ سائلوں کو دے جائیں۔ پہلے مصرع میں حرص کا سیر کر دینا، موافق مسلمات شعرا کے ممتنع اور اس کا وقوع میں آنا، اغراق، دوسرے مصرع میں باحتمال استعداد بالقوہ قطرے کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو، یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو ہے ۱۲

داد کا طالب، غالب

(۴)

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آج منگل، ۱۶- جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر

سفیدۂ صبح مراد سمجھا ۔ ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا ۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا ۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیوں کر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھچوا کر بہ صورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا ۔

لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب‌الدین خاں سے لکھوا کر بیرنگ ارسال کیا ۔ اس فرمان میں اس لفافے کی رسید نہ پائی ۔ ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے پیکر بے روح (۱) کے ٹکڑے اڑا دیے ۔ بے تاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی ، لفافے میں لپیٹ کر روانہ کی ۔ اب جب آپ اور لفافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب مع اوراق اشعار بھیجوں گا ۔ زیادہ حد اداب ۔

(۵)

در پرستش سستم و در کامجوئی استوار
بادشہ را بندۂ کم خدمت و پر خوار ہست

حضرت پیر و مرشد بر حق ، روز افزونی کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ :

تقسیم جزو لا یتجزی محال ہے

آگے باد زمہریر نے لہو خشک کر دیا تھا ، اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا (۲) ۔ کل عنایت نامہ آیا ۔ آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا ، مجھ کو باوصف استیلاے نسیان خیال میں آتا ہے کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں ۔

---

(۱) تصویر ۔ (۲) زمہریر سے سرما اور آتش دوزخ سے گرما مراد ہے ۔

ڈاکیے اب ڈاکو ہو گئے ہیں۔ اگر وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا تو کچھ بعید نہیں۔ متوقع ہوں کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت کی تاثیر سمجھنا چاہیے۔ میں مجرم نہ ٹھہروں۔ زیادہ حد ادب۔

روز دو شنبہ، ۱۱- اپریل ۱۸۶۸ء نجات کا طالب، غالب

جواہر سنگھ جوہر اور ہیرا سنگھ درد

دھلی میں میرزا غالب کے ایک نہایت عزیز دوست راے چھج مل کھتری تھے - ان کے نام کلیات نثر فارسی (پنج آہنگ) میں پانچ خط ہیں ، جو سفر کلکتہ کے دوران میں لکھے گئے - ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے حسام‌الدین حیدر ، مولانا فضل حق خیرآبادی اور گھر کے خطوط بھی راے صاحب موصوف ھی کی وساطت سے بھیجے تھے - ایک خط میں یہ بتاتے ھیں کہ معتمدالدولہ آغا میر نائب‌السلطنت لکھنئو کی کرم پیشگی اور فیض رسانی کے متعلق جو کچھ سنا تھا ، وہ بالکل بے اصل ثابت ہوا - ایک خط میں جو بظاہر بنارس سے لکھا گیا ، راے صاحب کو یہ شعر تحریر فرمایا :

مغلوب سطوت غم دل ، غالب حزیں ‌ ‌ کاندرتنش ز ضعف تواں گفت جاں نہ بود
گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است ‌ ‌ ''مارا ازیں گیاہ ضعیف ایں گماں نہ بود''

ایک خط میں راے صاحب کو ''علاقہ سفارت زیب‌النسا بیگم صاحبہ'' پر مبارک باد دیتے ھیں - ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ء-۱۸۶۱ء) میں راے صاحب کا انتقال ہوا تو میرزا نے تاریخ کہی :

گوبند راے چھج مل شیریں کلام مرد ‌ ‌ دیرینہ دوست رفت ازیں تنگ نا دریغ
غالب شنید و گفت چہ گویم ''بسا دریغ'' ‌ ‌ گفتم کسے ز سال وفاتش نشاں دھد

منشی جواہر سنگھ جوہر اور منشی ہیرا سنگھ درد راے چھج مل ھی کے فرزند تھے ، دونوں نے میرزا سے استفادہ کیا اور دونوں کو میرزا بیٹوں کی طرح پیار کرتے تھے - جوہر تحصیلدار ہو گئے تھے ، جیسا کہ ان کے خطوں سے

ظاہر ہے ۔ میرزا کی وفات سے پیشتر پنشن لے چکے تھے ۔ ''پنج آہنگ،، میں ان کے نام بھی تین خط ہیں۔ ان کی شادی اس زمانے میں ہوئی تھی جب میرزا کلکتہ گئے ہوئے تھے جیسا کہ خود میرزا نے رائے چھج مل کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میری دعوت کا روپیہ الگ رکھو دھلی آؤں گا تو دعوت کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا (کلیات نثر فارسی ص ۱۶۰) جوہر صرف فارسی شعر کہتے تھے ۔ ''اردوے معلیٰ،، اور ''قاطع برہان،، کی طباعت کی تاریخیں موجود ہیں ۔ اردوے معلیٰ کی ترتیب میں حصہ لیا ۔ ہیرا سنگھ کو ملازم کرانے میں میرزا نے جو کوششیں کیں، وہ بجاے خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ انہیں اپنے دوست کے بیٹوں سے کتنا پیار تھا ۔

---

(۱)

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعاے دوام عمر و دولت معلوم ہو، خط تمہارا پہنچا ، خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی ۔ قطعے جو تم کو مطلوب تھے ، اون کے حصول کے لیے جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے میں تم سے کہہ نہیں سکتا ۔ نری کوشش نہیں، روپیہ صرف کیا ۔ پندرہ روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ ، اور پچیس تیس روپئے اور صرف کیے ۔ پانچ پانچ اور چار چار روپئے اور دو دو روپئے کو قطعے مول لیے اور بنوائے۔ خرید میں روپئے جدا دیے اور بنوانے میں روپئے جدا لگائے ۔ دوڑتا پھرا ۔ حکیم (۱) صاحب کے پاس کئی بار جا کر حضور والا (۲) کا قطعہ لایا ۔ اب دوڑ رہا ہے ولیعہد بہادر کے دستخطی قطعے کے واسطے(۳) ۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قطعے کے ہاتھ آنے کے وہ سب کو یکجا کر کے تمہارے پاس بھیج دے گا ۔ مدد میں بھی اس کی کر رہا ہوں ، لیکن اس نے بڑی مشقت کی ۔ آفریں صد آفریں! پندرہ روپئے میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور ماں کو

---

(۱) غالباً حکیم احسن اللہ خاں ۔ (۲) بہادر شاہ ظفر ۔

(۳) شہزادہ غلام فخرالدین مخاطب بہ فتح الملک ۔

عاجز کر کے اوس سے بہت روپئے لیے۔ جب سب قطعے تمہارے پاس پہنچیں گے، تب اس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہو گا۔

کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی ؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا(۱) ۔

اسداللہ

(۲)

برخوردار،

تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور هیرا سنگھ کا ادھر آنا معلوم ہوا ۔ هاں لاله چھجمل اکثر بیمار رہتے هیں ان دنوں میں خصوصاً اس شدت سے نزله چھاتی پر گرا که وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رهی۔ بارے کچھ صحت ہو گئی ہے ۔ بھائی یه

---

(۱) ۱۸۴۹ء کے اوائل کا ہو گا۔ میرزا نے فارسی کے ایک خط میں جوهر کو لکھا تھا که همارے لیے لنگی بھیجو۔ فرماتے هیں :

کلہے از پوست برہ داشتم ۔ حا لیا آں را کرم خورد و سرم بے کلاہ ماند۔ گرچه کله نمے جویم ، اما لنگ ابریشمی ، چنانکه در پشاور و ملتان سازند واعیان آں قلمر و بسر پیچند ، مے خواہم ، اما لنگیٔ کد رنگہائے شوخ برنایانه نه داشته باشد و معہذا پرداز هاے نازک و طرز هاے نغز داشته باشد و تارهاے زر و سیم را در آں صرف نه کرده باشند و ابریشم سیاہ و سبز و کبود و زرد در بافتن آں بکار رفته باشد و غالب که دراں دیار ایں چنیں متاع زود و آساں بدست آید ۔ جونید و بہم رسانند (کلیات نثر فارسی ص ۲۰۰) ۔

یه خط یکم دسمبر ۱۸۴۸ء (۳- محرم ۱۲۶۵ھ کو لکھا گیا تھا۔ لنگی کا تقاضا اس سے کچھ عرصه بعد هی کیا ہوگا۔ میرزا خود لکھتے هیں بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا که اسی هفتے میں بھیجوں گا۔

آفتاب سر کوہ ہیں۔ ''ہیرا'' کا ان کے پاس رہنا اچھا ہے۔ تم سے جو ہو سکے گا تم اس کے مصارف کے واسطے مقرر کر دوگے۔

غزل تمہاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دے کر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے:

چرا نہ یاس بجان امیدوار افتد

یہاں ''افتد'' مہمل ہے۔ ''یاس بدل افتادن'' و ''یاس بجاں افتادن'' روز مرہ نہیں۔ اور بھی کئی ''افتد'' ایسے ہی ہیں:

سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد بسان سایہ ہما نیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایے کا بہ اعتبار سیاہی رنگ ہے۔ اب یہاں دونوں ''افتد'' ٹھیک ہیں۔ گزار افتادن روز مرہ اور دوسرا ''افتد'' بہ معنی ''واقع شود'':

شنیدہ ام، بجفاے تو مبتلاست عدو چرا نہ شور بجان امیدوار افتد

شور افتادن روز مرہ ہے اور ''یاس افتادن'' غلط:

بہ حیرتم کہ ز دوزخ کسان دوزح را کجا برند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں ''افتد'' بہ معنی ''واقع شود'' ٹھیک:

نہ گبرم و نہ مسلماں، بہ حیرتم کہ مرا سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے، آفریں:

قرار در وطن افسردہ مے کند دل را خوشا غریب کہ دور از دیار و یارافتد

یہاں بھی ''افتد'' صحیح و با معنی:

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند خوش است پیشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی ''افتد'' بہ معنی ''واقع شود'':

ترا، کہ شیوہ دگرگوں کنی بہ زعم بتاں خوش است، گر ز جفا بر وفا قرار افتد

''افتد'' یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی ہی تھی کہ ''بود'' گدلا لفظ

تھا ۔ ''کنی،، صاف ہے(۱) :

خط رخ تو بدل دادہ خط آزادی خوشم کہ در شکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہوگئی ۔ معنی کا عیار کامل ہو گیا (۲) :

چکد ز خامۂ جوهر سخن چناں کہ مگر بزور موج دُر از بحر برکنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد

نگاشتہ شنبہ ۔ نہم اپریل ۱۸۵۳ء از اسداللہ

(۳)

برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڈھ کی تحصیلداری مبارک ہو ۔ پپلی سے نوح آئے ۔ نوح سے بلب گڈھ گئے ۔ اب بلب گڈھ سے دلی آؤگے(۳) ، ان شاءاللہ ۔

سنو صاحب ، حکیم میرزا جان ، خلف‌الصدق حکیم آغا جان صاحب کے ، تمہارے علاقۂ تحصیلداری میں بصیغۂ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں ان کے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں ۔ ان کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں ۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے بھائی ہوئے ۔ لازم ہے کہ ان سے یکدل و یکرنگ رہو اور ان کے مددگار بنے رہو ۔ سرکار سے یہ عہدہ بصیغہ دوام ہے ۔ تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی ۔ صرف اسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے ۔ سرکار کے خاطر نشان رہے کہ حکیم میرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے ۔

۲- فروری ۱۸۶۴ء غالب

---

(۱) مطلب یہ کہ جوہر نے ''کنی،، کی جگہ ''بود،، لکھا تھا ۔ یعنی اس کا مصرع یوں ہے :

ترا کہ شیوہ دگرگوں بود بہ زعم بتاں

میرزا نے ''کنی،، بنا دیا ۔

(۲) بظاہر اس شعر میں بھی غالب نے اصلاح دی اور اصلاح شدہ شعر لکھا ۔

(۳) مطلب یہ کہ پہلے تم پپلی میں تھے، جو ضلع سرسہ میں دھلی سے خاصی دور ہے ۔ پھر نوح ضلع گڑگانوہ میں تبدیل ہوئے ۔اب بلب گڈھ میں گئے جو دھلی سے قریب ہے ۔ آیندہ تبدیلی ہوگی تو ان شاء اللہ دھلی ہی کی ہو گی ۔

منشی هیرا سنگھ درد

(۱)

فرزند دلبند سعادت مند ، منشی هیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول هوں اور ان کے جتنے مطالب و مآرب (۱) هیں وہ عنایت الٰہی سے پورے هوں۔

بھائی ''لب ساحل،، کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا :

مدتے آں گدائے خونین دل بود تبخالهٔ لب ساحل

''لب بام،، ، ''لب فرش،، ، ''لب گور،، ، ''لب چاہ،، ، ''لب دریا،، ، ''لب ساحل،، بہ معنی کنارے کے ہے ، مستعمل اهل ایران ۔ ''لب بام،، اس مقام کو کہتے هیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آئیے ۔ پس ''لب دریا،، اسے سمجھیے جہاں سے قدم بڑھائیے تو پانی میں جائیے ۔ ''لب ساحل،، وہ هوا ، جہاں سے آگے بڑھے تو دریا میں گرے ۔ ''لب دریا،، سے پانو دریا میں رکھا جاتا ہے ، جیسا نہانے کے واسطے اور ''لب ساحل،، سے دریا میں کودتے هیں ، جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں ''لب بام ،، سے تیراک کودتے هیں ۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں هوتا ہے ، وهاں کڑاڑے کے کنارے پر سے کودتے هیں ۔ کڑاڑا ''ساحل،، اور کڑاڑے کا کنارا ''لب ساحل،، ۔ جو صاحب کہ لب ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے ؟ اور اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستاں بوستاں کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی ۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھیں گے تو یقین ہے کہ دیکھ لیں گے۔

نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) حاجتیں ، ضرورتیں ۔

(۲)

نور چشم غالب غم دیدہ ، منشی ھیرا سنگھ کو دعا پہنچے ۔ تمہارا خط محررہ ۱۱ جنوری پہنچا ۔ دورے کا سفر بارے تمام ھوا ۔ اب جاڑے کے دن آرام سے کاٹو ۔ گھبراؤ نہیں ، سال بھر پڑھائے جاؤ ۔ جب لڑکا شد بد سے آگاہ ھو جائے ، تب ڈپٹی کمشنر سے ترقی کی درخواست کرنا ۔ اگر نائب تحصیلدار ھو جاؤگے تو رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ ھونے کی گنجایش ھے ۔ مدرسے کے علاقے میں تو نوکر نہیں ھو جو بابو پیارے لال کو تمہاری بدلی کا اختیار ھو ۔ زنہار میں اس باب میں نہ بابو صاحب سے کہوں گا اور نہ یہ خط تمہارا منشی جواھر سنگھ کو دکھلاؤں گا ۔ ناحق الجھو کیوں ؟ اس الجھنے سے فائدہ کیا ؟ خاطر جمع رکھو :

کہ رحم گر نکند مدعی ، خدا بکند

میں ویسا ھی ھوں جیسا تم دیکھ گئے ھو اور جب تک جیوں گا ، ایسا ھی رھوں گا ۔

۱۴ - جنوری ۱۸۶۸ء　　　　غالب

سید بدرالدین کاشف

حضرت خواجہ باقی باللہ کی اولاد میں سے تھے اور ''فقیر بدرالدین،، کہلاتے تھے۔ نسب نامہ یوں ہے: فقیر سید بدرالدین بن خواجہ سید احمد، بن خواجہ سید محمد، بن امتہ الباقی بیگم بنت خواجہ رحمت الہی، بن خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد بن حضرت خواجہ باقی باللہ رح۔

محترمہ امتہ‌الباقی بیگم کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک میر سید محمد جن کے پوتے فقیر بدرالدین تھے۔ دوسرے شاہ نظام الدین عرف شاہ جی۔ وہ امرأ میں محسوب تھے۔ انہیں کے پوتے سید محی‌الدین عرف نواب بڈھن تھے، جن کا ذکر میرزا نے ''غدر،، کے سلسلے میں کیا ہے۔ فقیر بدرالدین کے چچا میر سید علی گوالیار میں رہتے تھے اور خود فقیر موصوف نے بھرت پور میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ان کی جایداد بھی خاصی تھی اور بھرت پور سے بھی وظیفہ مقرر ہوگا، ورنہ وہاں مقیم ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

فقیر سید بدرالدین کے روابط نواب غلام حسین خاں مسرور (ہم زلف غالب) اور حسین میرزا سے بہت گہرے تھے۔ میرزا نے ایک مکتوب میں لکھا:

''تمہارے بھائی غلام حسین مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خاں خدا ہی خدا ہے جو بچے،،۔

اس سے مراد عینی اور حقیقی برادری نہیں بلکہ ذاتی تعلق کی اخوت ہے۔ فقیر صاحب کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

---

(۱)

مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا اور مجھ کو کچھ آپ کا حال معلوم نہیں۔ بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں۔ ان کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمہاری خیریت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڑھ میں ہیں۔ اگرچہ خط ان کے آتے رہتے ہیں، مگر ان کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں اور تم سے تو بعد ہی ہے۔ پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں۔

بہ ہر حال، مقصود اس تحریر سے یہ ہے کہ نواب میر علی نقی خاں صاحب آپ سے ملیں گے۔ یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خاں اور نواب اسد خاں (۱) کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماموں

---

(۱) آصف الدولہ اسد خاں جملۃ الملک۔ نام ابراہیم، شاہ جہاں کے عہد میں ملازم ہوا چونکہ اس کی شادی ارجمند بانو بیگم ممتاز محل کی ہمشیر اور آصف خاں وزیر کی بیٹی سے ہو گئی تھی، اس لیے جلد اعلیٰ مناصب پر پہنچ گیا۔ عالمگیر کے آخری عہد میں وزیر اعظم تھا۔ بہادر شاہ اول نے اسے عہدۂ وکالت پر مامور کر دیا تھا۔ امیرالامرا ذوالفقار خاں نصرت جنگ، اسد خاں کا بیٹا تھا، نام اسماعیل، اس کی شادی امیرالامرا شایستہ خاں کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ عہد عالمگیری کا ممتاز امیر تھا۔ بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کے عہد میں بھی ممتاز رہا۔ فرخ سیر نے دھلی پہنچتے ہی اسے قتل کرا دیا تھا۔ باپ نے خود اس واقعہ کی تاریخ کہی :

صاحب یعنی نواب محمد میر خان (۱) کے بڑے دوست ہیں۔ اب یہ نوکری کی جستجو میں نکلے ہیں۔ آپ ان کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور راج کا حال سب ان پر ظاہر کریں اور اہالی سرکار سے ان کو ملوا دیں اور بابو صاحب کو جو ان سے ملوائیے تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے، جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجیے۔

کیا خوب ہو کہ یہ اوس سرکار میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے ان کی رخصت بہ آئین شائستہ عمل میں آوے۔ نواب اسد خاں عالمگیر کے وزیر تھے۔ اور فرخ سیر ان کا بٹھایا ہوا تھا (۲)۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خاں کو مار ڈالا تو از روے

هاتف شام غریباں با دو چشم خوں فشاں
گفت ابراهیم، اسماعیل را قرباں نمود

خود اسد خاں نے بھی لائق فرزند کے غم میں گھل گھل کر اور گردش روزگار کے صدمے سہ سہ کر نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہی ذوالفقار خاں نصرت جنگ تھا، جس کے لیے ناصر علی سرهندی نے مشہور مطلع کہا تھا:

اے شان حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

(۱) سید محمد میر خاں، بن شاہ نظام الدین، بن امتہ الباقی بیگم، بنت خواجہ رحمت الہی بن خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد بن حضرت خواجہ باقی باللہ مرحوم و مغفور۔

(۲) تاریخی اعتبار سے یہ صحیح نہیں کہ فرخ سیر کو تخت پر بٹھانے کا ذمہ دار اسد خاں تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۷۱۳ء میں جنگ آگرہ کے بعد اسد خاں نے مزید خونریزی رکوا دی اور فرخ سیر تخت نشیں ہو گیا، اگر چہ اس نے اسد خاں اور اس کے بیٹے سے اچھا سلوک نہ کیا اور خود بھی مظلوم مارا گیا۔

کتب تواریخ ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی اور خود فرخ سیر پر کیا گزری۔ قصہ کوتاہ ان کی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے اور جس قدر آپ ان کی بہبود میں کوشش کریں گے، احسان مجھ پر ہوگا۔ زیادہ، زیادہ۔

۱۸۵۴ء اسداللہ

(۲)

حضرت مخدوم و مکرم و معظم جناب فقیر صاحب دامتہ برکاتہم۔ بعد بندگی عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا دل بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں اون سے بر سر امتحان ہے(۱)۔ پروردگار اون کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے۔ علاقۂ مساعدت روزگار کی وہ صورت، شدائد رنج سفر کی وہ حالت، ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سر رشتہ خدا کے ہاتھ ہے، آدمی کیا کرے۔ دل پر جو میرے گزری وہ میرا دل جانتا ہے، ہاں بحسب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں تو کس پتے پر لکھوں؟ ناچار ابھی تامل ہے۔ جب وہ بھرت پور آجائیں تو آپ اون کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیے گا۔ کچھ لکھ بھیجوں گا۔

نواب علی نقی خاں صاحب کے خط کے جواب میں، جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا، وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب صاحب آ جائیں گے، میں اون کو سمجھا دوں گا۔

آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں،

---

(۱) وجہ میرزا نے خود آگے چل کر لکھ دی ہے۔ یعنی جانی بانکے لال کے داماد کا انتقال اور بیٹی کی بیوگی۔

سو وہ یا تمہارے دوست حسین میرزا صاحب کے پاس ہوں گی یا ضیاءالدین خاں صاحب کے پاس۔ میرے پاس کہاں؟ آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ وہاں سے دیوان منگوا کر، نقل اتروا کر بھیج دوں۔ سید محمد صاحب کو اور اون کے دونوں بھائیوں کو میری دعا پہنچے۔

نگاشتہ چارشنبہ ۱۳- ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ

مطابق ۳- جنوری ۱۸۵۵ء اسداللہ

(۳)

حضرت،

آپ کے خط کا جواب لکھنے میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا میاں کے آنے کا۔ اب جو وہ مجھ سے مل گئے اور اون کی زبانی سارا حال سن لیا تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سنو صاحب ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں، یہاں تو ساتاروھن (۱) ہے۔ محمد تقی، ایک، اس کی دو بہنیں تین، منشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چار، یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید (۲) کی بی‌بی بھی سہی۔ نہ وہ حکام ہیں جن کو میں جانتا تھا، نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی، نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں، جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے۔ ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشا دیکھ رہا ہوں، "یا حافظ"، "یا حفیظ" ورد زبان ہے۔

تمہارے بھائی غلام حسین خاں مرحوم کا بیٹا، حیدر حسن خاں خدا ہی ہے، جو بچے۔ آج تیرھواں دن ہے کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے، نہ دست بند ہوتے ہیں، نہ قے موقوف ہوتی ہے۔ چارپائی کاٹ دی ہے۔

---

(۱) سات بھیڑیوں کا مجموعہ۔ بہت سے اشخاص مل کر ایک شخص کی ایذا رسانی پر تل جائیں تو کہتے ہیں ساتاروھن۔

(۲) غالباً ان سے مراد سید احمد ہیں، جیسا کہ میرزا نے خط ۴ میں لکھا ہے۔

حواس زائل ہو گئے ہیں - انجام اچھا نظر نہیں آتا - کام تمام ہے - والسلام والاکرام

مرقومہ ۲۴- ذیقعدہ ۱۲۷۸ھ عافیت کا طالب ، غالب

(۱۳- مئی ۱۸۶۳ء)

(۴)

سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال تو امان -

مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمت گزاری سے فارغ نہ سمجھیں - پر کیا کروں صورت مقدمہ عجیب و غریب ہے - یہ بہنیں اور ان کا بھائی باہم موافق رہیں گے تو کوئی صورت نکل آئے گی - صامت و ناطق ، سیم و زر ، روپیہ اشرفی ، سنتا ہوں کہ کچھ نہیں - ہاں جایداد ، سو سید کے اظہار سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم نہ ہوگی - کرایہ اوس کا تقسیم ہو جائے گا - میں رائے کیا دوں اور سمجھاؤں کیا ؟ کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا - وہاں میاں بھی بیٹھا تھا - باہم اون دونوں صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں - وہ بھی میری مانند حیرت زدہ تھے - قضا و قدر پر چھوڑو ، نیرنگ تقدیر کے تماشائی رہو - گھاٹا نہیں ، ٹوٹا نہیں ، نقد مال کا پتا نہیں - املاک کا کرایہ بٹ رہے گا - گھبراتے کیوں ہو ؟ یہ دلی والوں کی خفقانیت کے حالات ہیں -

تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسن خاں بچ گیا - عوارض کی آندھی دفع ہو گئی - توقع زیست کی قوی ہے ، صرف طاقت کا آنا باقی ہے - صدمہ بڑا اٹھایا ہے - مہینے بھر میں جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں گے - ان شاءاللہ العلی العظیم -

صبح دوشنبہ ۲۵-مئی ۱۸۶۳ء

پیر و مرشد،

آج نواں دن ہے حسین مرزا صاحب کو الور گئے۔ اگر ہوتے تو اون سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا اور حاشیے اوس پر کس نے چڑھائے؟ خدا جانے حسین میرزا نے کیا کہا اور حضرت کیا سمجھے۔ اب یہ حقیقت مجھ سے سنیے۔

۱۸۶۲ء یعنی سال گزشتہ میں "قاطع برہان" چھپی۔ پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ آپ دلی آئے ہیں۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے، تمہیں نہ دی۔ تم مانگتے اور میں نہ دیتا، تو گنہ گار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان، اگر ریختہ کا منتخب کہتے تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کان پور دو جگہ چھاپا گیا اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہوا، جب چھپا تھا، پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گزشتہ میں منشی نولکشور نے شہاب‌الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی، جو ضیاءالدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا، وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا۔ وہ پچاس جزو ہیں، یعنی کوئی مصرع میرا اس سے خارج نہیں۔ اب سنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے۔ روپے کی فکر میں ہوں۔ ہاتھ آ جائے تو پینسٹھ بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب جلدیں آ جائیں گی، ایک آپ کو بھیج دوں گا۔ نواب محی‌الدین خاں (۱) صاحب کا حال سن کر جی بہت خوش ہوا، میری طرف سے سلام نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

---

(۱) یہ سید بدرالدین کے عزیزوں میں سے تھے۔

پیارے لال آشوب

وطن دھلی ، سلسلہ نسب راجا ٹوڈر مل سے ملتا ھے ۔ لالہ سری رام مصنف ''خمخانۂ جاوید،، پیارے لال آشوب کے بھتیجے تھے ۔ ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے ۔ پرانے دھلی کالج میں ماسٹر رام چندر سے ریاضی کی تعلیم پائی ۔ مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی ۔ پہلے گڑگانوہ میں ھیڈ ماسٹر مقرر ھوئے ۔ وھاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کوآن کی تبدیلی ھوئی تو ان کی خدمت میں چاندی کا ایک قلمدان بطور یادگار پیش کرنے کی تجویز قرار پائی ۔ اس قلمدان پر ایک موزوں شعر کندہ کرانا منظور تھا ۔ آشوب ایک دوست کے ھمراہ میرزا غالب کی خدمت میں پہنچے ۔ میرزا نے یہ قطعہ موزوں فرمایا :

گڑگانوہ کی ھے جتنی رعیت وہ یکقلم
عاشق ھے اپنے حاکم عادل کے نام کی
سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ھے
مسٹر کوآن صاحب عالی مقام کی

اسی وقت سے آشوب کو میرزا کے ساتھ خاص تعلق پیدا ھو گیا ۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر میرزا نے لفٹنٹ گورنر پنجاب سے کہا کہ آشوب مجھے بیٹے سے بھی زیادہ عزیز ھیں ۔

آشوب دھلی میں ھوتے تو ھر اتوار کو التزاماً میرزا سے ملنے کے لیے جاتے ۔ پھر وہ لاھور آ گئے تو سررشتۂ تعلیم کے کیوریٹر مقرر ھوئے ۔ جب ھندوستانیوں کو انسپکٹری کا عہدہ ملنے کی اجازت ھوئی تو آشوب

سب سے پہلے ہندوستانی تھے جو پنجاب میں مدارس کے انسپکٹر بنے۔ ۱۸۹۲ء میں رائے بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۸۹۰ء میں پنشن لی۔ پورے چھتیس سال ملازم رہے گویا ملازمت کا آغاز ۱۸۶۰ء سے ہوا تھا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں مثلاً ''رسوم ہند،،، ''قصص ہند،، حصہ اول و سوم، اردو کی تیسری کتاب (پرانے نصاب کی) ''ترجمہ تاریخ انگلستان،،، ترجمہ دربار قیصری۔

---

(۱)

شفیق مکرم بابو پیارے لال صاحب کو سلام، کل رقعہ مع مسودہ بابو چندو لال صاحب کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ یقین ہے کہ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا اور مسودہ کرنے پر متوجہ ہوئے ہوں گے۔ جلدی نہیں۔ آپ بغور اچھی طرح تامل سے لکھیے۔ جب صاف ہو جائے گا، مجھے دیجیے گا۔ میں اپنی مہر کر کے ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ ابھی ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ کل لارڈ صاحب آئیں گے اور پرسوں شملے کو تشریف لے جائیں گے۔ بطریق اطلاع آپ کو لکھا ہے یہ منظور نہیں کہ عرضی آج تیار ہو جائے اور کل میں آپ دوں۔ ڈاک میں ارسال کرنا منظور ہے (۱)۔

۳۰- اپریل ۱۸۶۶ء راقم اسداللہ خاں، غالب

(۲)

کیوں صاحب ہم سے ایسا خفا ہو گئے کہ ملنا بھی چھوڑا؟ خیر میری تقصیر معاف کرو اور اگر ایسا ہی گناہ عظیم ہے کہ کبھی نہ بخشا جائے گا، تو وہ گناہ میرا مجھ پر ظاہر کردو تاکہ میں اپنے قصور پر

---

(۱) بہ ظاہر یہ عرضداشت آشوب کے پاس انگریزی ترجمے کے لیے بھیجی گئی۔

اطلاع پاؤں۔ برخوردار ہیرا سنگھ تمہارے پاس پہنچتا ہے اور یہ تمہارا دست گرفتہ ہے۔ رھتک میں تم نے اسے نوکر رکھوا دیا تھا۔ خیر، وھاں کی صورت بگڑ گئی۔ اب یہ غریب بہت تباہ ہے اور امور معاش میں سخت دل تنگ۔ تمہیں دستگیری کرو تو یہ سنبھلے، ورنہ اس کا نقش ہستی صفحۂ دھر سے مٹ جائے گا۔

عنایت کا طالب، غالب

(۳)

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ھنوز

چاک کرتا ھوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ ''آئینہ'' عبارت فولاد کے آئینے سے ہے، ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے؟ فولاد کی جس چیز کو صیقل کروگے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی، اس کو ''الف صیقل'' کہتے ھیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ھو گیا تو اب اس مفہوم کو سمجھیے:

چاک کرتا ھوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل نہیں ھوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ھو گیا۔ بس وھی ایک لکیر صیقل کی

جو ہے ، سو ہے ، چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے اور چاک جیب آثار جنوں میں سے ہے۔

غالب

(۴)

فرزند ارجمند ، اقبال بلند ، بابو ماسٹر پیارے لال کو غالب ناتوان نیم جاں کی دعا پہنچے۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا۔ اس کی جتنی شکایت کروں بجا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ میں تمہارا عاشق ہوں اور کیوں کر نہ عاشق ہوں ؟ صورت کے تم اچھے ، سیرت کے تم اچھے ، شیوہ و روش کے تم اچھے۔ خالق نے خوبیاں تم میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ اگر میرا صلبی فرزند ایسا ہوتا تو میں اس کو اپنا فخر خاندان سمجھتا اور اب تم جس قوم اور جس خاندان میں ہو ، اس قوم اور اس خاندان کے ذریعۂ افتخار ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال و جاہ و جلال عطا کرے۔

میاں ، تم کو یاد ہے کہ میں نے تم کو سابق اس سے نور چشم مرزا یوسف علی خاں کے باب میں کچھ لکھا ہے ؟ میرے اختلال حواس کا حال تم جانتے ہو۔ خدا جانے اس وقت کس خیال میں تھا اور کیا لکھ گیا۔ جو لکھا وہ سہل انگاری تھی ، اب جو لکھتا ہوں ، یہ راست گفتاری ہے۔ مختصر یہ یعنی مرزا یوسف علی خاں عزیز بڑے عالی خاندان اور بڑی بزرگ قوم کے ہیں۔ شاعر بھی بہت اچھے ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ صاحب استعداد ہیں۔ علم ان کو اچھا ہے۔ یہ بھی گویا اہل علم و فضل میں سے ہیں اور ترقی کے قابل ہیں۔ نور چشم مولوی نصیرالدین کو میری دعا کہنا۔

(۵)

جناب بابو صاحب جمیل المناقب ، عمیم الاحسان سلامت

نیاز مہر کیشانہ و دعاے درویشانہ قبول فرماویں۔ ایک دن پہلے تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخۂ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و تاخیر پر خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت بے اندازہ پائی جام جم ، جہاں نما ہوگا ، مگر کیا جانیے کیا ہوگا ، بلکہ اس میں تردد ہے کہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ جام جہاں نما یہ کتاب ہے ، جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا ، یہ میں نے کیا کہا ؟ جس طرح ہر دیدہ ور پڑھ کر خط اٹھا سکتا ہے ، نابینا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ فیض اس کتاب کا عام ہے ، جام جہاں نما اس کا نام ہے۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں مدد گاری ذریعۂ عز و افتخار ہے مگر فقیر میں تین عیب ہیں۔ ستر برس کی عمر ، کانوں سے بہرا ، ہمیشہ بیمار ، آمد و رفت دوام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کرے گی ، اس کی مشورت میں حاضر رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ نہ جاؤں گا ، آنکھوں سے جاؤں گا ، مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کارگزار فرماں بردار رہوں گا۔

بہ ہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد کیوں نہ کیا ! بلا کیوں نہ لیا۔ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلوا لیں گے۔ فقط

(اگست ۱۸۶۵ء) عنایت کا طالب ، غالب

فرمانروایان رام پور

نواب یوسف علی خان ناظم فرمانروائے رام پور (یکم اپریل ۱۸۵۵ء—۲۱- اپریل ۱۸۶۵ء) بن سید محمد سعید خاں بہادر (بن سید غلام محمد خاں بہادر ، بن سید فیض‌اللہ بہادر بن نواب سید علی محمد خاں بانی ریاست) ۵- مارچ ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوا ۱۸۵۷ء کی خدمات کے صلے میں جدید علاقہ بھی ملا اور سلامی کی توپوں میں بھی دو عدد کا اضافہ ہوا۔ مربی علوم و قدردان اہل فن تھے۔ میرزا غالب کے لیے مستقل تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً رقمیں بھیجتے رہتے تھے اور خط و کتابت میں انداز ایسا اختیار کیا تھا، جس میں محبت و احترام کا پہلو غالب تھا۔ یہ خط ''مکاتیب غالب،، میں نہیں آیا :

---

(۱)

حضرت ولی نعمت ، آیۂ رحمت ، سلامت ، بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع عزّورود لایا بذریعہ ہنڈوی سو روپے بابت جنوری ۱۸۶۵ء معرض وصول میں آئے :

دیکھیے کب غسل فرماتے ہیں آپ
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے (۱)

زیادہ حد ادب

۸ فروری ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

نواب کلب علی خاں کی تاریخ ولادت ۲۰- ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ ۱۹ اپریل ۱۸۳۵ء ہے - ۳۰- ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ - ۲۱- اپریل ۱۸۶۵ء کو مسند نشین ہوئے - علمی ذوق بدرجہ کمال تھا - بہترین کتب خانہ جمع کیا - علم و ادب کے علاوہ ہر دائرہ ہنر و فن کے ارباب کمال کی پرورش فرمائی - ۲۷- جمادی الاخری ۱۳۰۴ھ - ۲۳- مارچ ۱۸۸۷ء کو انتقال کیا - بیگمات بھوپال کے علاوہ نواب موصوف بھی فریضہ حج کی بجا آوری سے شرف یاب ہوئے - بڑے ہی مخلص، نیک طبع اور رعیت پرور حکمران تھے - مندرجہ ذیل رقعات ''مکاتیب غالب،، میں شامل نہیں جو والیان رام پور کے نام میرزا کے خطوط کا مجموعہ ہیں :

---

(۱) ''حمام کے،، والا مصرع میرزا کی ایک غزل میں ہے :

شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

یہ غالباً ۱۸۵۳ء میں کہی گئی تھی، جب بہادر شاہ مرحوم سخت بیمار ہو گئے تھے - اللہ نے صحت عطا کی - میرزا غالب علی گڑھ باندہ وغیرہ کے سفر کا قصد کیے بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ بادشاہ غسل صحت کریں تو اجازت لے کر جائیں - نواب یوسف علی خاں مرحوم عارضہ سرطان میں مبتلا ہو کر چھ مہینے علیل رہے - بیچ میں صحت ہو گئی تھی، لیکن مرض عود کر آیا اور اسی بیماری میں انتقال کیا -

حضرت ولی نعمت ، آیہ رحمت سلامت ،

بعد تسلیم معروض ہے ، ورود توقیع (۱) و نوید عفو (۲) نے رواں پروری کی - سو روپے بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۶ء از روے ہنڈوی ملفوفہ معرض وصول میں آئے -

یا امیرالمومنین ، حضرت کا عزم رونق افزائی اکبرآباد سن کر چاہا کہ وہاں آؤں - ریل کی سواری کی تاب ہر گز نہ پائی (۳) - منزل به منزل جانے میں سوچا کہ آگرہ سات منزل ، رام پور چھ منزل ، یہاں جو جاؤں ، وہیں کیوں نہ جاؤں ؟ عزم مصمم کیا کہ اپنے فرزند (۴)

---

(۱) توقیع کا مطلب ہے وہ نشان جو بادشاہ فرامین و نامہ جات پر کر دیتے تھے ، مجازاً فرمان شاہی - یہاں مراد نواب موصوف کا مکتوب -

(۲) میرزا نے ہندی فرہنگ نگاروں کے متعلق اپنا معروف عقیدہ لکھ دیا تھا - نواب نے اس پر رنجش کا اظہار کیا اور لکھا کہ یا تو ایسے اشارے نہ کیا کریں یا کہیں تو خط و کتابت بند کر دی جائے - یہ ۱۳- اکتوبر ۱۸۶۶ء کا خط تھا - غالباً نواب کو زیادہ رنج مولوی غیاث الدین رام پوری مولف غیاث اللغات کے متعلق اشارے پر تھا ، جو نواب کے استاد تھے - اس پر میرزا نے معافی مانگ لی لیکن اس طرح کہ میں نے ہندوستانی محققین کے قول کے بناء پر نہیں بلکہ آپ کے ارشاد کی بناء پر سب کچھ تسلیم کر لیا - غالباً یہی رنجش یا تکدر میرزا کے متعلق نواب کلب علی خاں کی کم توجہی کا موجب بنا -

(۳) معلوم نہ ہو سکا کہ ریل کی سواری کس وجہ سے ناقابل برداشت ہوئی ، حالانکہ میرزا چند گھنٹوں میں آگرہ پہنچ سکتے تھے -

(۴) حسین علی خاں ابن عارف ، جسے میرزا نے بیٹا بنا لیا تھا -

اور آپ کے غلام کو بھیجوں - وہ بھی خوش خوش آمادۂ رہبری ہوا- ناگاہ تپ محرقہ نے اسے گھیرا ، شانے کا درد علاوہ ، مہینا بھر ہوا ، نہ تپ اترتی ہے ، نہ شانے کا درد جاتا ہے - حکیم احسن‌اللہ کی تجویز سے فصد بھی کھلی ، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا - کسی شب کو کچھ سو رہتا ہے - ورنہ ساری رات جاگتا اور ہائے ہائے کرتا ہے - اس کے ساتھ سب جاگتے ہیں :

راحتے نیست در آں خانہ کہ بیمارے ہیست

مجمل یہ ہے اور مفصل میر محمد زکی(۱) عرض کریں گے - زیادہ حد ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

مورخہ دو شنبہ پنجم نومبر ۱۸۶۶ء عریضہ اسداللہ بے دستگاہ

(۳)

حضرت ولی نعمت ، آیہ رحمت ، سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کہ کل حضرت کے اقبال سے ایک تازہ مسرت مجھ کو پہنچی - تفصیل اس کی یہ کہ اقبال نشان میرزا شہاب‌الدین خاں

---

(۱) یعنی سید محمد زکریا خاں دہلوی متخلص بہ زکی جو یو پی کے محکمہ تعلیمات میں ڈپٹی انسپکٹر رہے اور بدایون میں مقیم ہو گئے تھے - ان کے نام میرزا کا ایک مکتوب اور ایک سند شاگردی بھی اس مجموعے میں شامل ہے -

آخر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نومبر ۱۸۶۶ء میں گورنر جنرل نے آگرہ میں دربار کیا تھا - نواب کلب علی خاں کا پیش خیمہ وہاں پہنچ گیا تھا اور نواب موصوف بھی روانہ ہو گئے تھے - سنبھل پہنچے تو مزاج ناساز ہو گیا اور واپس چلے گئے (مکاتیب غالب ص ۸۵) -

انگریزی خواں ہے، اخبار انگریزی دیکھا کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ جناب نواب صاحب قبلہ، جو شریک اجلاس کونسل ہوئے، نواب گورنر جنرل بہادر مع اور کونسل نشینوں کے نواب صاحب کے حسن صورت و فرط خلق و لطف تقریر سے بہت راضی و خوشنود ہوئے اور ان کی رائے سب کو پسند آئی:

این مراتب کہ دیدہ ای جزوی ست
کار کلی ہنوز در قدر است

روز افزونی دولت و اقبال کے مدارج ابھی بہت سنوں گا اور دیکھوں گا ان شاءاللہ العلی العظیم۔

۲۶- جنوری ۱۸۶۷ء دولت دوام کا طالب، غالب

(۴)

حضرت ولی نعمت، ابر رحمت۔ سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیرالمسلمین نے مفتی صدرالدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپے مفتی جی کی تجہیز و تکفین کے واسطے رام پور سے بھیجے ہیں۔ فقیر کو بھی توقع ٹھہری کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہے گا، جیسا کہ جلال اسیر کہتا ہے:

جرعۂ لطف تو بعد از ما بما خواہد رسید

میں نے کل ایک خط نواب میرزا خاں (۱) کو لکھا ہے، خدا جانے وہ حضرت

---

(۱) نواب میرزا داغ دہلوی جو ان دنوں رام پور میں ملازم تھے۔

کی نظر سے گزرے یا نہ گزرے۔ اس خط میں، میں نے زوجۂ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاولد ہے اور ساٹھ روپے کرایے کے مکان اس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمان اس کا بھانجا ہے، مفتی جی کا کوئی نہیں (۱)۔

---

(۱) یہ مکتوب پہلے پہل ''آجکل،، دھلی کے ''غالب نمبر،، (فروری ۱۹۵۲) میں چھپا تھا۔ نہایت حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس سادہ سی تحریر کو بے وجہ و سبب اہلیہ مفتی صدرالدین آزردہ کی امداد میں رکاوٹ پیدا کرنے کی سعی قرار دیا گیا۔ حالانکہ پورے مکتوب میں ایک حرف بھی ایسا نہیں، جس سے اس افسوسناک الزام کے لیے برائے نام بھی کوئی اشارہ مل سکے۔ بلکہ امداد کی کیفیت بیان کرنے کے بعد میرزا نے لکھا:

فقیر کو بھی توقع ٹھہری کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہے گا۔ جس امداد و اعانت کو میرزا نے اپنے لیے امید کا ایک بہت بڑا سہارا قرار دیا، اسے اہلیہ مفتی صاحب کی امداد روک دینے کی سعی قرار دینا زیبا انداز فکر کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ پھر لطف یہ کہ پانسو روپے دھلی آ چکے تھے، اس حالت میں ان کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ مکتوب اس دور کا ہے جب میرزا کے حواس بھی بجا نہ تھے اور مالی پریشانیوں نے انہیں انتہائی تشویشات میں ڈال رکھا تھا، ''مکاتیب غالب،، میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ میرزا کا مطلب یہ تھا کہ جو مصدر لطف و کرم اس بیوہ کے لیے گراں بہا امداد کے انتظام میں متوقف نہیں، جس کے پاس وسائل موجود ہیں، وہ اس بیوہ کے لیے کیوں توقف فرمائے گا جس کا کوئی بھی وسیلہ اس دنیا میں نہیں۔ امداد کے سلسلے میں ایک کم مستحق فرد کی مثال پیش کر کے زیادہ مستحق کی طرف معطی کو متوجہ کرنا عام اسلوب بیان ہے۔ یقیناً میرزا غالب معصوم نہ تھے اور کون معصومیت کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے کہ غریب میرزا کو خواہ مخواہ نازیبا اخلاق کا پیکر بنانے کی سعی کی جائے:

چو بشنوی سخن اہل دل، مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ ای دلبرا، خطا ایں جاست

اب میں اپنی حقیقت عرض کرتا ھوں۔ آخر عمر میں تین التماسیں ھیں، آپ سے: ایک تو یہ کہ ھزار بارہ سو روپے کا قرض رکھتا ھوں، چاھتا ھوں کہ میری زندگی میں ادا ھو جائے۔ دوسری التماس یہ کہ حسین علی خاں کی شادی آپ کی بخشش خاص سے ھو جائے اور (تیسری التماس یہ کہ) یہ سو روپے مہینہ جو مجھے ملتا ھے، اس کے نام پر اس کے حین حیات قرار پائے۔ یہ دونوں خواھشیں (یعنی دو آخری) خواہ میری زندگی میں، خواہ میرے بعد اجرا پائیں:

تم سلامت رھو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزوں

روز شنبہ ۵- ربیع الثانی (۱۲۸۵ھ) عرضداشت دولت خواہ

۲۷- جولائی (۱۸۶۸ء) اسداللہ

جن اصحاب علم و فضل نے اس مکتوب کو میرزا کے خلاف ایک بے بنیاد الزام کی دستاویز بنایا، انہوں نے نادانستہ ھی سہی حدود حق و انصاف سے تجاوز کیا۔

مولوی نعمان احمد

مولوی صاحب موصوف کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ مہیوا (پر گنہ مہولی ، ضلع سیتا پور، یو پی) کے تھے اور میرزا نے سرنامے میں انہیں تعلقہ‌دار لکھا ہے۔

(۱)

جاں بر سر مکتوب تو از ذوق نشاندن

از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد

ابر رحمت ، سلامت ۔ یاد آوری کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کیوں اتنی میری تعریف کی ، جو میں اپنے کو اس کے لائق نہیں پاتا ہوں۔ ہر گز ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت ما فی‌الباب یہ ہے کہ سخنوران گزشتہ کا طرز شناس اور ان نازک خیالوں کا پیرو ہوں اور مبدأ فیاض سے مجھ کو ان کی تقلید میں پایۂ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرز جدید ہوں۔

اب یہاں ایک بات سچ کہتا ہوں ، آپ باور کریں ۔ واللہ باللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے ، نہ تملق ۔ خالصاً للہ آپ سچ ارشاد کریں کہ بعض اشخاص جو اس روش پر چلتے ہیں ، باآنکہ خوش رفتار نہیں ، لیکن مجھ کو برا جانتے ہیں اور برا کہتے ہیں ، یہ حق نا شناسی اور نا انصافی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ضرور لکھیے۔

جو ''قاطع برہان،، میں کہیں کہیں سہو طبعی واقع تھا، ناچار اس کی ترمیم و تکمیل کے واسطے اسی نسخے میں کچھ بڑھایا اور ایک دیباچہ اور لکھا اور اس رسالے کا ''درفش کاویانی،، نام رکھا۔ کل یکشنبہ ہے۔ پارسل ڈاک میں روانہ نہیں ہو سکتا۔ پرسوں دوشنبہ کو بھیجوں گا۔ اس کے سوا وہ پرسش جس کا خط میں وعدہ ہے اس کا منتظر اور جلد پہنچنے کا آرزو مند ہوں۔ آیندہ خانی، نوابی یا جو اور الفاظ اسم کے ساتھ معمول ہوں، ان پر اطلاع پاؤں۔

۵- ستمبر ۱۸۶۶ء اسداللہ

لفافے پر یوں پتہ مرقوم ہے:

مقام مہیوا، پرگنہ مہولی، ضلع سیتاپور پہنچ کر حضرت فلک رفعت مخدوم مکرم و معظم جناب نعمان احمد صاحب تعلقہ دار زاد مجدہ کی خدمت میں مقبول ہو۔

۵- ستمبر ۱۸۶۶ء جواب کا طالب، غالب

(۲)

مولانا و بالفضل اولانا!

فقیر میں جہاں اور عیب ہیں، ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حکام سے بہ سبب ریاست خاندانی کے علاقے کے اکثر ملاقات رہتی ہے اور معاملات بھی آ پڑتے ہیں۔ کبھی خوشامد کسی کی نہیں کی۔ بھلا حضرت سے جھوٹ کیوں بولتا اور آپ کی خوشامد کیوں کرتا؟ ایسا عامی بھی نہیں کہ واللہ باللہ کو تکیہ کلام جانتا ہوں۔ موحدہ کو اور واؤ کو قسمیہ جان کر از روے قسم لکھا تھا(۱) اور اب بھی از روے قسم کہتا ہوں کہ نثر کے اس شیوۂ خاص میں اور مدعیوں سے آپ بہتر ہیں۔

---

(۱) یہ اشارہ ہے خط ۱ کے ''واللہ باللہ،، کی طرف۔ واللہ باللہ میں ''و،، اور ''ب،، قسمیہ ہیں۔

آپ کو اپنا ہم فن اور ہم زبان سمجھ کر اپنا درد دل آپ کے سامنے کہا تھا۔ آپ نے غمخواری نہ کی بلکہ اور الٹا آپ مجھ سے ملول ہوئے۔ خیر یہ بھی میرے بخت کی برگشتگی تھی کہ حضرت کے ذہن نے میرے خلاف مقصود کی جہت انتقال کیا(۱)۔

برسوں سے خطوط فارسی لکھنے چھوڑ دیے(۲)۔ اب شاہزادہ بشیرالدین بہادر نبیرہ ٹیپو سلطان مغفور کے سوا کسی کو فارسی خط نہیں لکھتا اور یہ موافق ان کے حکم کے ہے اور وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔ بہتر برس کی عمر، حواس مسلوب، قویٰ مضمحل، بصارت میں ضعف، ہات میں رعشہ، نسیان مستولی۔ اے لو آپ کا خط آیا، پڑھا، جواب اور وقت(۳) پر حوالے کر کے خط مع سرنامہ رکھ چھوڑا۔ آج جو جواب لکھنے بیٹھا، خط نہیں ملتا۔ نہ بکس میں، نہ کتابوں میں، نہ طاق میں۔ حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے جو کچھ یاد آ گیا، اس کا جواب لکھا۔

قران کے باب میں عرض یہ ہے کہ زہرہ و مشتری کا ایک برج اور درجہ و دقیقہ میں برابر ہونا ''قران السعدین،، ہے۔ اور یہ قرانات جزئیہ میں سے ہے اور اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ قران جب سلطنت موعود نہیں۔ اگر کسی بادشاہ کے ہنگام ولادت یہ قران آ پڑا ہوگا، بہ شرط آنکہ برج طالع میں یا اوتاد ثلاثہ یا مائل اوتاد میں واقع

---

(۱) میرزا نے تو خلوص سے مکتوب الیہ کی نثر نگاری کے شیوۂ خاص کو سراہا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس نے الٹا اثر قبول کیا۔

(۲) معلوم ہوتا ہے، مکتوب الیہ نے عرض کیا تھا کہ خط کا جواب فارسی میں لکھا جائے۔ اسی وجہ سے میرزا کو توضیح کرنی پڑی کہ اب شہزادہ بشیرالدین توفیق میسوری کے سوا کسی کو فارسی میں خط نہیں لکھتا۔ لیکن شہزادہ موصوف کے نام بھی پانچ مکتوب اردو کے ہیں۔

(۳) یعنی دوسرے وقت۔

ہوا (۱) کہ نظر اس کی طالع مولود پر ہو تو وہ افادۂ صحت و عیش و عشرت کرتا ہے اور پس۔ وہ قرانات اور ہیں جو موجب تغیر اوضاع عالم و انتقال سلطنت ہوتے ہیں ۔ ازاں جملہ ایک یہ قران تھا کہ زحل و مریخ سرطان میں فراہم (۲) ہوئے ہیں، سراسر ہندوستان کی خاک اڑا دی (۳) ۔

قصہ مختصر، جو بادشاہ ''صاحب قران،، کہلاتا ہے، بہ اعتبار افراط جاہ جلال و قوت حال کہلاتا ہے۔ طالع ولادت میں قران السعدین واقع ہونا ضروری نہیں ۔ ''صاحب قران،، مرادف شاہنشاہ ہے، سو بھی صرف سلاطین تمریہ(۴) میں دو شخص ''صاحب قران،، کہلاتے ہیں، امیر تمر اور شاہ جہاں۔ تتبع کلام اساتذہ سے معلوم ہوگا۔ کہ خاقانی نے اپنے آپ کو ''صاحب قران،، لکھا ہے۔ اسی طرح فقیر نے بھی لکھا ہے:

سزد گر نویسند صاحب قرانم(۵)

---

(۱) اوتاد طالع میں مولود چار بتائے جاتے ہیں ۔ پہلا برج طالع جو خانۂ اول ہے۔ اس کا تعلق مولود کے جان و تن اور عمر سے ہے ۔ دوم خانہ چہارم ، جس کا تعلق معاش اور ملک و مقام ہے۔ سوم خانہ ہفتم ، اس کا تعلق تزویج کے سلسلے میں مقصود و مراد سے ہے۔ چہارم خانہ دہم ، جس کا تعلق حکومت ، شغل اور دولت سے ہے۔ ''اوتاد ثلاثہ،، سے بظاہر مقصود خانہ چہارم، خانۂ ہفتم اور خانۂ دہم کے اوتاد ہیں ۔

(۲) اکٹھے ۔ یکجا۔

(۳) اشارہ غالباً ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی طرف ہے ۔ (۴) تیموری بادشاہ۔

(۵) پورا شعر یوں ہے :

چہل سال توقیع معنی بنشتم
سزد گر نویسند صاحب قرانم

اور بیان مدت توقیع نویسی علت نہیں ہے صاحب قران کہلانے کی (۱)۔فقط
شنبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء   ۱۲۷۸ (۲)
اسداللہ   غالب

از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں

لفافے پر پتا یوں مرقوم تھا:

مہیوا، پرگنہ مہولی، ضلع سیتاپور، بخدمت مخدوم و مکرم مولوی نعمان احمد صاحب مقبول باد   از اسد

(۳)

حضرت آپ کو اپنے حال پر متوجہ پا کر اور مائل تحقیق جان کر کل چار سواد میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کیے ہیں:

۱۔ ایک "دافع ہذیان"۔ مصنف اس کے مولوی نجف علی، مجمع البحرین علم فارسی و عربی۔ سبب تالیف یہ کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے "قاطع برہان" کے مطالب کے رد میں ایک کتاب لکھی۔ "محرق قاطع برہان"(۳) اس کا نام رکھا۔ عبارت مہمل، مقاصد پوچ۔ مولوی نجف علی نے منصفانہ اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا، موسوم بہ "دافع ہذیان" فارسی قدیم کی طرز پر۔

---

(۱) مطلب یہ کہ میں نے شعر و ادب میں مرتبے کی رفعت اور مقام کی بلندی کے اعتبار سے اپنے آپ کو "صاحب قران" کہا ہے۔ چالیس سال تک معنی کی توقیع نویسی "صاحب قران" کہلانے کی علت نہیں، بلکہ محض اظہار حقیقت ہے۔

(۲) یہ مہر ہے جس پر تاریخ ۱۲۸۷ھ لکھی گئی ہے۔ جو بداھتہً غلط ہے، کیونکہ ۱۲۸۵ھ میں تو میرزا نے انتقال کیا۔ اغاب ہے ۱۲۷۸ھ کو غلطی سے ۱۲۸۷ھ بنا دیا گیا ہو۔

(۳) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب مولوی سعادت علی کی تھی۔

۲ - دوسرا رسالہ ، ''سوالات عبدالکریم،، (۱) یہ شخص طالب علم ساکن دھلی ھے -

۳ - اس نسخے کے (سوالات عبدالکریم کے) خاتمے پر استفتاء ھے ، جس کو میں نے تیسرا سواد شمار کیا ھے -

۴ - چوتھا ''لطائف غیبی،، (۲) یہ رسالہ اردو زبان میں ھے - اس کا حال اس کے مشاھدے سے کھلے گا -

اور پارسل سے کئی دن پہلے ایک خط بھیجا ھے ، اس کے جواب کا بھی طلبگار ھوں -

۱۹ - اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسداللہ بے دستگاہ

نظربہ احتیاط یہ خط بیرنگ بھیجا ھے ، قصور معاف -

(۴)

قبلہ! آج خیال آیا کہ نامہ مرقومہ ۳۱- اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا - اس میں میری بھیجی ھوئی کتابوں کی رسید اورآپ کا عازم اکبر آباد ھونا مندرج تھا - اکبر آباد کا ھنگامہ تمام ھوا - غالب ھے کہ آپ بھی اپنے دارالریاست کو پہنچ گئے ھوں گے - عجب ھے کہ وھاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا -

للہالحمد کہ اقبال نشان ، عالی دودمان مولوی سلطان احمد خاں کی نوید صحت از روے مکتوب معلوم ھو گئی ھے - فقیر کی دعاے بے ریا ان کو پہنچے - میں حسب‌الحکم خط بیرنگ بھیجتا ھوں ، مگر طریق احوط یہ ھے کہ آپ کے خطوط بھی بیرنگ روانہ ھوا کریں کہ فی‌الجملہ اس میں تلف ھونے کا اندیشہ کم ھے -

---

(۱) بظاھر یہ رسالہ خود میرزا نے مرتب کیا تھا اور عبدالکریم کے فرضی نام سے چھاپ دیا -

(۲) یہ کتاب بھی میرزا غالب ھی کی تھی -

جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتے ہوں گے۔ اگر میرا گمان سچ ہے تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں، نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔

دو شنبہ ۱۷- دسمبر ۱۸۶۶ء نامۂ غالب بے ادب،
تقصیر معاف، جواب طلب

لفافے کا پتا یہ ہے:
ضلع سیتا پور، پرگنہ مہولی، مقام مہیوا۔
بہ والا خدمت مولوی صاحب جمیل المناقب صاحب، عمیم الاحسان
مولوی نعمان احمد خاں بہادر تعلقدار زاد مجدہ مقبول باد۔
اسد یک رنگ، بیرنگ

سید احمد حسن عرشی قنوجی

سید احمد حسن ، بن سید اولاد حسن ، بن سید اولاد علی انور جنگ - ۱۹ رمضان ۱۲۴٦ ھ/۳- مارچ ۱۸۳۱ء کو قنوج میں پیدا ہوئے - ان کے جد امجد حیدر آباد دکن کے امرا میں سے تھے - والد ماجد نے سید احمد شہید کی رفاقت میں جہاد میں حصہ لینے کے علاوہ تبلیغ و تنظیم جہاد اور اشاعت کتاب و سنت کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا - سید احمد حسن کے چھوٹے بھائی سید صدیق حسن (امیرالملک والا جاہ) نے بھوپال میں ناموری حاصل کی ، نیز عربی ، فارسی اور اردو میں بہ لحاظ کثرت و عمدگی تصانیف بھی بہت ممتاز ہیں -

سید احمد حسن عربی و فارسی کے فاضل تھے - تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - فنون سپہ گری میں بھی مہارت تامہ حاصل کی - دو تین مرتبہ حج کا قصد کیا - والدہ کے اصرار سے رکے رہے - کیونکہ وہ فرماتی تھیں کہ گھر کے افراد مل کر چلیں گے - آخر ۱۸٦۱ء میں اکیلے روانہ ہو گئے - بڑودہ پہنچ کر چند روز کے لیے رکے - اثنائے سفر میں خارش کی شکایت پیدا ہو گئی تھی - پھر تپ و اسہال کی تکلیف شروع ہو گئی - اسی میں ۹- جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ/ ۲۳- نومبر ۱۸٦۰ء کو انتقال کیا - تقریباً تیس برس کی عمر تھی -

اردو اور فارسی شاعری میں میرزا کے شاگرد تھے۔ ان کے پاس میرزا کے بہت سے خطوط ہوں گے مگر صرف دو خط محفوظ رہ سکے جو سفر حج میں بڑودہ سے بھیجے ہوئے خطوط کے جواب میں تھے۔ باقی خط وطن میں ہوں گے جو محفوظ نہ رہے۔

---

(۱)

یارب، ایک خط مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے، کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے، اودھر سے اظہار آشنائی ہے، میری طرف سے یہ بے حیائی ہے کہ مجھ کو ان کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سونچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیاں خراب، عشرۂ قتالہ (۱) کے مرحلے کا رہ پیما ہوں۔ شاید اگر جیوں گا تو اس کا بھی مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں، پینسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل۔ بہ سبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں، مولوی لکھوں، خان لکھوں۔ خط تو خیر کچھ لکھ دوں گا، خط کا عنوان کیا لکھوں؟ (۲)

---

(۱) ساتواں عشرہ یعنی اکسٹھ سے ستر سال تک کا عشرۂ عمر۔

(۲) اس نسیان اور بھول کا ایک سبب تو بڑھاپا تھا، جس میں قوائے ظاہری کے ساتھ عموماً قوائے باطنی بھی کمزور ہو جاتے ہیں، ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ میرزا کو خیال تک نہیں آ سکتا تھا کہ احمد حسن عرشی قنوجی بڑودہ کیوں کر پہنچ گئے؟ بے شک وہ حج کو جاتے ہوئے دھلی میں میرزا سے ملے ہوں گے، لیکن اغلب ہے میرزا کو احساس ہی نہ رہا ہو کہ بڑودہ سفر حج کی ایک منزل ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ عرشی نے راستے سے میرزا کو کوئی خط نہ لکھا ہوگا کہ انہیں یاد رہتا عرشی رہ پیمائے منازل حج ہے۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ صرف احمد حسن نام لکھ دیا ہوگا، نہ تخلص درج کیا، نہ نام کے ساتھ سید لکھا اور وطنیت کی بھی تصریح غالباً نہ کی یعنی سید احمد حسن عرشی قنوجی۔

بندہ پرور، فقیر معاف رہے۔ حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں، بلکہ ان کا احسان مانتا ہوں، کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجھ کو یاد دلاتے رہتے ہیں، نہ آپ کہ بعد ایک عمر کے ناگاہ بہ نامہ یاد فرمائیں اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ دلائیں۔

بہ ہر حال تمہارا دعاگو ہوں، اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے؟ کے ملاقاتیں ہوئی تھیں؟ یہ سب مدارج جان جاؤں۔

نثر کے شیوہ و انداز کا تو ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ شاعر ہو، شاعر بھی ہو تو تخلص کیا ہے؟

نامہ نگار کا حال بہ سبیل اجمال یہ ہے کہ سیاست سے محفوظ ہوں اور حکام کی عنایت سے محظوظ ہوں، بے وفائی کا داغ نہیں لگا ہے۔ پنسن قدیم کا بہ دستور اجرا ہے۔ زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھیے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔

مکرم مخدوم، آپ کے ہم نام مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہرا درویش نواز ہیں کہ اس گمنام گوشہ نشیں کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام بہ اشتیاق تمام پہنچائیے(۱) والسلام

راقم

جواب نامہ کا طالب

اسداللہ المتخلص بہ غالب

---

(۱) ان سطور سے خیال ہوتا ہے کہ عرشی نے میرزا کو جو خط لکھا، وہ حکیم احمد حسن مودودی کی تحریک و اصرار سے لکھا۔ خط ۲ میں تصریح ہے کہ حکیم احمد حسن مودودی میرزا سے مشورۂ سخن کے آرزو مند تھے اور ان کا سلسلہ تلمذ ۱۸۶۰ء کے بعد ہی سے شروع ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کے نام میرزا کے جو خطوط اس وقت تک دستیاب ہوئے، ان میں سے پہلا جون ۱۸۶۱ء کا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے پیشتر بھی ایک خط لکھا تھا۔ اغلب ہے یہ سلسلہ ۱۸۶۱ء کے اوائل سے شروع ہوا ہو۔

(۲)

مخدوم و مکرم مولوی سید احمد حسن خاں صاحب باور کریں کہ یہ درویش گوشہ نشیں تمہارا دوست اور تمہارا دعا گو ہے۔ تمہاری نثر کی طرز پسند اور تمہاری خواہش مقبول۔ سید احمد حسن صاحب کی خدمت گزاری مقبول :

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پینسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ اضمحلال قویٰ، ضعف دماغ، فکر مرگ، غم عقبیٰ، جو آپ مجھ کو دیکھ گئے ہیں، میں اب وہ نہیں ہوں۔ نظم و نثر کا کام صرف پچاس برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے، ورنہ جوہر فکر کی رخشندگی کہاں۔ بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے، زور نہیں دلوا سکتا۔ بہ ہر حال حکیم صاحب کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔ یہاں سے بعد حک و اصلاح کے خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲۱- ستمبر ۱۸۶۰ء
غالب

عباس بیگ، اور محمود بیگ

میرزا غالب کے بھانجے میرزا عباس بیگ سیتا پور (یوپی) میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے، اسی ضلع میں علاقہ بڑا گاؤں بطور جاگیر ملا تھا۔ چھ سو روپے ماہوار الگ بہ صلہ خدمات پاتے تھے۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد میرزا عباس بیگ لکھنئو میں مقیم ہو گئے تھے۔ جہاں ایک امام باڑہ بھی بنوایا، پچھتر برس کی عمر پا کر ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے تو انہی کے امام باڑے میں انہیں دفن کیا گیا۔ نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔ وجیہ‌النساء بیگم نام ایک بیٹی تھی، جس کی شادی اپنے بھتیجے محمود بیگ (بن عاشور بیگ) سے کر دی تھی جس کے نام دوسرا خط ہے۔ وجیہ‌النساء والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی۔ عباس بیگ نے اپنے ایک اور بھتیجے فیاض بیگ (بن جواد بیگ عرف مرزا مغل) کو بیٹا بنا لیا تھا اور پوری جایداد اسی کے نام کر دی تھی۔

میرزا عباس بیگ کا ذکر کئی خطوں میں آیا ہے۔ ان خطوں سے واضح ہے کہ بھانجوں اور ان کی اولاد کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری تھا اور وہ لوگ میرزا سے ملنے کے لیے بھی دہلی آیا کرتے تھے۔ ان کے نام بہت سے خط ہوں گے، مگر صرف یہی دو خط نادم صاحب سیتا پوری نے لکھنئو کے ایک رسالے ''خیابان،، کی اشاعت نومبر ۱۹۳۳ء سے لے کر مارچ ۱۹۶۳ء کے ''آجکل،، (دہلی) میں شائع کرائے۔

(۱)

بھائی مرزا عباس بہادر،

میں حیران ہوں کہ تم سرکار کے کام کو کیوں کر انجام دیتے ہو۔ اور مضامین قانونی کو کیوں کر سمجھ لیتے ہو اور مقدمات کے فیصلے کیوں کر کرتے ہو! مجھ کو نواب گورنر جنرل بہادر کا دربار کب نصیب ہوا؟ نہ انہوں نے دھلی میں دربار کیا، نہ میں انبالہ گیا۔ میں نے تم کو لکھا کہ ادھر تو مجھ کو اپنے فرزند (۱) کی شادی میں شریک نہ ہونے کا رنج رہا۔ اودھر دربار میں حاضر نہ ہونے کا غم رہا۔ اخبار میں، میں نے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب یعنی جناب منٹ گمری (۲) اور ان کے سکرتر ٹامس ڈگس فورسائتھ (۳) صاحب اور ان کے میر منشی من پھول سنگھ (۴) صاحب کی تعریف چھپوائی اس اخبار کی عبارت سے یہ بات نکلتی ہے! کہ منشی نے مجھے خلعت دلوایا؟ اور یہ بھی محل غور ہے کہ گورنر جنرل کے دربار میں خلعت پایا۔ بھکتے ہو اور پھر میر منشی من پھول سنگھ ....کو اس کا سبب

---

(۱) مکتوب الیہ کی بیٹی وجیہ‌النساء بیگم مراد ہے، جس کی شادی محمود بیگ بن عاشور بیگ (خواھرزادہ میرزا غالب) سے ہوئی تھی۔

(۲) منٹگمری (۱۸۰۹ء—۱۸۸۷ء) فروری ۱۸۵۹ء سے جنوری ۱۸۶۵ء تک پنجاب کا لفٹنٹ گورنر رہا۔ ضلع ساھیوال کا نام اسی کے نام پر منٹگمری رکھا گیا تھا۔ اور منٹگمری ہال بھی اسی کی یادگار ہے۔

(۳) فورسائتھ (۱۸۲۷ء—۱۸۸۶ء) اس نے یارقند اور لیہ (کشمیر) کے سفر بھی کیے، انبالہ میں کمشنر بھی رہا، ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی سزا دھی کے لیے کمشنر بنا دیا گیا تھا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لفٹنٹ گورنر کا سکرٹری کب سے کب تک رہا۔

(۴) میر منشی پنجاب جسے مولانا محمد حسین آزاد مرحوم اور بعض دوسرے افراد کے ساتھ کار خاص کے لیے وسط ایشیا بھیجا گیا تھا۔

جانتے ہو۔ وہ میر منشی لفٹنٹ گورنر کے ہیں۔ ان کو گورنر (جنرل) کی سرکار میں کیا دخل ؟

مجھ کو ہرگز دیدار نواب گورنر جنرل ایلگن بہادر(۱) کا نصیب نہیں ہوا۔ ہاں جب نواب لفٹنٹ گورنر جنرل منٹگمری بہادر اس شہر میں آئے تو مجھ کو یاد کیا۔ بہت عنایت فرمائی۔ ایک شالی رومال سوزن کار اور ایک گلو بند سوزن کار اور ایک الوان کی فرد چار گز لمبی، یہ تین کپڑے مجھ کو دیے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ میرا موجب اعزاز و افتخار ہے، مگر میری جان الجھی ہوئی ہے، لارڈ صاحب کے دربار و خلعت میں فرمایا : ''اچھا، اچھا،، ۔ دوسرے دن لارڈ صاحب آئے ......تیسرے دن لفٹنٹ گورنر پنجاب سے رخصت ہونے گیا ۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ میں ہمیشہ لارڈ صاحب کے دربار سے سنہرے اساوری(۲) کے سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ، مالائے مروارید تین رقم ہمیشہ پایا کیا۔ اب یہ اور دربار اور خلعت بند ہے۔ اس کا مجھ کو بڑا غم ہے، فرمایا کہ غم نہ کرو، تمہارا دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ جاؤ گے تو دربار و خلعت پاؤ گے۔ میں نے اپنا ہاتھ دکھایا اور کہا کہ حضرت بوڑھا

---

(۱) لارڈ ایلگن اول گورنر جنرل اور وائسرائے (۱۸۱۱ء—۱۸۶۳ء) ایلگن ۱۸۶۲ء میں وائسرائے مقرر ہو کر آیا اور ۲- نومبر ۱۸۶۳ء کو دھرم سالہ (ضلع کانگڑہ) میں فوت ہو گیا۔

(۲) باریک ریشمی پارچہ جس میں لال، زرد اور سبز دو پٹریاں ہوتی ہیں، یہ دو قسم کا ہوتا ہے : ایک جس میں طولاً رپہلے تار استعمال ہوتے ہیں، دوسرا سنہرے تاروں والا۔

(۲) اس سے واضح ہے کہ میرزا عباس بیگ نے بھی ماموں کی پنشن اور اعزازات دربار و خلعت کی بحالی کے لیے کوشش کی تھی۔ اغلب ہے مرکزی حکومت کے کارکنوں میں سے بعض کے ساتھ اس کے خاص روابط ہوں۔

ہوں اور زخمی ہو گیا ہوں۔ انبالہ کس طرح جاؤں؟ .... خیر آیندہ دربار میں پاؤ گے۔

جو عرضی تم نے میری طرف سے لکھ کر مجھ کو بھیجی تھی اور میں نے اپنی مہر کر کے رجسٹری کروا کر کلکتہ بھیجی تھی، اس کا کچھ میں نے جواب نہیں پایا۔ شاید یہ حکم اسی عرضی پر ہوا ہو، لیکن اس عرضی کو گئے ہوئے بہت دن ہوئے اور دربار و خلعت کی واگزاشت کا حکم اب صادر ہوا ہے(۲)۔ چنانچہ مولوی اظہار حسین خاں میر منشی کہتے تھے کہ لارڈ صاحب تمہارے دربار و خلعت کے واگزاشت کا حکم دے کر کلکتہ سے ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔

دوسرے نواب گورنر جنرل بہادر کا نام لارڈ ایلگن بہادر ہے اور چیف سکرٹری کا کرنیل ڈورینڈھی بہادر نام ہے۔ ہیرنگٹن صاحب شاید سال آیندہ سکرتر یا پرائیویٹ سکرتر ہوں یا کونسل کے ممبر ہوں۔

بہ ہر حال اگر تمہارے سبب سے کام ہوا تو کیا غضب ہوا؟ مگر اتنا جان لو کہ واگزاشت کا حکم سنتا ہوں کہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس تحریر اس حکم کی بھی ابھی نہیں پہنچی اور تعمیل بھی ابھی نہیں ہوئی، یعنی نہ میں دربار میں گیا، نہ خلعت پایا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی ملاقات اور ان کا خلعت اور امر ہے، یہ اور بات ہے۔ اس امر اور اس بات سے اس کو ہر گز علاقہ نہیں۔

اب میں نے جناب کرنیل ڈورینڈھی بہادر چیف سکرتر کو فارسی میں خط (۱) بھیجا ہے اور وہ کاغذ انگریزی آمدہ ولایت اس کے ساتھ

---

(۱) میرزا بعض اوقات تو عرضیاں یا خطوط انگریزی میں ترجمہ کرا کے بھیجتے تھے۔ بعض اوقات فارسی میں بھی ارسال کر دیتے تھے۔ اس زمانے کے انگریز ہر امر کا خیال رکھتے تھے۔ اکثر سکرٹری فارسی جانتے تھے اور جو نہیں جانتے تھے، ان کے ہاں مترجم موجود تھے، جن کے تراجم پڑھ کر احکام نافذ کیے جاتے تھے۔

بھیجے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ گورنمنٹ سے میرے واسطے تین دستور جاری ہیں: دربار، خلعت(۱)، خط۔ بعد غدر کے تینوں دستور بند ہو گئے۔ اب دربار اور خلعت کی واگزاشت کی خبر سن کر سکرتر صاحب کو خط لکھا ہے۔ جواب کے آنے پر دلجمعی کا مدار ہے۔ اگر جواب آیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔ ۱۲

واسطے خدا کے ان سطروں کو غور سے دیکھنا اور مطالب کو اچھی طرح سمجھ لینا اور غلط نہ سمجھنا(۲)۔ دوسرا ورق بنام محمود میرزا کے ہے، اس کو دینا اور اگر تمہارے پاس نہ ہو تو جہاں ہو بھیج دینا۔

مرقومہ صبح سہ شنبہ ۲۳- ذی قعدہ (۱۲۷۹ھ) راقم غالب

مطابق ۱۲- مئی (۱۸۶۳ء) سنہ حال ضروری جواب طلب

(۲)

برخوردار اقبال نشان محمود میرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی میں تمہارا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ خط تمہارا اچھا ہے، خدا کرے خط سر نوشت بھی اچھا ہو۔

---

(۱) میرزا نے نواب یوسف علی خاں کے نام ایک مکتوب (مرقومہ ۱۸- دسمبر ۱۸۶۶ء)میں خلعت کی تفصیل یہ بتائی ہے: کمخواب کا تھان ایک، بنارسی تھان سنہری بوٹے ایک، بنارسی سیلا ایک، الوان کی چادر کنارہ کلابتون ایک، قناویز کا تھان ایک، الوان کی چادر بے کنارہ ایک، دوشالہ ایک، یہ کل سات پارچے ہوئے جیغہ، سر پیچ دار، مالاے مروارید ان پارچوں کے علاوہ تھے۔ (مکاتیب غالب ص ۸۸)۔

(۲) میرزا کے اس خط سے واضح ہے کہ اگرچہ میرزا عباس بیگ اپنی کارکردگی اور خدمات کی بنا پر بلند مرتبے پر پہنچ گئے تھے، مگر بے پروا سے تھے۔ کم از کم معاملات کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے دوسرے خط میں جو میرزا محمود بیگ کے نام ہے، عباس بیگ کو مست خودپرست لکھا ہے۔

خدا کی قسم تمہارے سہرے کے دیکھنے کی بہت خوشی تھی، مگر آ نہ سکا (۱) اگر جیتا رہا اور اسباب نے مساعدت کی تو اکتوبر نومبر یعنی جاڑوں میں آؤں گا۔ اور تم لوگوں کو دیکھوں گا۔ ۱۲

پھوڑا اب اچھا ہو گیا ہے(۲) خاطر جمع رکھو۔ چھہ مہینے کے دن رات کی ٹیس نے جو روح تحلیل کی ہے اب بڑھاپے میں وہ پھر کہاں سے آئے۔ بیٹا! تیرے سر کی قسم اگر میں لنگ باندھے ہوئے ننگا بیٹھا ہوں تو میری شکل آکھ کی بڑھیا کی سی ہوگی۔ شاید ہوا کے جھونکے سے اڑ جاؤں۔ جب مجھ کو دیکھو گے، تب جانو گے کہ کیا حال ہے (۳)۔ ۱۲

تمہارے چچا(۴) اللہ میاں کے ''مست خود پرست،، بندے ہیں۔ بات ہے کچھ، سمجھتے ہیں کچھ، نہ اخبار کا مطلب سمجھے، نہ میرا حال۔ نہ میرا مقدمہ جو کچھ واقع ہوا، اس کو سمجھے۔ اب میں نے ان کو ایک خط جداگانہ لکھا ہے۔ اپنی طرف سے اظہار حال میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ خدا کرے سمجھ جائیں، لیکن مجھ کو توقع نہیں کہ سمجھیں۔

تم نے اپنی والدہ کی اور اپنی بھاوج کی اور خدا داد(۵) اور

---

(۱) میرزا مرض احتراق میں مبتلا ہو کر بالکل معذور ہو گئے تھے، اس لیے شادی میں شریک نہ ہو سکے۔

(۲) اس فقرے سے صاف ظاہر ہے کہ میرزا محمود بیگ اور تمام دوسرے عزیزوں کو میرزا غالب کی بیماری کے متعلق اطلاع تھی اور خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری تھا۔

(۳) گویا میرزا محمود بیگ اور دوسرے عزیز میرزا کو دیکھنے کے لیے آتے بھی رہتے تھے۔ (۴) میرزا عباس بیگ۔

(۵) میرزا خداداد بیگ میرزا محمود بیگ کے بھائی اور میرزا عاشور بیگ کے بیٹے تھے۔

رفیع الدین (۱) کی خیر و عافیت نہ لکھی۔ اب جو اس خط کا جواب لکھو تو ان سب کی خیر و عافیتیں لکھو۔ ۱۲

سہ شنبہ ۲۳۔ ذی قعدہ (۱۲۷۹ھ) غالب

۱۲۔ مئی سنہ حال (۱۸۶۳ء)

---

(۱) میرزا رفیع الدین بیگ بھی محمود بیگ کے بھائی تھے، شعر بھی کہتے تھے اور وحشی تخلص تھا۔ ان کا ایک مختصر سا دیوان چھپا تھا۔ اب کمیاب ہے۔

میر احمد حسین میکش

والد کا نام میر کرار حسین ، ''روز روشن،، میں کرامت حسین مرقوم ہے (ص ٦٦٨) جو صحیح نہیں - میرزا غالب کے عزیز شاگرد ، عموماً فارسی شعر کہتے تھے - دھلی میں ان کا مشغلہ وکالت عدالت دیوانی تھا - (کلیات نثر فارسی غالب ص ٢١٧) پھر یہ مشغلہ چھوڑ کر پٹودی چلے گئے - میرزا لکھتے ہیں :

یاد آورند کہ رفتن ایشاں بہ پٹودی روا نہ داشتہ بودیم
و باور دارند کہ ماندن ایشاں در آنجا روا نداریم
(کلیات نثر فارسی ٢١٧)

جب میرزا کو تجمل حسین خاں والی فرخ آباد نے اپنے پاس بلایا اور میرزا جانے پر راضی ھو گئے تو وہ میکش کو بھی ساتھ لے جا رہے تھے - فارسی کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

دریں فرخندہ ھنگام امیر سلطان شکوہ نصیرالدولہ معین الملک تجمل حسین خاں بہادر حشمت جنگ کہ وسادہ نشین ریاست فرخ آباد است ھمانا کہ روشنی فروغے کہ در گوھر اوست گہر فشانی کلک مرا نگرستہ و بہ من روے نمود - ورود من بہ فرخ آباد آرزو کردہ - ھر چند گوشہ نشینی و نامرادی آئین من است ، اما بہ مشاھدۂ مہرے کہ ایں والا جاہ با من ہے ورزد ، آھنگ آں دارم کہ پاے خوابیدہ را بہ رفتار آرم و از دھلی بہ فرخ آباد پویم و شما را بہ خویشتن برم - چہ خوش باشد کہ پیوند اقامت پٹودی کہ نہ بہ اندازۂ ارزش شماست ، بگسلید وھم دریں ھفتہ بہ من پیوندید !

هلاک شیوه تمکیں مخواہ مستاں را
عناں گسستہ تر از باد نو بہار بیا
(کلیات نثر ۲۱۸)

اس خط پر تاریخ ثبت نہیں لیکن تجمل حسین خاں کا انتقال ۱۸۴۶ء میں ہوا۔ یہ بہ ہر حال اس سے پیشتر کا ہوگا۔ میرزا فرخ آباد نہ گئے۔ ممکن ہے تجمل حسین خاں کی بیماری اور وفات ہی کے باعث رک جانا ناگزیر ہو گیا ہو۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت میکش دہلی میں تھا۔ میرزا غالب مجروح کو لکھتے ہیں (بتاریخ ۷۔ فروری ۱۸۵۸ء):

میکش چین میں ہے۔ باتیں بناتا پھرتا ہے۔ "سلطان جی" میں تھا۔ اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔

(خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد ص ۲۳۰)

اپریل ۱۸۵۸ء کے ایک مکتوب میں غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں:

میکش کا حال تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ مخنوق ہوا، گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں (خطوط ص ۲۲۱)

مطلب یہ کہ اسے پھانسی دے دی گئی۔ خدا جانے بعض اصحاب نے کس بناء پر یہ لکھ دیا کہ دوران ہنگامہ میں میکش کو ایک گورے نے گولی مار دی۔

دہلی میں مختلف اصحاب کو پھانسی دلانے کے لیے سب سے بڑھ کر سرگرمی تھیوفلس جان مٹکاف نے دکھائی تھی، جسے اہل دہلی "کانا" مٹکاف کہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے اسی نے میکش کو شہر میں پھرتے دیکھا تو پکڑوا کر جھٹ پٹ پھانسی دلا دی حالانکہ اس غریب کا کوئی بھی گناہ نہ تھا۔

میرزا کے ایک اور خط میں بھی میکش کا ذکر آیا ہے، میر مہدی مجروح نے ایک خط میں لکھ دیا تھا کہ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ میرزا لکھتے ہیں:

سو صاحب، اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں؟ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو، اور تو کچھ بن نہیں آتی، مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کی نہیں کر سکتی۔

(خطوط ص ۲۰۱)

''روز روشن،، میں ہے:

میکش ۔ ۔ ۔ ۔ از سادات دهلی و تلامذۂ اسداللہ خاں غالب بود، طبع معنی یاب داشت: و قدم بر طریقۂ اوستاد خود گزاشت۔ در زمان تالیف ''آفتاب عالم تاب،، زندہ بود۔

اے آنکہ در شبہاے غم اندر دل من بگزری
خون است ایں جا موجزن در من نگہدار از تری
از ہر دو جانب موے تو آویختہ بروے تو
اے بستۂ گیسوے تو هم زهره و هم مشتری
بر اوج شوقت نارسا پرواز عالی فطرتی
در ملک عشقت ناروا، بروانۂ نیک اختری

(ص ۶۶۸ - ۶۶۹)

''گلستان سخن،، میں صرف یہ شعر مرقوم ہے:

گفتمش دی با کہ سے رفتی خراماں سوے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

میرزا غالب نے اسی میکش اور جواهر سنگھ جوهر کے لیے ایک رباعی کہی تھی:

تا میکش و جوهر دو سخنور داریم شان دگر و شوکت دیگر داریم
در میکدہ پیریم کہ میکش از ماست در معرکہ تیغیم کہ جوهر داریم

(تلامذۂ غالب، کلیات نثر فارسی خطوط، روز روشن، گلستان سخن)

(۱)

بھائی میکش ،

آفرین ، ہزار آفرین ۔ تاریخ نے مزا دیا ۔ خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہوں گے ، جن کی تاریخ ایسی ہے ۔ دیکھو صاحب :

قلندر ہرچہ گوید ، دیدہ گوید

تاریخ دیکھی ۔ اس کی تعریف کے خرمے کھائیں گے ۔ اس کی تعریف کریں گے ۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو ۔ ابھی رقعہ لے کر آیا ہے ، ابھی خرمے لے کر آوے ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد صاحب کے ہات خرمے بھجواؤ گے ، تو ہم بھی کہیں گے : ''تازہ شے بہتر ، بارہ سے بہتر،، ۔

۱۸۵۶ء

(۲)

میاں عجیب اتفاق ہے ۔ نہ میں تمہارے دیکھنے کو آ سکتا ہوں ، نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو ۔ وہ قدم رنجہ کہاں سے کرو ، سراپا رنجہ ہو ۔ لا حول ولا قوۃ ۔ تعطیل کے دن کیا نا خوش گزرے ۔ یوسف مرزا سے ، میر سرفراز حسین سے ، تمہارا حال سن لیتا ہوں اور رنج کھاتا ہوں ۔ خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے ۔ خواہش یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہات سے لکھو ۔ والدعا

(۱۸۵۶ء) اسد

یوسف علی خاں عزیز

عزیز کے والد مرزا نجف علی خاں جنون ، خلف میرزا محمد علی خاں دیوانہ کا وطن بنارس تھا۔ نساخ نے لکھا ہے کہ وہ اطراف دہلی میں سررشتہ داری اور تحصیلداری کرتے تھے۔ (سخن شعرا ص ۱۱۲) پھر انہوں نے علی گڑھ کو مستقل وطن بنا لیا اور وہاں جایداد بھی پیدا کر لی تھی۔ جنوری ۱۸۵۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ معلوم ہوتا ہے یوسف علی خاں عزیز نے وارث ہوتے ہی جایداد برباد کر دی اور روزگار کی کوئی سبیل نہ بنی تو دہلی آ گئے۔ میرزا غالب نے ان کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ کیونکہ نجف علی خاں جنون نے غالباً اطراف دہلی میں سررشتہ داری اور تحصیلداری کے دوران میرزا سے گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے اور عزیز کی پرورش میرزا ایک عزیز دوست کے بیٹے کی حیثیت میں اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کی ملازمت کے لیے بھی کوشش کی۔ پھر عزیز نے بلی ماروں میں ایک ہندو رئیس کے بیٹے کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اور بچے بھی ان سے پڑھتے رہے۔ لیکن یہ ذریعہ معاش نہ مستقل تھا اور نہ اطمینان بخش ، لہذا عزیز ادھر ادھر پھرتے بھی رہے۔ مرثیہ گوئی اور سوز خوانی کا شوق بھی تھا۔ میرزا کی کوشش سے حکیم احسن اللہ خاں نے عزیز کو بہادر شاہ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ وہاں سے چار پارچے کا خلعت ملا۔ ''سراج الشعرا،، اور ''سراج الذاکرین،، خطاب ملا۔ تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد بند ہو گیا۔ آخر عمر میں بہ سلسلہ تلاش روزگار بھوپال پہنچے وہیں انتقال ہوا (۱۲۸۹ھ - ۱۸۷۲ء)۔

(۱)

سعادت و اقبال نشان میرزا یوسف علی خاں کو بعد دعا کے دل نشین ہو کہ تذکیر و تانیث ہرگز متفق علیہ جمہور نہیں - اے لو! ''لفظ،، اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے ، اہل پورب اس کو مؤنث بولتے ھیں - خیر ، جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا ہوں - اس باب میں کسی کا کلام حجت اور برہان نہیں ہے - ایک گروہ نے کچھ مان لیا ، ایک جماعت نے کچھ جان لیا - اس کا قاعدہ منضبط نہیں -

الف مذکر ، ب ، ت ، ث مؤنث - جیم مذکر ، ح ، خ مؤنث ، دال ذال مؤنث - سین شین مذکر - ص ، ض ، ط ، ظ مؤنث ، عین غین مذکر ، ف مؤنث ، قاف ، کاف ، لام ، میم ، نون مذکر - ووا ہے ، ے مؤنث ، ہمزہ مذکر - لام الف حروف مفردہ میں نہیں ، مگر بولنے میں مذکر بولا جائے گا - مثلاً لام الف کیا خوب لکھا ہے ؟ کہیں گے ، ''کیا خوب لکھی ہے،، نہ کہیں گے -

''خزادہ،، ''خداوند زادہ،، کا مخفف ، لیکن فارسی ، عربی نہیں - اردو کا روز مرہ تھا ''خزادہ،، اور ''خزادی،، (۱) مرادف صاحبزادہ اور صاحبزادی ہے ، مگر فی زماننا متروک ہے -

''فق،، فارسی لغت نہیں ہو سکتا ، عربی بھی نہیں - روز مرۂ اردو ہے جیسا کہ میر حسن کہتا ہے :

کہ رستم جسے دیکھ رہ جائے فق

شعرائے حال کے کلام میں نظر نہیں آتا -

''تکیہ،، لفظ عربی‌الاصل ہے ، فارسی اور اردو میں مستعمل - دونوں زبانوں میں ہم بہ معنی ''بالش،، ، (۲) ہم بہ معنی ''مکان فقیر،، آیا ہے - ایران میں ''تکیۂ مرزا صائب،، مشہور ہے -

---

(۱) یہ دونوں لفظ خواجہ زادہ اور خواجہ زادی کے مخفف ہیں -

(۲) سرہانا -

''گل تکیہ،، لفظ مرکب ہے ہندی اور فارسی سے۔ ''گل،، مخفف ''گال،، کا اور تکیہ بہ معنی ''بالش،،، وہ چھوٹا گول تکیہ جو رخسار کے تلے رکھیں ''گل تکیہ،، کہلاتا ہے۔ ''گل،، (۱) بہ معنے پھانسی انگریزی لغت ہے۔

انگریزی زبان نے بنگالے میں سو برس اور دلی اکبر آباد میں ساٹھ برس سے رواج پایا ہے۔ ''گل تکیہ،، وضع کیا ہوا نور جہاں بیگم کا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں اہل ہند کیا جانتے تھے کہ ''گل،، کیا چیز ہے (۲)۔

''معنی مفرد بہ لفظ جمع،، اس جملے کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ معنی مفرد، معانی جمع۔ اور یہ جو اردو کے محاورے میں تقریر کرتے ہیں کہ ''اس شعر کے معنی کیا ہیں،، یا ''اس شعر کے معنی کیا خوب ہیں،،۔ اس میں دخل نہیں کیا جاتا ہے۔ خاص و عام کی زبان پر یونہی ہے۔ معانی کی جگہ معنی بولتے ہیں۔

''رت،، لفظ ہندی الاصل ''رتھ،، ہے، بہ ہائے مضمرہ۔ بعض مذکر بولتے ہیں، بعض مؤنث۔ شعر بہت اچھا ہے، صاف و ہموار۔

(۱۸۵۶ء) راقم، غالب

(۲)

میاں،

کل زین العابدین فوق کا خط، مع اشعار کے، ٹکٹ دار لفافہ کے اندر رکھ کر، بہ سبیل ڈاک بھجوا دیا ہے۔ آج صبح کو تمہارا خط آیا۔ دوپہر کو میں نے جواب لکھا، تیسرے پہر کو روانہ کیا۔

''موتیوں کا پھنکا،، البتہ بہت مناسب ہے، خیر ''موتیوں کا نوالہ،، بھی سہی۔

---

(۱) بظاہر انگریزی لفظ Gallows کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) مطلب یہ کہ جہانگیر کے زمانے میں انگریزی لفظ بہ معنی پھانسی کون جانتا تھا۔

حافظ کے شعر کی حقیقت، جب سمجھوگے جب قواعد مقررۂ اہل سخن دریافت کر لوگے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں قافیے کی احتیاج آ پڑے اور اس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو عیب جاتا رہتا ہے۔ جیسا کہ استاد کا قطعہ ہے۔ اس میں ''ریو'' و ''غریو'' و ''کالیو'' کا قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے:

غلط کردم دریں معنی کہ گفتم زنخدان نگار خویش را ''سیو''

حالانکہ صحیح ''سیب'' ہے بہ پائے موحدہ۔ شاعر نے اطلاع کر دی کہ میں نے غلط کیا جو ''سیو'' لکھا

اسی طرح حافظ فرماتا ہے:

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حاصل اس کا یہ کہ ''دیکھ کتنا تفاوت ہے''، ایک جگہ حرف روی ساکن اور ایک جگہ متحرک، مگر یہاں ابھی معترض کو گنجایش ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تفاوت تم نے کیوں رکھا؟ اس کا جواب پہلا مصرع ہے:

صلاح کار کجا و من خراب کجا

یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق زار و دیوانہ ہوں۔ صلاح کار سے مجھ کو کیا کام؟

پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے، تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔ ''سانس'' میرے نزدیک مذکر ہے، لیکن اگر کوئی مؤنث بولے گا تو میں اس کو منع نہیں کر سکتا۔ خود ''سانس'' کو مؤنث نہ کہوں گا۔

سیف کو ''عدو کش'' اور کمند کو ''عدو بند'' کہتے ہیں۔ سیف ''عدو بند'' نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو ''عدو بند'' نہ کہو۔ کوئی اور اگر کہے تو اوس سے نہ لڑو۔

''زلف،، کو ''شب رنگ،، اور ''شبگوں،، کہتے ہیں۔ ''شبگیر،، زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ''شبگیر،، اس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھڑی رات رہے چل دیں۔ نالۂ شبگیر، آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں، ''زلف شبگیر،، نہ مسموع، نہ معقول(۱)۔

''سخن،، کا قافیہ ''بن،، بھی درست ہے اور ''تن،، بھی جائز ہے، یعنی سخن کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اس پر متقدمین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے۔

''قبۂ خشخاش، پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں، اس میں کچھ تامل نہ چاہیے۔۔

تم اپنی تکمیل کی فکر کرو، زنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو۔

والدعا

(۳)

بھائی،

تم کیا فرماتے ہو؟ جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو؟ واقعی غدر میں میرا گھر نہیں لٹا، مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا؟ بھائی ضیاءالدین خاں صاحب بہادر اور ناظر، حسین میرزا(۲) ہندی اور فارسی نظم اور نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے، سو اون دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟

ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارھویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا حال میں نے لکھا

---

(۱) نہ سنا ہے اور نہ عقل میں آتا ہے۔

(۲) ناظر کے بعد، کاما، اس لیے لگایا کہ حسین مرزا بہ اعتبار عہدہ ناظر تھے، یہ لفظ ان کے نام کا جزو نہ تھا۔

ہے اور نثر فارسی زبان قدیم میں ہے کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے اور ایک قصید فارسی متعارف ، عربی اور فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی ستایش میں ، اوس نثر کے ساتھ شامل ہے ۔ یہ کتاب مطبع مفید خلایق آگرہ میں منشی نبی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ مہر اور منشی ہر گوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے ۔ فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں ۔ اگر منشی امیر علی خاں میرے کلام کے مشتاق ہیں تو یہ نسخہ موسوم بہ ''دستنبو'' مطبع مفید خلایق میں سے منگا لیں اور ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱۸۵۹ء)

مولوی ضیاءالدین خان ضیاء دھلوی

مولوی صاحب موصوف بعد ازاں شمس العلماء اور ایل ایل ڈی ایڈنبرا کے اعزازات سے مشرف ہوئے۔

بخدمت والا جناب معظم ، مسلم علماء عرب و عجم مولوی ضیاءالدین خاں صاحب ضیاء دھلوی نبیرۂ نواب سابق بستی داراپور۔

جناب مولوی صاحب میں نے ایام دبستان نشینی میں شرح ماتہ عامل تک پڑھا بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و طرب میں منہمک ہو گیا ۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا ۔ ناگاہ ایک شخص ... . (۱) کہ ساسان پنجم کی نسل میں سے ، معہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن و صوفی صافی تھا ، میرے شہر میں (۲) وارد ہوا ، اور لطائف فارسی بحت اور غوامض فارسی آمیختہ بہ عربی ، اس سے میرے حالی ہوئے ۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا ۔ ذہن معوج نہ تھا ۔ زبان دری سے پیوند ازلی اور استاد بے مبالغہ جاماسپ (۳)

---

(۱) یہاں ''وارد ہوا،، مرقوم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ''وارد ہوا،، کا اصل مقام آگے آتا ہے ۔ غالباً میرزا رو میں یہ الفاظ مکرر لکھ گئے ۔

(۲) ''میرے شہر،، سے اس مقام پر مراد آگرہ ہے ، جہاں ملا عبدالصمد آئے تھے اور دو سال میرزا کے پاس ٹھہرے تھے ۔

(۳) زر دشتی روایات کے مطابق ایک حکیم جس نے زردشت کی صاحبزادی سے شادی کی تھی ، پھر وہ اور اس کا بھائی فرشوشتہ ، گشتاسپ ھخا منشی کے وزیر رہے ۔ پیشگوئیاں جاماسپ ہی سے منسوب ہیں ۔

عہد اور بزرجمہر(۱) عصر تھا - حقیقت اس زبان کی دل نشین و خاطر نشان ہو گئی-

اہل پارس جو قدم عالم کے قائل ہیں ، وہ بھی مثل ہنود کے آفرینش عالم کا آغاز و انجام و سر و بن نہیں بتاتے- ہمارے مذہب کے مطابق بھی کیومرث وغیرهم کو دو چار ہزار برس سے کم نہ گزرے ہوں گے- تالہ (۲) اور نجوم اور طب اور فقہ اور انشاد (۳) کون سا علم اور کون سا فن ہوگا جو اس گروہ میں نہ ہوگا- سکندر جب ایران پر مسلط ہوا تو ارسطو نے کتاب خانہ دارا سے بہت سے علوم یونانی زبان میں نقل کیے - اللہ اللہ اس گروہ کو دیکھیے ، جن کا کلام علم حکمت میں حکماے یونان کا ماخذ ہوا - اگر ابو علی سینا قابوس و شمگیر (۴) کے کتاب خانے سے، کتب حکماے یونانیہ لے کر مطالب حکمی زبان عرب میں نقل نہ کرتا تو اکابر عرب میں سواے مسائل فقہیہ شرعیہ ، علم معقول کا نشان نہ پایا جاتا(۵) -

دو تین ہزار برس قبل آج سے کہ عرب و عجم بیگانہ هم دگر تھے- اہل پارس اپنے مطالب علم بلکہ علوم متنوعہ کو کس زبان میں شروع

---

(۱) بزر جمہر یا بزر گمہر ، خسرو نوشیرواں کا وزیر ، جس کی دانائی اور دانشمندی ضرب‌المثل ہے -

(۲) الہیات - (۳) موسیقی -

(۴) امیر شمس‌المعالی قابوس و شمگیر صاحب ''قابوس نامہ،، زیاری خاندان کا چوتھا بادشاہ (۹۷۶ء—۱۰۱۲ء) - اس خاندان کا مرکز جرجان اور طبرستان تھے، لیکن کچھ عرصے کے لیے ان کا دائرہ اقتدار بہت پھیل گیا تھا - قابوس کو علم پروری میں بڑی شہرت حاصل ہے -

(۵) میرزا کا یہ بیان یقیناً صحیح نہیں کہ یونانیوں نے ایرانیوں سے بیشتر علوم یونانی زبان میں نقل کیے یا بو علی سینا نے یونانی علوم عربی میں منتقل کر دیے -

کیا کرتے تھے اور تعلیم و تعلم و سوال و جواب کا مدار کن الفاظ پر ہوگا؟ بے شبہ وہ الفاظ پارسی ہوں گے۔ جب خلیفہ ثانی (۱) کے عہد میں یزد جرد(۲) مارا گیا اور پارس پر اعراب مسلط ہوئے، درفش کاویانی کا جواہر آمیز چمڑا پارہ پارہ ہو کر غازیان اسلام پر بٹ گیا۔ کتاب خانے پارس کے کیا بادشاہی اور کیا رعایا کے چھولھے میں جھونکے گئے، یعنی ان سے حمام گرم ہوئے (۳)، جیسا کہ میں نے ایک جگہ اس واقعہ کو فارسی عبارت میں لکھا ہے۔ وہی ھذا:

کتاب خانہ ہائے پارسیاں افروزینہ گلخن گرما بہ ہائے بغداد شد۔ ہمانا احکام آتش پرستی ہم بہ آتش باز گشت(۴)۔

اگرچہ بلاغت خاص اہل عرب کے حصے میں آئی، لیکن فصاحت میں اہل پارس بھی اعراب کے شریک ہیں۔ بالجملہ اعیان عجم و بلغائے عرب میں امتزاج و اختلاط و مہر و محبت و قرب و روابط پیدا

---

(۱) حضرت عمر فاروق رض۔ (۲) ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ۔

(۳) یہ بیان بھی سراسر نادرست ہے۔ کیونکہ کوئی کتب خانہ تھا ہی نہیں جو لوٹا یا جلایا گیا ہو۔ ایسا ہی ایک افسانہ، مسیحیوں نے کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق تراشا تھا، حالانکہ مدت سے خود مغربی محققین تسلیم کر رہے ہیں کہ اصل کتب خانہ جولیس سیزر نے مسلمانوں سے صدیوں پیشتر جلا دیا تھا۔ اس کے بعد جو کتابیں جمع ہوئیں وہ قسطنطنیہ کے شاہنشاہ تھیرڈوسئیس کے فرمان کے مطابق ۳۸۹ء میں تباہ کی جا چکی تھیں، یعنی مسلمانوں کے ورود سے کچھ کم تین سو سال پیشتر۔

(۴) یہ عبارت ''مہر نیمروز،، کی ہے، لیکن اصل بیان کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب ایران فتح ہوا تو بغداد موجود ہی نہ تھا۔ جب عباسی برسراقتدار آئے تو منصور عباسی (۷۵۴ء۔۷۷۵ء) نے بغداد کی بنیاد رکھی یہ فتح ایران سے کم و بیش ایک سو سال بعد کا واقعہ ہے۔

ہوئے ۔ اختلاف مذہب اٹھ گیا تھا اور ریاست و سیاست بہ صلاح و صواب دید فریقین ہونے لگے ۔ طبیعتیں تھیں دراک ۔ فارسی و عربی کو باہم ربط دے کر ایک اردو پیدا کیا ۔ سبحان اللہ وہ زبان نکلی کہ نہ نری فارسی میں وہ خزانہ ، نہ نری عربی میں وہ ذوق ۔ زبان فارسی کے قواعد کے کتب خاکستر ہو گئے تھے ۔ اس میں طرہ یہ کہ عربی کے قواعد کے بڑے بڑے جلیل القدر رسالے مرتب ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے ۔ بے چارہ فارسی زبان غریب الوطن بے سرو سامان ۔ نہ اس کی کوئی فرہنگ ، نہ اس کے قوانین کا کوئی رسالہ ، نہ علم پارسی کا کوئی عالم باقی ۔ دو چار ہزار لغت و اسم و مثل زبان زد اہل عصر ہوں گے ۔ فارسی کا حرف کہاں ؟ فارسی کا نمونہ کہاں ؟ فارسی زبان اعراب کی لونڈی ، جو چاہا نام رکھ دیا ۔ ضؤالنہار کہہ کر پکارا ، شمس النہار کہہ کر یاد کیا اور لونڈی چھوکری کہہ کر بلالیا ۔ سو بھی جو اکابر فریقین موجد زبان اردو ہوئے تھے ، وہ تسمیہ قواعد پارسی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ۔ ۸۰۰ھ ، ۹۰۰ ہجری میں ہوسناک لوگ فارسی کے فرہنگ لکھنے پر متوجہ ہوئے ۔ نہ ایک ، نہ دو بلکہ ہزار در ہزار فرہنگیں فراہم ہو گئیں (۱) ۔ یہاں تک کہ قتیل نو مسلم لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتب دار رام پوری اور کوئی روشن علی جونپوری اور کہاں تک کہوں کون کون ، جس کے جی میں آئی وہ متصدی تحریر قواعد انشا ہو گیا ۔ میں ان سب کو یا ان میں سے مختص فلاں و بہماں کو اپنا مطاع کیوں کر جانوں اور کس دلیل سے ان کے تحکم کو مانوں ؟

پارسیان سابق جو جانتے نہ تھے کہ فاعل کس کو کہتے ہیں اور جمع کس مرض کا نام ہے ، امر کا صیغہ کون جانور ہے اور اسم جامد کس قسم کے پتھر کو کہتے ہیں ، انہوں نے کبھی نہ کہا ہو گا کہ دانا و بینا صیغۂ اسم فاعل اور نالاں و گریاں صیغہ فاعل یا حالیہ ہے ۔ ایک

---

(۱) یہ بیان بداهتہً مبالغے پر مبنی ہے ۔

جماعت نے کہہ دیا ہے کہ الف نون افادہ معنی فاعلیت کرتا ہے۔ ایک صف پکار اٹھی کہ الف نون حالیہ ہے۔ خدا جانے اہل پارس اپنی زبان میں صیغہ امر کو کیا کہتے ہوں گے اور الف فاعل ان کی لسان میں کون ہوگا۔ آخر یہ فن امور دینی میں سے تو نہیں ہے کہ جو امام اعظم رح کے قول کو نہ مانے وہ مرتد ہے۔ قوت قیاس کا مادہ اوروں میں تھا، ہم کو مبدا سے یہ قوت عطا نہیں ہوئی اور پھر الف نون حالیہ کے وجود کے اعتراف میں، میں ھی منفرد نہیں ہوں، بقول تمہارے اور اشخاص بھی ہیں۔ سوال اس قدر ہے کہ الف نون حالیہ موجود ہے یا نہیں؟ سائل کا جواب وہیں تمام ہوا، یہاں تم نے فرمایا کہ سابقین افتاں و خیزاں کو الف نون حالیہ لکھ گئے۔ لاحقین نے کہا کہ یہ الف نون فاعل کا ہے۔ خیر ایک تردد اگر پیدا ہوا تو تسمیہ میں پیدا ہوا۔ متاخرین کا قول متقدمین کے کلام کا ناسخ اور الف نون حالیہ کے وجود کا مبطل تو نہیں ہوا۔ بہ ہر حال یہی لکھ دو کہ بعض لوگ اس الف نون کو فاعل کا الف نون بتاتے ہیں۔ اور بعض الف نون حالیہ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر کاغذ استفتاء مع دستخط حضرات یا بے دستخط کل میرے پاس بھیج دیجیے۔

تھوڑی تقریر اگرچہ خارج از بحث ہے لیکن اس واسطے وہ تقریر تحریر میں لاتا ہوں کہ پھر مجھے کچھ لکھنا نہ پڑے۔ اہل پارس کے منطق میں رواں و دواں مع نظائر کے بہت ہیں۔ کسی اسم کے ساتھ مختص نہیں۔ اہل عرب نے، بلکہ توبہ توبہ ان کو کیوں متہم کروں، فرہنگ نگاران ہند نے یہ نام موافق اپنے قیاس کے رکھے۔ ہم افادۂ معنی فاعلیت کے قیاس کو نہیں مانتے۔ الف نون حالیہ کہنے والوں کو ہم نے مطابقت رائے کی ہے۔

فارسی میں اسم فاعل دو صورت پر ہے یا گوینده یا گویا۔ صیغہ‌ہائے امر کے ما بعد جو الف نون ہے، وہ حالیہ ہے، ہاں فعل کا ایک توہم سا گزرتا ہے سو اگر بہ امعان نظر دیکھیے تو ویسا ہی ایک وہم

مفعولیت کا بھی پایا جاتا ہے۔ پس نظر اس بات پر ہے کہ فاعلیت کی حالت اور مفعولیت کی حالت معاً پائی جاتے ہیں یہ الف نون حالیہ ہے اور اپنے وجود کے اثبات میں قواعد نحو عربیہ کا محتاج نہیں۔

خاص ''افتادن'' میں دیکھو کہ نہ ''افتندہ'' مستعمل ہے، مثل گویندہ، نہ ''افتاد'' مسموع و موجود ہے، مثل گویا ''افتان'' صیغہ فاعل کہاں سے آ گیا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ''افتان'' تو ہم اسم فاعل جب مانتے کہ ''افتاد''، ''بیفت'' بہ معنی امر اہل زبان جو مالک ملکہ اردوے فارسی و عربی ہیں، ان کی نظم و نثر میں آیا ہوتا۔ اصل مادہ ''افتان'' جو ''افت'' ہے موجود نہیں، افتان کہاں سے بہ معنی فاعل نکل آیا؟ مگر گرنے کی حالت جس پر طاری ہو وہ افتان ہے از روے حالت بہ حسب فعل۔ ''میرندہ'' کہو، مردن سے کیوں نہ بنایا؟ صیغۂ فاعل متروک رہا۔ صرف صیغہ مفعول یعنی مردہ پر قناعت کی اور یہ جو قبلہ اہل سخن فردوسی طوسی علیہ الرحمہ کے ہاں آیا ہے:

میمراں کسے داد ہرگز مہیر

مجاز ہے امر بھی اور تعدیہ بھی۔ متاخرین میں سے میرزا عبدالقادر بیدل کہتا ہے:

بہ میرائے سرکش ناپاک تا یک دم بیاسائی

بلکہ اردو میں بھی گراں جاں آدمی کو کہتے ہیں، ''اے فلاں کے فلاں مرچک'' سودا کہتا ہے:

جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

یہ سب بطریق مجاز ہے۔ خلاصہ یہ کہ الف نون فاعل نہ فارسی بحث میں، نہ فارسی آمیختہ بہ عربی میں ہے۔ قیاس کو میں مانتا نہیں۔ الف نون جہاں اسماء جامد کے آگے ہے، جمع کا ہے۔ جہاں صیغہ ہاے امر کے آگے ہے، حالیہ ہے۔ والسلام بہ الوف احترام۔

پہلا رقعہ بعد پڑھنے کے یا نقل لینے کے استفتاء کے کاغذ کے ساتھ مجھ کو واپس مل جائے۔

نجات کا طالب، غالب

(۲)

جناب مولوی صاحب،

کرم از شما، کمی از ما۔ اچھوں کے ساتھ سب بھلا کرتے ہیں، بروں کے ساتھ نیکی کرنا جوانمردی ہے۔ اگر اپاہج نہ ہوتا، فوراً آپ کے پاس پہنچتا۔ اب متوقع ہوں کہ آج اس وقت یا اور وقت، مگر آج ہی تشریف لائیں اور ضرور تشریف لائیں۔ شام تک چشم براہ رہوں گا۔(۱)

۱۷- فروری ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب، غالب

---

(۱) شمس العلماء ڈاکٹر مولوی ضیاءالدین صاحب بستی داراپور (تحصیل دہلی) کے جاگیردار خاندان میں سے تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ مولوی مملوک العلی نانونوی اور مفتی صدرالدین آزردہ سے بھی عربی اور فارسی پڑھی۔ پھر دہلی کالج میں مدرس مقرر ہوئے بالاخر عربی کے پروفیسر ہو گئے۔ ۱۸۷۷ء میں کالج ٹوٹ گیا تو اکسٹرا اسسٹنٹ ہوئے۔ اختتام پر پنشن لی۔ مدت العمر پڑھاتے رہے، طویل عمر پائی۔ ۱۹۰۹ء کے قریب انتقال کیا۔

فاضل جلیل مختارالدین صاحب آرزو کا اندازہ ہے کہ میرزا غالب مولوی ضیاءالدین صاحب کو قاطع برہان کی بحث میں موید و ہم نوا بنانے کے خواہاں تھے۔ مگر مولوی صاحب خلاف ہی رہے حتیٰ کہ میرزا نے مولوی امین الدین پٹیالوی مؤلف قاطع القاطع کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا جو دعویٰ کیا تھا اس میں بھی مولوی ضیاءالدین نے خلاف گواہی دی اور ہتک آمیز فقروں کی توجیہ ایسی کر دی کہ وہ بے ضرر سے معلوم ہوں۔

مولوی صاحب نے بعض کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ''انشاے اردو'' تھا۔ جس کے دو حصے تھے۔ یہ کتاب فوجی افسروں کے لیے درجہ اعلیٰ کے امتحان کی غرض سے مرتب کی گئی تھی (۱۸۶۵ء) اور اس میں میرزا غالب کے گیارہ مکاتیب شامل تھے، گویا میرزا کے یہ مکاتیب ''اردوے معلیٰ'' اور ''عود ہندی'' کی طباعت سے چارسال پیشتر چھپ چکے تھے۔

مولوی کرامت علی

(ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے)

فقیر اسداللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ یہاں آئے ہیں اور آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے۔ حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں۔ شعراء لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں، بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں:

خواست کز مار نجد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

"داشتن" بمعنی "رکھنے کے ہے"۔ لیکن اہل زبان بمعنی "بایستن" بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوری رح:

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم، ایں قدر بر خویش پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرعے کا داشت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعے کا داشت بمعنی "بایست" ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا تھا کہ اس کے ذریعے سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو، مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب

سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت آئی ، میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راند درگاہ ہوا ؟ معشوق اس گستاخی کو بہانۂ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا ، اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے "پرسیدن نداشت" یعنی "پوچھنا نہ چاہیے تھا"۔

دیر خواندی سوے خویش و زود فہمیدم ، دریغ!
پیش ازیں پایم زگرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلاوے ، مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں اپنے غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آ سکے گا ، تب بلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ "دریغ" کو یہ نہ سمجھا جائے کہ "زود فہمیدن" پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بے وفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر :

من بہ وفا مردم و رقیب بدر زد نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

انگبین ، شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں ، ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں۔ جب تک اس کو تبر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ "بدرزدن" : اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں ، "باہر مارنا" ، یعنی "بدر" ، "باہر" ، اور "زدن" ، "مارنا" ، لیکن روز مرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ

مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے، بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی، جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی، پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری، یعنی وہ چاٹ کر، لطف اٹھا کر، صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وھیں مر کر رہ گیا:

در نمکش بین و اعتماد نفوذش گر بہ مے افگند ہم بہ زخم جگر زد

"زدن" لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ہندی میں "لگ جانا" اور متعدی کے معنی "مارنا"۔ یہاں زد لازمی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اسے نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا، زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے:

کیست دریں خانہ کز خطوط شعاعی مہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے، یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے، مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازے کے روزن پر پھینک دیے ہیں؟ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں

پڑنا اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے۔

دعوی او را بود دلیل بدیہی خندۂ دنداں نما بہ حسن گہر زد

"خندۂ دنداں نما" اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا، اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے، جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ اصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا۔ گویا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے، یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے، وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل نے سب کو دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی، مان لیا۔

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک نالہ چہ آتش ببال مرغ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو، بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانے پر، یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ لو وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا، اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بیخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا، جو رات کو پروانے کو

دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں
کہ ہائے یہ کون ہے جو میری طرح جلتا ہے۔

لشکر ہوشم بزور مے نہ شکستی غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر، ''فکر،، کو بھی کہتے ہیں اور ''نگاہ،، کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا۔ کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا، مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا۔ پھر اس پر شراب پی گئی۔ بیخودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی گیا تھا، ناچار ہوش جاتے رہے۔

زاں بت نازک چہ جاے دعویٰ خون است دست وے و دامنے کہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے، بیانی نہیں ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اس کے وقت عزم قتل، دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہات ہے اور وہ دامن کہ جو انہوں نے گردان کر کمر پر باندھا ہے۔ ایسا لچکا کمر کو پہنچا ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس کوئی اس سے خون کا کیا دعویٰ کرے گا۔

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم ہر چہ ز طبع زمانہ بیہدہ سرزد

ق

شاخ چہ بالد گر ارمغان گل آورد تاک چہ نازد اگر صلاے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضاے طینت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً گنا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ پس اس طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں

یہ خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے؟ ہم نے اپنے زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدہ ای گنہ چہ شماری؟ غالب مسکیں، بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے؟ جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجیے، جانے دیجیے، ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے (۱) ۱۲

غالب

---

(۱) یعنی اس لائق ہی نہیں کہ ہم پر التفات ہو۔ پھر حساب کتاب کا کیا معاملہ۔

هر گوبند سہائے نشاط

بابو ہر گوبند سہائے قوم کایستھ۔ آپ کے والد منشی خوب لال پٹنہ سے اٹھ کر علی گڑھ کول میں توطن پزیر ہو گئے تھے۔ ہر گوبند سہائے علی گڑھ ہی میں پیدا ہوئے (۸-دسمبر ۱۸۲۸ء) پھر منشی خوب لال نے آگرے میں قیام پسند کیا۔ چنانچہ ایک بڑی کوٹھی اور باغ خرید کر ہرگوبند گنج نام رکھا۔

ہر گوبند پہلے صدر امین دھلی کے دفتر میں ناظر رہے۔ ۱۸۵۵ء میں مستعفی ہو کر گوالیار چلے گئے۔ ''غدر،، میں ملازمت چھوڑ کر علی گڑھ پہنچ گئے۔ پھر عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار رہے۔ وکالت کا امتحان کرا کے ۱۸۶۲ء سے آگرے میں وکیل دیوانی بن گئے۔ ۱۸۷۵ء میں ریاست کوٹہ کے چیف جج مقرر ہوئے۔ جب صحت خراب رھنے لگی تو ملازمت چھوڑ دی۔ کاروبار سے بھی دست بردار ہو گئے اور گنگا کے کنارے ایک دھرم شالہ بنا کر اس کے لیے ایک وقف قائم کیا۔ ۱۸۷۷ء میں دور و نزدیک سے آٹھ سو پنڈتوں کو بلا کر یگیہ کیا۔ دھرم شالہ ھی میں ھر گوبند نے ۳- مئی ۱۸۹۱ء کو انتقال کیا۔ اولاد میں دو بیٹے تھے اور متعدد صاحبزادیاں۔

فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ کچھ کتابیں بھی آپ سے یادگار ھیں۔

---

(۱)

برخوردار، بہت دن ھوئے میں نے تم کو خط لکھا ھے۔ اب اس خط کا جواب ضرور لکھو اور جلد لکھو۔ دو سوال ھیں تم سے، ایک تو یہ کہ یہاں مشہور ھے کہ نواب گورنر جنرل بہادر الہ آباد سے کان پور

آ گئے ، کوئی کہتا ہے آویں گے۔ اس کا حال جو کچھ تم کو معلوم ہو، لکھو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ دو قسم کی انگریزی شراب، ایک تو کاس ٹیلن (۱) اور ایک اولڈ ٹام (۲)۔ یہ میں ہمیشہ پیا کرتا تھا اور یہ دونوں قسم بیس روپے، حد چوبیس روپے درجن آتی تھی۔ اب یہاں پہلے تو نظر نہیں آتی تھی، اب پچاس روپے اور ساٹھ روپے درجن آتی ہے۔ وہاں تم دریافت کرو کہ اس کا نرخ کیا ہے اور یہ بھی معلوم کرو کہ بطریق ڈاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ دونوں امر دریافت کر کے مجھ کو جلد لکھو۔ اگر بہ قیمت مناسب ہاتھ آئے اور اس کا بھیجنا ممکن ہو تو یہاں سے روپے کی ہنڈوی بھیج دوں اور تم خرید کر بیل گاڑی کی ڈاک پر روانہ کر دو۔ جاڑوں میں مجھ کو بہت تکلیف ہے اور یہ گڑچھال کی شراب میں نہیں پیتا۔ یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے (۳) ۔ضروری، جواب طلب۔

چہار شنبہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۵۹ء   از غالب جاں بلب

(۲)

صاحب، تم کو دعا کہتا ہوں اور دعا بھی دیتا ہوں۔ شراب کی قیمت کے دو خط بھیجے۔ بھائی، کاس ٹیلن اور اولڈ ٹام دونوں چوبیس روپے درجن ہمیشہ لیا کرتا تھا۔ اب یہاں مہنگی ملتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا۔ جب وہاں بھی اوسی قیمت کو ملتی ہے تو میرا مقدور نہیں۔ میں سمجھا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو۔ خیر اس کو جانے دو۔ روٹی ہی ملے جائے تو غنیمت ہے۔ مہینے بھر کی روٹی کا مول ایک درجن کی قیمت ہے۔

جنوری ۱۸۶۰ء

---

(۱) کیسٹیل (ہسپانیہ) کی ایک شراب کا نام۔

(۲) اولڈ ٹام : ولایتی وسکی کی ایک قسم۔

(۳) گڑچھال کی شراب سے مراد دیسی شراب ہے، جو ببول کی چھال اور گڑ سے بنائی جاتی ہے، میرزا نے کئی جگہ اس کی مذمت کی ہے مثلاً :

غالب شراب قندی هندم دماغ سوخت
زاں بعد بادہ ہائے گوارا کشیدہ باد

کیول رام ہوشیار دہلوی

قوم کے کایستھ، دہلی کے باشندے، والد کا نام بخشی سلطان سنگھ، جو بیگم سمرو کی فوج میں ملازم تھے۔ ہوشیار پہلے بیگم موصوفہ ہی کے پاس ملازم ہوئے۔ پھر اپنے طور پر لوگوں کو پڑھانے لگے۔ بعد ازاں جیل خانوں میں قیدیوں کی تعلیم پر مامور ہو گئے۔ آخر کار انہیں یو پی میں ڈپٹی انسپکٹری پر لگا دیا گیا۔ بڑھاپے میں ادائے فرائض کے لیے سفر کی مشقتیں اٹھانے کی ہمت نہ رہی تو خود ان کی درخواست پر انہیں چاند پور میں سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ اسّی (۸۰) کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا دیوان ۱۸۷۷ء میں مطبع نولکشور سے شائع ہوا تھا۔ نساخ نے لکھا ہے کہ فارسی میں صاحب دیوان گزرے ہیں (سخن شعرا ص ۵۶۰) باقی معلومات تلامذۂ غالب سے ماخوذ ہیں، نیز تذکرہ شعرائے ہنود سے۔

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کاہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور ان کا کلام سند ہے۔ سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں۔ اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لے کر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو، کوئی فرہنگ جمع کی ہو، تو ہمیں دکھاؤ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گناہ گار۔ ۱۲

جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں ، نام ان کے کہاں تک لوں ، مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہوں گے ۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں ، کوئی اہل زبان نہیں ہے ۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے ، بمناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیے ۔ استنباط معنی کا مدار قیاس پر ۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قیاس ان کا سراسر غلط ہے ۔ میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے ۔

ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی(۱) یعنی جامع ''برہان قاطع،، احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے ، مگر قسمت کا اچھا ہے ۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجۂ بید(۲) کے برابر مانتے ہیں ۱۲

''گیا،، اور ''گیاہ،، بکاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں ۔ ''گیا،، بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے ، ہرگز نہیں ہے ۔ مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہات کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنایا ہو ۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے ، جو ایسا سمجھے ہیں ۔ نہ ''گیا،، بہ معنی پہلوان ہے ، نہ ''کار گیا،، کوئی لفظ ہے ، نہ کوئی لغت ہے ۔ ۱۲

''کے،، بہ کاف مفتوح بروزن ے ایک لغت فارسی ہے ، ذو معنین ، یعنی دو معنی دیتا ہے : ایک تو ''کب،، یعنی ''کس وقت،، اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے ۔ الف جو اس کے ساتھ آتا ہے ، وہ کثرت کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے ''خوشا،، ، ''بہت خوش،، ، ''بدا،، ، ''بہت بد،، ۔ ''کیا،، ، ''بڑا حاکم،، :

---

(۱) محمد حسین تبریزی ثم دکنی ۔

(۲) وید ، جو ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتابیں ہیں ۔

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا
یافتند از عشق او کار کیا

یعنی بہ سبب عشق کار بزرگ یافتند۔

سر فرو بردیم تا بر سروراں سرور شدیم
چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا۔ پس یائے تحتانی اگر ''مجہول'' ہے تو ''تعظیمی'' ہے، اگر ''معروف'' ہے تو ''مصدری'' ہے، یعنی بزرگی کا کام، حکومت کا کام۔ وہ ''کیا'' مضاف اور مضاف الیہ مقلوب ہے، یعنی ''کیائے دہ'' اور ''حاکم دہ''۔ ''کار کیا'' مثلہ یعنی ''کیائے کار'' و ''مالک کار''۔ جہاں ما قبل اس کے رائے مکسور لائیں گے، وہاں ''کار'' موصوف اور ''کیا'' صفت ہے۔ نہایت تحقیق و اصل حقیقت یہ ہے۔ فقیر نے جہاں ''کیا'' کے لفظ پر خط مستقل کھینچا ہے، وہ علامت فتحہ ہے۔ دوسرا مرکز نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے گا۔

داد کا طالب، غالب

شاہ کرامت حسین ہمدانی بہاری

بہار کے یہ بزرگ ، جن کے نام میرزا کے متعدد مکاتیب ''نادر خطوط غالب،، کے نام سے چھپے ، ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء میں پیدا ہوے۔ گویا میرزا سے کم و بیش چودہ برس بڑے تھے اور ایک سو ایک سال کی عمر پا کر ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ''نادر خطوط غالب،، کے مرتب سید محمد اسماعیل رسا گیاوی فرماتے ہیں کہ شاہ کرامت حسین کرامت میرزا کے شاگرد تھے اور ان کا غیر مطبوعہ دیوان جس پر میرزا کی اصلاحیں ہیں ، ان کے پاس محفوظ ہے (نادر خطوط ص ۲۴)

ان میں سے اکثر خطوط کے متعلق شبہادت ابتدا ہی میں پیدا ہو گئے تھے کیونکہ بعض کی عبارتیں دوسرے افراد کے خطوط میں بجنسہ موجود تھیں ، اس لیے میں نے صرف وہ خطوط اس مجموعے میں شامل کیے ، جن میں میرزا سے کوئی افادی پہلو موجود تھا۔

سید محمد اسماعیل صاحب رسا لکھتے ہیں کہ ان کے جد امجد شاہ علی حسین ہمدانی متخلص بہ عالی نے میرزا کے چند غیر مطبوعہ خطوط ۱۹۱۲ء میں مرتب کر لیے تھے۔ موصوف شاہ کرامت حسین کرامت کے صاحبزادے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا ۔ رسا صاحب نے جناب پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کے اصرار پر یہ خطوط ایک مفصل دیباچے کے ساتھ مئی ۱۹۳۹ء میں ان کے پاس بھیج دئیے تھے۔

(۱)

شاہ صاحب کو غالب ناتواں کا سلام پہنچے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں محاورت و مسامرت(۱) اور مرتبے ہیں جو کاملین اور عرفا کو حاصل ہوتے ہیں۔ میرا شعر پڑھو :

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

مطلب یہ ہے کہ شاھد حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دھن سے بات چیت نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے دھان زخم پیدا کرنا چاہیے۔ یعنی جب تک دل تیغ عشق سے مجروح نہ ہو، یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شاھد حقیقی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے، اس کو تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ سحابی رباعی میں لکھتا ہے :

اے زاھد و عاشق ز تو در نالہ و آہ دور تو و نزدیک تو در حال تباہ
کس نیست کہ جاں از تو سلامت برود آں رابہ "تغافل" کشی، ایں رابہ "نگاہ"

اب میرا شعر سنو :

کرنے گئے تھے اس سے "تغافل" کا ہم گلہ
کی ایک ہی "نگاہ" کہ بس خاک ہو گئے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے "تغافل" سے تنگ آ کر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے، جب اس نے توجہ کی تو ایک "نگاہ" میں ہم کو فنا کر دیا۔

۱۳- دسمبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب، غالب

---

(۱) عبد و معبود کے درمیان مکالمت۔ واضح رہے کہ "نادر خطوط غالب" میں "محاورت" کی جگہ "محادثت" ہے (ص ۵۴)۔

(۲)

شاہ صاحب ،

میری ایک رباعی سنو :

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پرسش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا(۱) کیوں کر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

یہ رباعی عاشقانہ ہے ، مگر مضمون بالکل نیا ہے ۔ باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں ۔

دوسری رباعی سنو :

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے، اللہ اللہ ! وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

دیکھو ، تم نے ایسی شوخی کہیں نہیں دیکھی ہوگی ۔ یہ بالکل نئی بات ہے اور میرا حصہ ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کے سلام کرتے ہیں ، مگر وہ ہماری کامروائی میں درنگ و لیت و لعل کرتے ہیں ۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں ، آؤ خدا ہی سے کہیں ۔ پھر دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو، وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں ۔ صبح شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں ۔ چونکہ شام کو صبح کرنا اور صبح کو شام کرنا خدا کا کام ہے، تو خدا کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں ۔
زیادہ والدعا ۔

۲۲- فروری ۱۸۶۴ء نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) ''ظلم سے ہاتھ اٹھانا،، کے دو معنی ہیں : اول ہاتھ اٹھانا کا مطلب ہے چھوڑنا ، ترک کرنا ، دست بردار ہونا ۔ دوسرے معنی ہیں ظلم کے قصد و عزم سے ہاتھ بلند کرنا ۔ فرماتے ہیں کہ میں کیوں کر مانوں اس میں تلوار نہیں ، جو آلۂ ظلم و ستم ہے ۔

عبدالغفور نساخ

جناب مولوی صاحب قبلہ ،

یہ درویش گوشہ نشین ، جو موسوم بہ اسداللہ اور متخلص بہ غالب ہے ، مکرمت حال کا شاکر اور آیندہ افزایش عنایت کا طالب ہے۔ ''دفتر بے مثال،، کو عطیہ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچمیرز ، ہیچمدان کو قابل خطاب و لائق عطاے کتاب جانا۔ میں دروغ گو نہیں ، خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم با مسمیٰ ہے۔ ''دفتر بے مثال،، اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین ، معانی بلند ، مضمون عمدہ ، بندش دل پسند۔ ہم فقیر لوگ اعلاۓ کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی نا ہموار روشوں کے ''ناسخ،، تھے ، آپ ان سے بڑھ کر بصیغۂ مبالغہ بے مبالغہ ''نسّاخ،، ہیں۔ تم داناے رموز اردو زبان ہو ، سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔

خاکسار نے ابتداے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوسط عمر میں بادشاہ دھلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندوستان

میں رہتا ہوں ، مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں ۔ جہاں تک زور چل سکا ، فارسی زبان میں بہت کچھ بکا ۔ اب نہ فارسی کا فکر ، نہ اردو کا ذکر ، نہ دنیا میں توقع ، نہ عقبیٰ کی امید ۔ میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید ، جیسا کہ خود ایک قصیدۂ نعت (۱) کی نشیب میں کہتا ہوں

چشمم کشودہ اند بہ کردار ہاے من
ز آیندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا ۔ اب اور کہاں تک رہوں گا؟ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ، اور ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا (۲) ۔ تین رسالے نثر کے (۳) ، یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے ۔ اب اور کیا کہوں گا ؟ مدح کا صلہ نہ ملا ۔ غزل کی داد نہ پائی ، ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی ۔ بقول طالب آملی علیہ‌الرحمہ :

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود ، بہ شد

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا ۔ طبیعت میں وہ مزا ، سر میں وہ شور نہ رہا ۔ پچاس پچپن

---

(۱) کلیات نظم فارسی میں تیسرا قصیدہ ۔

(۲) یہ حساب تخمینے پر مبنی ہے ، اردو دیوان کی تعداد اشعار اس سے زیادہ ہے اور فارسی اشعار قریباً اتنے ہی ہیں ۔

(۳) اگر تین رسالوں سے پنج آہنگ ، مہر نیمروز اور دستنبو مراد لیے جائیں تو ''قاطع برہان،، کو کیوں نظر انداز کیا ۔ حالانکہ اس خط کی تحریر سے پیشتر وہ چھپ چکی تھی ۔ اگر اسے بھی شامل کیا جاے تو تین رسالے کیوں کر بنے؟ کم از کم چار بنے ۔

برس کی مشق کا ملکہ کچھ باقی رہ گیا ہے، اس سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں، حواس کا بھی بقیہ اس قدر ہے کہ معرض گفتار میں مطابق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے کہ دیکھیے وہاں (۱) کیا پیش آتا ہے اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیوں کر بخشا جاتا ہے۔

حضرت سے التماس ہے کہ آپ جو اہدا (۲) کے بادی (۳) اور مجھ کو ارسال نامہ کی سبیل کے ہادی ہوئے ہیں، جب تک میں جیتا رہوں، نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے مرنے کے دعاے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ (۴) والسلام بالوف الاحترام۔

---

(۱) یعنی بارگاہ باری تعالیٰ میں وقت پرسش نیک و بد۔

(۲) ہدیہ دینا، تحفہ پیش کرنا۔ (۳) ابتدا کرنے والے۔

(۴) بظاہر یہ خط ۱۸۶۴ء کا ہے۔ میرزا نے خواجہ غوث خاں بیخبر کے نام ایک خط میں جو قرائن کے مطابق ۱۸۶۴ء کا ہے، اس کا ذکر کیا ہے (ملاحظہ فرمائیے خط ۱۲)

منشی نول کشور

منشی نولکشور بستوئی (ضلع علی گڑھ) میں پیدا ہوئے (۱۸۳۶ء) پہلے وطن میں تعلیم پائی - پھر تکمیل علوم کے لیے آگرہ چلے گئے -

منشی جی کے دادا بال مکند ضلع آگرہ کے خزانچی اور والد منشی جمنا پرشاد تحصیلدار تھے - بڑے بھائی رائے مکھن لال سب جج رہے - منشی نولکشور کو ابتدا ہی سے اخبار نویسی کا شوق تھا - بھائی نے انہیں منشی ہرسکھ رائے مالک ''کوہ نور'' کے پاس بھیج دیا - منشی جی نے ہرسکھ رائے کی خدمات بڑی مستعدی سے انجام دیں- خصوصاً ازالۂ حیثیت کا مقدمہ ہرسکھ رائے کے خلاف دائر ہوا تو منشی نولکشور نے امداد میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا نہ رکھا - ۱۸۵۸ء میں وہ لکھنئو چلے گئے اور مطبع قائم کر کے اودھ اخبار کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کر دیا جو اکانوے سال کے بعد ۱۹۵۰ء میں اس وقت بند ہوا ، جب منشی جی کے وارثوں نے جایداد آپس میں تقسیم کر لی -

منشی جی نے رفتہ رفتہ مطبع کو ترقی دے کر اس کی شاخیں کان پور ، لاھور ، اجمیر اور جبل پور میں قائم کیں - کاغذ کا کارخانہ بھی قائم کیا - سب سے بڑھ کر یہ کہ مشرقی علوم کی جتنی کتابیں چھاپیں اور ان علوم کو جو فائدہ پہنچایا ، اس کے احسان سے یہاں کے لوگ کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے - عربی ، فارسی ، اردو ، ہندی کے علوم کی ہر شاخ ، ہر دائرے

اور ہر فن کی ہزاروں جلدیں شائع کیں اور اس دور میں جب کتابیں جابجا بھیجنے کے اچھے انتظامات نہ تھے اپنے ایجنٹوں اور خاص گاڑیوں یا چھکڑوں کے ذریعے سے جابجا کتابیں پہنچانے کا بندوبست کر دیا۔ قرآن مجید کی طباعت کے لیے ایک کمرہ اور مشینیں الگ کر دیں۔ جہاں مسلمان کار کن با وضو کام کرتے تھے۔ پھر سیکڑوں بیواؤں، یتیموں، بے مایہ طالب علموں کی مستقل امداد کے علاوہ مختلف خیری امور میں بھی حصہ لیا۔ علی گڑھ کالج کے لیے دس ہزار کی نقد امداد کے علاوہ بیس ہزار کتابیں دیں۔ ان کی وجہ سے مشرقی علوم کے نوادر ضیاع سے محفوظ ہو گئے۔ ۱۹- فروری ۱۸۹۵ء کو منشی صاحب نے لکھنؤ میں وفات پائی اور ان کی ارتھی سپیشل ٹرین پر کان پور لائی گئی۔ دریائے گنگا کے کنارے ان کے اکلوتے فرزند پراگ نرائن نے آخری رسمیں ادا کیں۔

مندرجہ ذیل خط میرزا نے بعض انگریز مہربانوں کی ستایش میں منشی صاحب کے نام بھیج کر ''اودھ اخبار'' میں شائع کرایا تھا۔

منشی صاحب جمیل المناقب جناب منشی نول کشور صاحب کو دولت و اقبال و جاہ و جلال روز افزوں نصیب ہو۔ چونکہ احباب کامیابی و شادکامی سے شاد ہوتے ہیں، اس واسطے مجھے ان دنوں یاوری اقبال سے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے۔ آپ کی خوشی کے واسطے لکھتا ہوں۔ بلکہ نظر ہمدگر کے اتحاد پر تم کو تہنیت دیتا ہوں۔

آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہ گزشتہ کو جو حضرت فلک رفعت نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب دہلی میں تشریف لائے تو سہ شنبہ کے دن ۳۱- مارچ ۱۸۶۲ء کو اس گمنام گوشہ نشین کو یاد فرمایا اور از راہ بندہ پروری کمال عنایت سے خلعت عطا کیا۔ سبحان اللہ

جو لوگ متعلق ہیں لفٹنٹ گورنر پنجاب سے وہ قسمتوں کے کتنے اچھے ہیں - جناب نواب معلی القاب کے مکارم اخلاق وہ روح افزا کہ جس سے مردہ زندہ ہو جائے ، صاحب والا مناقب ، تامس ڈگلس فورسائتھ صاحب بہادر سکرتر کے کلمات شفقت آمیز وہ روح آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے - میں .... (۱) شادماں آیا ، بلکہ بوڑھا گیا ، جوان آیا ، سچ ہے :

وزیرے چنیں شہریارے چناں
جہاں چوں نہ گیرد قرارے چناں

لفٹنٹ گورنر بہادر اور صاحب سکرتر بہادر کا کیا کہنا ہے - آفتاب و ماہتاب ہیں ، مگر پنڈت من پھول سنگھ صاحب میر منشی بھی دیانت و امانت و کار پردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں - یہ نہ مبالغہ ہے ، نہ خوشامد ہے ، بیان واقعی ہے - شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا ہے ، وہ لکھا ہے جو سچ اور واجبی ہے (۲) -

دوام دولت سرکار انگریزی کا طالب
رنجور ناتواں اسداللہ خاں غالب

---

(۱) یہ حصہ کرم خوردہ تھا ، پڑھا نہ گیا - بہ ظاہر ایسے الفاظ ہوں گے ؟ ''غم زدہ گیا شادماں آیا ،، -

(۲) یہ خط ۲۰- اپریل ۱۸۶۲ء کے ''اودھ اخبار ،، میں چھپا تھا - میرزا کی طرف سے ارسال خط کا مقصد یہی تھا کہ اسے چھاپا جائے - اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ منشی نولکشور کو دوستانہ روابط کی بناء پر اپنی مسرت و شادمانی کی اطلاع دینا چاہتے ہیں -

سید محمد زکریا خاں زکی دہلوی

میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ وطن دہلی۔ اجداد امرا میں سے تھے، ان کے عہد میں جایداد فروخت ہو گئی اور یہ محکمۂ تعلیم میں ملازمت پر مجبور ہوئے۔ زیادہ وقت یوپی کے مختلف مقامات میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی حیثیت سے گزرا۔ بدایوں میں زیادہ دیر تک مقیم رہنے کے باعث وہیں توطن اختیار کر لیا تھا، لیکن دہلی آتے جاتے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

(۱)

بندہ پرور،

آپ کا عنایت نامہ پہنچا، آپ از روے شرافت نسبی و لیاقت حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں، آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس عمر میں علم و فضل میں وہ پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کیے۔ بہ طریق سہل ممتنع کہے ہیں۔ اردو فصیح، عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و متین، حرف حرف شستہ و رفتہ۔ جو خوبیاں نظم میں چاہیں وہ سب موجود، مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا؟ میں تو اقلیم سخن کا گداے خاک نشین ہوں، شہنشاہ کہاں سے ہو گیا؟ خیر آپ کی ارادت میرے لیے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعرا میں خودستائی کو برا جانتے ہیں، کیا انھوں نے ''یجوزلشاعرمالا یجوزالغیرہ''(۱) نہیں سنا ہے یا اساتذہ مستندالکمال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گزرا؟

---

(۱) شاعر کے لیے جو کچھ جائز ہے، وہ دوسرے کے لیے جائز نہیں۔

اللہ اللہ ! اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسی کیسی مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے(۱) عالمگیری کہتا ہے :

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے ، عشق را پیغمبرے

تین شعر میں تین شاعروں کے بہ سبیل نمونہ لکھتا ہوں۔ باقی ماندہ کلام اہل سخن کے حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے :

بہ اقلیم معنی رسول امینم
سنائی و فردوسی از امتانم

دوسرا اس سے بڑھ کر کہتا ہے :

بہ ملک سخن آں خدائے قدیرم
کہ معنی یکے باشد از بندگانم

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے :

حوض کوثر کہ مشرب‌الروح است
ناودانے ز پارگین من است

ناوداں بہ معنی موری اور پارگین اس گڑھے کو کہتے ہیں ، جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے ، نعوذباللہ من شطحیات‌الشعرا۔

میر صاحب ، میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں ، اس پر امراض متضادہ و مزمنہ میں گرفتار ، قوی بالکل مضمحل ، اٹھنا بیٹھنا ، لکھنا پڑھنا سب مشکل۔ احیاناً اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے ، معاف رہوں۔ والسلام مالوف الاحترام۔

۹- جنوری ۱۸۶۸ء بروز چہار شنبہ   دعائے خیر کا طالب ، فقیر غالب

---

(۱) شیدا شاہ جہانی عہد کا مشہور شاعر تھا اور اس کے منقولہ شعر پر شاہ جہاں ہی نے باز پرس کی تھی بلکہ اسے مملکت سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور قصور معاف ہوا۔

(۲)

سند شاگردی

سبحان‌اللہ سارٹیفکٹ لکھنے کا کس وقت اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جان چند روز کا مہمان ہوں، مہینے بھر سے غذا بالکل مفقود، صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے۔ اگر اٹھوں تو دوران سر سے گر پڑوں(۱)۔

سید محمد زکریا خاں، نسب میں سید امیر زادۂ عالی دودمان، ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی، پھر بہ عوض جاگیر پنسن مقرر ہوئی معہذا یہ شخص بہ ذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانشمند اور نیک طینت اور رنگین طبع۔ معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے۔ شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں۔

(اسداللہ خاں غالب)

---

(۱) یہ سند زکی نے اپنے دیوان مطبوعہ جون ۱۸۹۰ء کے ساتھ چھاپی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر میرزا کے بالکل آخری دور کی ہے۔ جب غذا ترک کر دی تھی۔ صرف آب گوشت تھوڑا تھوڑا پی لیتے تھے۔

حکیم غلام رضا خاں

حکیم غلام رضا خاں بن حکیم غلام مرتضیٰ خاں شریف خانی طبابت میں بھی کامل الفن تھے۔ انہیں افسرالاطباء، اشرف الحکما اور افلاطون دہر لکھا گیا ہے۔ دھلی ھی میں رھے۔ اکمل المطابع کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا، جہاں ''اردوے معلیٰ،، پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔ اس نام سے ایک اخبار بھی جاری کر لیا تھا۔ میرزا نے اردوے معلیٰ کا حق طبع انہی کے حوالے کر دیا تھا۔

---

(۱)

نور دیدہ و سرور دل و راحت جاں، اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو غالب نیم جان کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سونپ کر روانہ رام پور ھوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ھوا، موسم سایہ و سر چشمہ جابجا۔ آرام سے رام پور پہنچا۔(۱)

نواب صاحب حال(۲)، بہ مقتضاے الولدسرلابیہ، حسن اخلاق میں

---

(۱) یہ دوسرے سفر رام پور کا معاملہ ہے۔

(۲) نواب کلب علی خاں۔

نواب فردوس آرامگاہ (۱) کے برابر، بلکہ بعض شیوہ و روش میں ان سے بہتر ھیں - بہ مجرد مسند نشینی غلے کا محصول یک قلم معاف - علی بخش خاں خان سامان (۲) کو بیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا - مفصل حالات بذل و نوال عندالملاقات زبانی کہوں گا -

سنو صاحب، میں فقیر آزادہ کیش ھوں، دنیا دار نہیں، مکار نہیں، خوشامد میرا شعار نہیں - جس میں جو صفات دیکھتا ھوں - وہ بیان کرتا ھوں - نواب صاحب تو گھر بیٹھے سو روپے مہینہ دیتے ھیں - تم مجھ کو کیا دیتے ھو، جو تمھارے باب میں میرا عقیدہ یہ ھے کہ اگر بہ مثل میرا کوئی صلبی بیٹا ایسا ھوتا جیسے تم ھو تو میں اس کو اپنا فخر و شرف جانتا - علم و عقل، خلق و صدق، سواد (۳) و حلم کے جامع، تواع و زھد و تقویٰ کے حاوی - علم اخلاق میں حکماے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ھیں، وہ سب تم میں پائے جاتے ھیں - پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے! ان شاءاللہ ھم چنیں خواھد بود -

۱۸۶۵ء

غالب

(۲)

اردوے معلیٰ کا حق طباعت

پیکر بے روح و رواں، فقیر اسداللہ خاں غالب تخلص ھیچ مداں کہتا ھے اور لکھ دیتا ھے کہ یہ جو اردوے معلیٰ تصنیف فقیر اکمل المطابع میں چھاپا ھوا، سو میں نے از راہ فرط محبت، اپنا حق تالیف، نور چشم

---

(۱) نواب یوسف علی خاں ناظم -

(۲) رئیس الامرار مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے جد امجد جن کے حالات دوسری جگہ لکھے جا چکے ھیں -

(۳) راستی و درستی کردار -

اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو بخش دیا ہے اور اس حق کو خاص ان کا حق کیا ہے۔ اب کوئی اور صاحب اگر مالک اکمل المطابع حکیم غلام رضا خاں کے بے اطلاع اردوے معلی چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ رہیں گے اور فوراً حسب منشاء قانون بستم ۱۸۴۷ء سزا پائیں گے۔

مہر

نجم الدولہ دبیرالملک

اسداللہ خاں بہادر

نظام جنگ ۱۸۶۷ء

عبدالحق

(۱)

نہ بھائی ، یہ نہ سمجھو کہ سلطان بہ معنی مصدر آتا ہے سلطنتہ اگرچہ من حیث‌القیاس صحیح لیکن ٹکسال باہر ہے۔ ''خلداللہ ملکہ و سلطانہ،،۔ منشیان ایران و روم یوں ہی لکھتے آئے ہیں۔ ''ضمان،، بہ معنی ''ضامن،، اور بہ معنی ''ضمانت ،، ''سلطان،، بہ معنی بادشاہ اور بہ معنی سلطنت۔ اس میں کچھ تامل نہ کرو۔ کس کی مجال ہے کہ اس پر ہنس سکے۔

لیکن ملکہ و سلطانہ علامت مذکر ہے۔ اگر ''ملکہا و سلطانہا،، بن جائے تو بہتر ہے ورنہ خیر، یونہی رہنے دو۔ ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہ رعایت شکوہ سلطنت ہم نے تانیث کی رعایت نہ کی اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سگھڑ ہو تو ہاے ہوز کا شوشہ مٹا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنوا دو اور سلطانہ کو خدا کے واسطے مت بدلنا۔ یہ بلغاے عرب و عجم کا قرار داد ہے۔

بعد اس تحریر کے عرض ہے کہ پرسوں پنج شنبہ کو عرضی لکھی ہوئی میرے پاس آ جائے۔ (۱)

---

(۱) آخری فقرے سے صاف ظاہر ہے کہ میرزا غالب نے خوش نویس سے ایک عرضی لکھوائی تھی اور بالائی تحریر سے آشکارا ہے کہ یہ عرضی ملکہ وکٹوریہ کے نام تھی۔ باقی کوئی امر وضاحت کا محتاج نہیں۔

(۲)

جناب عالی،

یہ خط فتح پور سے آپ کے نام آیا ہے۔ میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا خط پہنچتا ہے، اس کو ملاحظہ کر کے جب اس کا جواب مجھ کو دیجیے گا تو میں فتح پور روانہ ہو جاؤں گا۔ (۱)

شادی بادشاہ کے فرزند ارجمند کی اور بزم گاہ دیوان خاص۔ رقعے لکھے جائیں گے صمصام الدولہ کی طرف سے، صمصام الدولہ امیر ہیں اور امرا با ہمدگر طریقہ فروتنی کا سلوک رکھتے ہیں۔ یعنی تشریف لائیے، ممنون کیجیے۔

پس اب میں اس رقعے کی عبارت میں کیا الفاظ صرف کروں؟ تشریف شریف اور قدوم میمنت لزوم کو دیوان خاص سے مباعدت (۲) محض اور پھر داعی صمصام الدولہ۔ اگر شہزادے اور دیوان خاص کے لائق الفاظ لکھے جائیں تو حضرت مکتوب الیہ برا مانیں گے کہ ہم کو صمصام الدولہ نے کیا لکھا ہے۔ اگر متواضعانہ عبارت لکھی جاوے تو کسر شان سلطنت ہے۔ اب آپ مجھ کو ہدایت کیجیے کہ نگارش کا کیا انداز ہو۔

اسداللہ

---

(۱) ''غالب کی نادر تحریریں،، دیکھیں تو معلوم ہوا کہ یہ رقعہ ''عبدالحق،، کے نام تھا۔ خود میرزا غالب عبدالحق کو نہ جناب عالی،، لکھ سکتے تھے اور نہ ''فتح پور روانہ ہو جاؤں گا،، کو میرزا سے کوئی مناسبت معلوم ہوتی ہے، تحریر کا اسلوب و انداز یقیناً میرزا غالب کا ہے اور بظاہر یہ کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اغلب ہے کسی شخص کی طرف سے یہ بھیجی گئی ہو یعنی عبارت میرزا کی اور کاتب و مکتوب الیہ دوسرے لوگ ہیں۔ اگر یہ عبدالحق کے نام بھی ہے تو تحریر میرزا کی ہے، مگر دوسرے کی طرف سے ہے۔ بظاہر معاملہ میرزا جواں بخت کی شادی کا ہے۔

(۲) دوری، یعنی یہ طریقہ دیوان خاص کی طرف سے مناسب نہیں۔

سید اجمد حسین تمنا مرزا پوری

سید موصوف کے مفصل حالات نہ مل سکے - صرف اتنا معلوم ہوا کہ مشن سکول مرزا پور (یو پی) میں ہیڈ مولوی تھے - ''مرقع ادب،، میں ان کا تخاص منیا بتایا گیا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا اور نمونہ کلام میں وہی دو شعر درج ہیں جو میرزا غالب کے مکتوب اول میں منقول ہیں - مولوی فرزند علی اخگر جن کا ذکر ان خطوں میں آیا ہے ، عدالت مرزا پور میں وکیل تھے - تمنا اور اخگر کے درمیان گہرے دوستانہ روابط تھے -

تمنا کے دو رسالے بھی میں نے عزیز مکرم محمد عالم مختار حق (جھگیاں ناگرہ ، لاہور) کے کتب خانے میں دیکھیے :

۱ - ''تفریدالتوحید،، مطبوعہ مطبع گلزار احمدی مرادآباد (محرم ۱۳۰۴ھ - اکتوبر ۱۸۸۶ء) جس میں بعض معترضین کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء وحدت وجود کے قائل ہیں- تمنا نے مستند علماء اور صوفیہ کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ نہ ''وحدت وجود،، عقائد دینیہ میں سے ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی صریح بات صحابہ رض ، تابعین رح یا قدماء صوفیہ سے منقول ہے - صرف آٹھ صفحے کا رسالہ ہے جو ''نعمت اللہ،، ہی کے ساتھ

شائع ہوا۔ اس میں تمنا نے اپنی ایک کتاب ''برہان القدس،، کا ذکر بھی کیا ہے،

۲ - ''اثبات العقل بالنقل،، یہ دس صفحے کا رسالہ بھی مذکورہ بالا مطبع ہی کا مطبوعہ ہے،

ان رسالوں سے دو باتیں ثابت ہو گئیں : اول احمد حسین عربی و فارسی کے فاضل تھے دینیات پر انہیں عبور حاصل تھا اور عقائد بھی خالص اسلامی تھے۔ نیز ان کا تخلص تمنا تھا نہ کہ ''منیا،، دونوں رسالوں پر تمنا ہی درج ہے۔

---

(۱)

جان غالب،

کل تمہاری دونوں غزلیں بعد اصلاح ٹکٹ والے لفافے کے اندر رکھ کر بھجوا دی ہیں۔ مطلع تم نے میری زبان سے کہا ہے:

ادائے یوسفی ہے لوٹ قاتل کے لڑکپن پر
سواد دیدۂ یعقوب کے دھبے ہیں دامن پر

اس زمین میں میری غزل ہے اور ناسخ و آتش کی غزلیں میں نے دیکھی ہیں۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھی ہے۔ گردن کا قافیہ مجھے پسند آیا۔

نزاکت ان کی وقت قتل مقتل میں یہ کہتی ہے
یہ اتنے خون ناحق جس سے اٹھیں، اس کی گردن پر

غرضکہ ساری غزل بے مثل و لاجواب ہے۔ کیوں نہ ہو، ابھی تمہارا شباب ہے۔ زمین شعر کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اس غزل میں تم نے جوانی کا زور دکھایا ہے۔

قصیدے کا وعدہ نہیں کرتا۔ اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا تو لطف زیادہ آئے گا اور اگر نہ پہنچے گا تو محل شکایت نہ ہوگا(۱)۔

بندہ پرور، میرا کلام کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو کیا، فارسی۔ کبھی میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کی فکر تھی۔ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کر لیتے تھے، سو ان دوستوں کا، زمانۂ غدر میں گھر ہی لٹ گیا۔ نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا۔ پھر میں اپنا کلام نظم و نثر کہاں سے لاؤں؟(۲)

مولوی فرزند علی اخگر کا کون مشتاق نہ ہوگا؟ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں، فقیر ان سے مل کر بہت خوش ہوا(۳) آنکھیں ان کے حسن صورت سے روشن اور دل ان کے حسن سیرت سے مسحور ہو گیا۔

اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ میں یوں ہی، خدمت گزاری کو حاضر ہوں۔ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں۔ میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجیے گا(۴)۔

۱۳- جولائی ۱۸۶۷ء غالب

---

(۱) بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے میرزا کے کسی قصیدے کی نقل مانگی تھی۔

(۲) حیرت اس پر ہے کہ ۱۸۶۷ء تک میرزا کی تمام تصانیف حتیٰ کہ کلیات فارسی بھی چھپ چکا تھا۔ پھر مکتوب الیہ کو کلام کے لیے میرزا سے فرمایش کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یا میرزا نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ میری کتابیں نولکشور کے مطبع سے خرید لیں۔ اغلب ہے کہ خط پر مندرجہ تاریخ صحیح نہ ہو اور یہ چند سال پیشتر کا ہو اس کی توثیق یوں بھی ہوتی ہے کہ میرزا غالب جولائی ۱۸۶۷ء میں اصلاح کی ذمہ داری بے تکلف قبول نہیں کرتے تھے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے اخگر دہلی میں میرزا سے ملے تھے۔

(۴) بظاہر خط کے آخری فقرے کا تعلق اخگر سے ہے۔ تکلیف سے اشارہ غالباً کسی رقم کے متعلق ہے جو اخگر نے بھجوائی اور پیام ارسال کلام بھی انہی کے لیے ہے۔

(۲)

بندہ پرور،

کل دوپہر کو آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی اخگر صاحب کا مہربانی نامہ مع غزل پہنچا - آج جواب آپ کو لکھتا ہوں - غزل میں نے دیکھ لی - سوائے ایک دو جگہ کے کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی - آج اس فن میں وہ یکتا ہیں - خدا ان کو سلامت رکھے - وہ بلامبالغہ سراپا تصویر محبت ہیں - نظم تو نظم ان کی نثر کے فقرے بھی قیامت ہیں - اس دوبارہ عطیے اور یاد آوری کا احسان مانا - میری جانب سے قدر افزائی کا شکریہ ادا کر دیجیے کہ حضرت نے اس ہیچ میرز اور ہیچ مداں کو قابل خطاب اور لائق جواب سمجھا - میں دروغ گو نہیں اور خوشامد میری خو نہیں - غزل دیکھی - الفاظ متین، معانی بلند، بندش دل پسند، مضمون عمدہ - سوائے ایک دو جگہ کے غزل بھر میں ایک نقطے کی بھی گنجایش نہ تھی - اصلاح کیا دیتا بجنسہ واپس کرتا ہوں -

قبلۂ حاجات، میرا حال کیا پوچھتے ہیں - زندہ ہوں، مگر مردے سے بدتر - جو حالت میری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے - اب تو اس سے بھی بدتر ہے - مرزا پور کیا آؤں! اب سوائے سفر آخرت کے نہ کسی سفر کی مجھ کو طاقت ہے - نہ جرأت، جوان ہوتا تو ان سے صحت کا طلب‌گار ہوتا - بوڑھا ہوں تو ان سے مغفرت کا خواہاں ہوں:

دم واپسیں بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا - طبیعت میں وہ مزا اور سر میں وہ سودا کہاں؟ پچاس پچپن برس کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے - اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں - حواس کا بھی بقیہ میرے اس شعر کا مصداق ہے:

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

جب تک زندہ ہوں نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے دعاے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے۔ سانس میری زباں پر مذکر ہے۔ رند کا یہ مطلع :

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

میرے لیے سند نہیں۔

بندہ پرور، لکھنئو اور دھلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پائیے گا۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر اہل لکھنئو اسے مؤنث کہیں تو میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا آپ کو اختیار ہے جو چاہیے، کہیے۔ مگر جفا کے مؤنث ہونے میں اہل دھلی و لکھنئو کو باھم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا، جفا کیا۔

چشم بد دور حضرت کی طبیعت نہایت اعلیٰ اور مناسب اس فن کے ہے۔ اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔ (۱)

---

(۱) اگرچہ مکتوب الیہ تمنا ہیں، مگر خط کے اصل مخاطب اول سے آخر تک اخگر ہی ہیں۔ یہ دونوں خط مجھے میر مہدی مجروح کے پوتے سید سبط حسن فاضل زیدی (محلہ غریب آباد، نواب شاہ) سے ملے۔

مصطفیٰ خاں شیفتہ

جناب بھائی صاحب قبلہ،

یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنے دارالریاست (۱) میں پہنچ گئے ہوں اور بہ جمیعت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ سوا پان کے کوئی خیال اور مولوی الطاف حسین (۲) کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہ ہو۔ خدا کرے تم کو یاد آ جائے کہ مفتی جی (۳) شگفتی کو شگفت کا مزید علیہ مسلّم نہیں جانتے تھے۔ سکندر نامہ میں دیکھا:

بسے در شگفتی نمودن طواف
عنان سخن را کشد در گزاف

صہبائی (۴) شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بہ شام جانتا

---

(۱) بظاہر مقصود جہانگیر آباد (ضلع بلند شہر یو پی) ہے جو نواب مصطفیٰ خاں کی جاگیر کا مرکز تھا۔

(۲) خواجہ الطاف حسین حالی جو ۱۸۶۳ء سے شیفتہ کی وفات تک مرحوم و مغفور کے مصاحب رہے۔ غالباً کچھ عرصے کے لیے وطن چلے گئے ہوں۔

(۳) مفتی جی سے مراد مفتی صدرالدین آزردہ مرحوم ہیں۔

(۴) مولانا امام بخش صہبائی، جو ۱۸۵۷ء میں گوروں کے ہاتھ سے بالکل بے گناہ شہید ہوئے۔

تھا ۔ محمد سعید اشرف (۱) مازندرانی کے کلام میں نظر پڑا :

ھمچو صبح شفق آلودہ رخش سرخ و سفید

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا :

از جسم بہ جاں نقاب تاکے ؟
این گنج دریں خراب تاکے ؟

حضرات کو اس میں تامل ہے ۔ ''خرابہ،، کی جگہ ''خراب،، کو نہیں مانتے ۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی اصل ''خراب،، اور ''خرابہ،، مزید علیہ ، ''ویران،، لغت فارسی اصل اور ''ویرانہ ،، مزید علیہ، ''موج،، لغت عربی اصل ''موجہ،، مزید علیہ ہے ؟ مزید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو ؟ یہ ایک مصرع قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرع مجھے یاد نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کا ہے :

چوں مہر در کسوفم و چوں گنج در خراب

میں خود کہتا ہوں کہ اس کو نہ مانو ، اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا ۔ یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ‌الرحمہ کا ہے اور اس کے دیوان میں موجود ہے :

بہ فکر دل نفتادی بہیچ باب دریغ
بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ

''گنج و خراب،، ، ''گنج و خرابہ،، ، ''گنج و ویران،، ، ''گنج و ویرانہ،،

---

(۱) محمد سعید اشرف بن محمد صالح مازندرانی عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اور کچھ عرصہ زیب‌النسا بیگم کا معلم رہا ۔ پھر بیگم سے اجازت لے کر ۱۰۸۳ھ - ۱۶۷۲ء میں وطن چلا گیا ۔ دوبارہ آیا تو شہزادہ عظیم‌الشان ، بن شاہ عالم بن عالمگیر سے وابستہ ہو گیا ، جو اس زمانے میں بنگال کا صوبیدار تھا ۔ پھر اشرف نے حج و زیارت کا ارادہ کیا ۔ سونگھیر (بہار) پہنچ کر وفات پائی ۔

مستعمل اهل ایران ہے، اس بات میں متردد ہونا محض عدم اعتنا ہے۔
والسلام۔

صبح سہ شنبہ دہم ماہ صیام، سال غافر پئے اہل اسلام
(۱۰- رمضان ۱۲۸۱ھ مطابق ۶- فروری ۱۸۶۵ء)

مفتی سید محمد عباس

قبلہ،

حضرت کا نوازشنامہ ایا، میں نے اس کو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عز و افتخار ہے۔ فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی(۱)، نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے۔ نہ پیش نظر

---

(۱) ''قاطع برہان،، جس کا ایک نسخہ میرزا نے قدر بلگرامی کے ہاتھ مفتی صاحب کو بھجوایا تھا، (دیکھیے قدر کے نام خط مرقومہ ۲۴- مئی ۱۸۶۲ء) مفتی صاحب اس زمانے میں لکھنئو سے کان پور گئے ہوئے تھے۔ لہذا یہ نسخہ پارسل کی صورت میں نواب باقر علی خاں (بن معتمدالدولہ آغا میر) کے مکان پر کان پور بھیج دیا گیا، جہاں مفتی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ ''قاطع برہان،، دیکھنے کے بعد مفتی صاحب نے ایک فارسی خط میرزا کے نام بھیجا، جس میں دو رباعیاں میرزا کی مدح میں تھیں:

در فن معانی ید بیضا دارد در سحر بیانی لب عیسیٰ دارد
گر شیوۂ منشیان دیگر جادوست آوازۂ قلمش عصاے موسیٰ دارد

غالب آں مہر سپر نظم و نثر ہم صفیر صائبا و طالبا
تحفۂ با مُہر از مہرش رسید شد رقم تاریخ مہر غالبا

(عود ہندی مرتبہ سید مرتضیٰ فاضل ص ۵۰۱-۵۰۲)

''تجلیات،، میں ہے کہ مفتی صاحب نے کتاب کی انتہائی تحسین کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا ظرافت اور درشتی سے احتراز مناسب تھا:
ظرافت نے آفت کو برپا کیا درشتی نہ کرنی تھی یہ کیا کیا

دھرا رہے، بلکہ اکثر دیکھا جاوے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے، گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں، نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں، سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں، طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش ظرافت سے خالی نہ ہوگی۔ گزارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں، لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔ مبدأ فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے، ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں، مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی (۱) لایا ہوں۔ مناسبت خدا داد، تربیت استاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا، فارسی کے غوامض جاننے لگا۔

بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ ''قاطع برہان،، کا لکھنا کیا تھا گویا باسی کڑھی میں ابال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہام (۲) ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے ہے یہ تنک مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ''قاطع برہان،، کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت! ''برہان قاطع،، و ''قاطع برہان،، ایک نمط ہے۔ ''برہان قاطع،، نے کیا لٹھا، نینو، نین سکھ قطع کیا ہے، جو آپ نے اس کو ''قاطع،، لقب دیا ہے؟ ''برہان،، جب تک غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیوں کر ''برہان قاطع،، نام پائے گی؟ ''برہان قاطع،، کی صحت میں جو تقریر کیجیے گا، وہ ''قاطع برہان،، کی صحت کے ثبوت کے کام آئے گی۔

---

(۱) عود ہندی مرتبۂ مولانا سید مرتضیٰ حسین نیز تجلیات میں ''مزۂ ابدی،، کی جگہ ''فرۂ ایزدی،، ہے۔ فقرہ یوں ہے: ''مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی فرۂ ایزدی لایا ہوں،،۔ (۲) تیر۔

قطعهٔ تاریخ کا کیا کہنا! گویا یہ کتاب معشوق اور قطعہ اس کا گہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام شعر کے پسند آنے کا شکر گزار ہوں (۱)۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے، لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے(۲) ۱۲

(۱۸۶۲ء)

---

(۱) نواب صاحب سے مراد معین‌الدوله انتظام‌الملک نواب باقر علی خاں ہیں۔ مفتی سید عباس نے لکھا تھا کہ نواب صاحب نے آپ کا یہ شعر مکرر پڑھوایا:

ازما به ما سلام و هم ازما به ما پیام
زیبد ولے مباد سلام و پیام ما

اور بہت تعریف کی۔ میرزا نے اسی کا شکریہ ادا کیا ہے۔

(۲) نساخ کے دیوان کا نام۔

صدرالصدور مراد آباد

یہ مکتوب مولوی محمد حسن صدالصدور مرادآباد کے نام لکھا گیا تھا، وہ میرزا غالب کے دوست تھے - مگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے - اس مکتوب کی سر گزشت آپ کو حاشیے میں ملے گی -

قبلہ !

آپ سے رخصت ہو کر بھیگتا بھاگتا، جاڑا کھاتا، پرسوں(۱) گیارہ بجے

---

(۱) اگر یہ خط ۱۱- جنوری کو لکھا گیا تو پرسوں کا مطلب ہے ۹- جنوری کو- یہ اس لیے غلط ہے کہ میرزا نے کم از کم تین خطوں میں سفر رام پور سے مراجعت پر ورود دھلی کی تاریخ ۸- جنوری لکھی ہے مثلاً :

۱- ''آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا، ۸- جنوری کو فقیر پہنچا،، (بنام عبدالرزاق شاکر)

۲ - ۸- جنوری ماہ و سال حال دو شنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا (بنام میرزا تفتہ) -

۳- میں جادہ نورد ستم آباد دھلی ہوا - دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ھ، ۸- جنوری ۱۸۶۶ء درغمکدہ پر پہنچا- حضرت کے اقبال کی تائید تھی، ورنہ میں اور جیتا دلی پہنچتا :

مغلوب غلبۂ غم دل غالب حزیں
کاندر تنش کہ زضعف تواں گفت جاں نہ بود
از رام پور زندہ بہ دھلی رسیدہ است
''مارا ازیں گیاہ ضعیف ایں گماں نہ بود،،

(بنام نواب کلب علی خاں بہادر، مکاتیب رام پور ص ۶۷) لہذا ''پرسوں،، کے بجائے ''اترسوں،، ہونا چاہیے -

دن کے اپنے گھر پہنچا۔ اقربا و احبا کو زندہ و صحیح سالم پایا۔ الشکر للہ، اب میں تندرست ہوں۔ اس سفر میں سراسر خستہ و رنجور رہا۔ اتمام سفر اختتام رنج تھا گویا۔

کیا عرض کروں، غازی آباد شہر سے سات کوس ہے۔ شب کو وہیں مقام کیا۔ وہیں سے طبیعت اصلاح پر آنے لگی۔ قبض و انقباض رفع ہو گیا۔ صحت سے اعادۂ طاقت حاصل ہے۔ ۱۲

''قاطع برہان،، ثم ''درفش کاویانی،، کا پارسل پہنچا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو دیکھنا اور غور سے دیکھنا۔ جس طرح ''لطائف غیبی کو دیکھا ہے اس طرح نہ دیکھنا۔ تم نقاد(۱) نقود معنی ہو۔ تم ہی داد نہ دوگے تو کون دے گا! یہ کتاب نہیں، گنج اسرار حکمت ہے(۲)۔ من قال سے قطع نظر ما قال کو دیکھو(۳)۔

۱۱-جنوری ۱۸۶۶ء بے دستگاہ، اسداللہ

---

(۱) پرکھنے والا، کھوٹا کھرا دیکھنے والا۔

(۲) میرزا نے اپنے شعروں کے متعلق کہا تھا:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اب قاطع برہان،، یا درفش ''کاویانی،، کو ''گنج اسرار حکمت،، قرار دیا، یہ دعویٰ اس اعتبار سے بالکل درست ہے کہ فارسی یا کسی بھی زبان کے متعلق محکم بنیادی اصول پیش کر دیے، جن کی روشنی میں کوئی شخص غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

(۳) یعنی یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہا گیا ہے؟

آخر میں دو باتوں کا ذکر ضروری ہے:

بقیہ اگلے صفحہ پر

۱ - میرزا غالب دوسرے سفر رام پور سے مراجعت کے وقت دریائے رام گنگا پر پہنچے تو دریا میں سیلاب تھا - وہ خود پالکی میں تھے - کہار پل پر سے گزر آئے سامان اور نوکر چاکر گاڑی میں تھے، پل ٹوٹ گیا اور گاڑی دریا کے پار ہی رہ گئی - میرزا کے پاس صرف کمبل تھا - رات مرادآباد کی سرائے میں گزاری اور سردی کھا کر بیمار ہو گئے - صبح کے وقت صاحبزادہ ممتاز علی خاں کو خبر ملی جو رام پور کے حکمران خاندان کے ایک فرد تھے (اور ان کی شادی مرادآباد میں سعیدالدین خان بہادر کے ہاں ہوئی تھی) تو انہوں نے میرزا کو سعیدالدین خان بہادر کے مکان پر پہنچایا - لیکن محمد حسن خاں صاحب صدرالصدور کو بھی اطلاع مل چکی تھی - وہ اصرار کر کے میرزا کو اپنے ہاں لے گئے اور پوری توجہ سے خاطر تواضع اور خدمت کی - یہ خبر رام پور بھی پہنچ چکی تھی - نواب کلب علی خاں نے فوراً آدمی بھیجا کہ واپس رام پور آجائیں تا کہ علاج ہو سکے لیکن اس وقت تک میرزا تندرست ہو کر دہلی روانہ ہو گئے تھے -

۲ - اس خط کے محفوظ رہنے کا واقعہ عجیب ہے - یہ پنجاب یونیورسٹی کے ایک مخطوطہ ''دیوان واقف'' سے ملا - جس کی کتابت ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی - دو صورتیں ذہن میں آتی ہیں : اول یہ کہ دیوان واقف کا یہ نسخہ میرزا کے پاس رہا اور مکتوب الیہ کو خط لکھا تو اس کی نقل دیوان ہی کے ایک سادہ ورق پر کر لی تا کہ اسے مکتوبات میں شامل کیا جا سکے، جن کی ترتیب دہلی میں شروع ہو چکی تھی یا یہ خط جس کے ہاتھ آیا، اس نے دیوان واقف کے مجلد میں شامل کر لیا تا کہ محفوظ رہے -

محمد حسین خاں

محمد حسین خاں صاحب رام پور کے مشہور اخبار ''دبدبۂ سکندری'' کے ایڈیٹر تھے۔ انہیں جو قطعے میرزا نے لکھ کر بھیجے تھے، ان کے متعلق تاکید کر دی تھی کہ فرمانروائے وقت سے اجازت لیے بغیر نہ چھاپے جائیں۔

---

(۱)

مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام پہنچے۔ اسداللہ ہر ہفتے ''دبدبۂ سکندری'' کے معائنے سے سرور اٹھاتا ہے۔ رام پور کے حالات پڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ ''دبدبۂ سکندری'' میں، جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں، پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجیے اور علی الدوام اس کا التزام رہے۔ یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی جایا کرے اور وہ رباعی یہ ہے:

آں کیست کہ جسم ملک را جاں باشد؟ آں کیست کہ ہمسر سلیماں باشد؟
کس نیست مگر کلب علی خاں باشد؟ آں کیست کہ انجمش بفرماں باشد؟

اور ایک قطعہ اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمایش گاہ کا ذکر لکھو، اس عبارت کے خاتمے پر یہ قطعہ لکھ دو اور اگر یہ قطعہ نمایش گاہ کے ذکر کے بعد پہنچے تو اس کی اطلاع لکھ کر لکھ دینا۔

یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا:

نمایش گہے در خور شان خویش / بر آراست نواب عالی جناب
بہ شب زہرہ و مہ قنادیل سقف / بود پیشکارش بہ روز آفتاب
ز غالب چو پرسیدہ شد سال آں / چنیں گفت آں رند خانہ خراب
ازاں جا کہ در بزم عیش و سرور / زبخشش جہانے شدہ کامیاب
چو بینی نہایت ندارد طرب / بگو سال آں "بخشش بے حساب"

"بخشش بے حساب" کے ۱۲۸۵ ہوتے ہیں۔ جب طرب کی "ب" کے عدد کو دور کر دیجیے تو ۱۲۸۳ھ ہوتے ہیں۔ فقط

مگر بھائی صاحب، نواب صاحب سے بغیر اجازت لیے اور کہیے ہر گز نہ چھاپنا۔

۱۱- اپریل ۱۸۶۷ء   جواب کا طالب، غالب

(۲)

خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔ آگے میں نے ایک خط مع ایک قطعے اور رباعی کے بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر اس کو موافق میری خواہش کے، چھاپ دیں گے۔

۲۵- اپریل ۱۸۶۷ء   راقم اسداللہ

(۳)

شفیق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسداللہ خاں کا سلام۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشین ہوئے۔ چوہتر کی عمر ہوئی۔ اگر سن تمیز چودہ برس رکھیے تو ساٹھ برس کا نیک و بد، سیاہ و سفید کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کماحقہ، فوراً ذہن میں آ جاتی ہے۔

واللہ باللہ ثم باللہ تمہارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آ گیا۔ آپ بھی اس کو یقین سمجھیے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانا تو حقیقت لکھتا ہوں(۱)

۵- محرم ۱۲۸۴ھ (۱۰- مئی ۱۸۶۷ء)

---

(۱) یہ مکتوب اتنا ہی محفوظ رہا۔ ظاہر ہے کہ اس کے آگے کی عبارت تلف ہو گئی۔

مردان علی خاں رعنا

رعنا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ مہاراجہ کپورتھلہ کے ہاں ملازم تھے۔ نساخ نے "سخن شعرا" میں لکھا ہے:

> راقم نے ان کو کلکتہ میں دیکھا ہے۔ "غنچۂ راگ" ان کا نظر سے گزرا۔ (ص ۱۸۷)

گویا وہ کلکتہ بھی گئے تھے اور "غنچۂ راگ" ان کی تصنیف ہے۔

---

(۱)

خاں صاحب عالی شان مردان علی خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آج اس فن میں تم یکتا ہو، خدا تم کو سلامت رکھے۔

بھائی "جفا" کے مؤنث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالے میں، جہاں بولتے ہیں کہ "ہتھنی آیا"، اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں، ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مؤنث ہے۔ بے شبہ و شک۔ والسلام والاکرام۔ ۱۲

(۲)

خاں صاحب مشفق عالی شان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رام پور کا لفافہ آج رام پور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے

دیکھ لیا - کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی - ''نالہ در،، الخ ''نالہ دل،، بنا دیا (۱) -

نواب صاحب (۲) اردو کا تذکرہ لکھتے ہیں - فارسی غزل تم نے بے فائدہ لکھی - دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتا لکھا، سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا - منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے، مجھ سے ملے تھے - بہت خوبصورت اور خوش سیرت، سعادت مند اور معقول پسند آدمی ہیں، تمہارے مداح اور میں ان کا ثنا خواں - خدا تم کو اور ان کو سلامت رکھے (۳) ۱۲

---

(۱) رعنا کا شعر تھا :

گزرا ہے مرا نالہ در چرخ کہن سے
تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

میرزا کا مطلب ہے کہ '' در چرخ،، کی جگہ ''دل چرخ،، بنا دیا -

(۲) معلوم نہیں یہ کس نواب کا ذکر ہے -

(۳) بظاہر یہ خط ۱۸۶۱ء کا ہے، کیونکہ منشی نولکشور اسی سال دہلی آئے تھے -

منشی نبی بخش حقیر اور عبداللطیف

منشی نبی بخش حقیر محلہ تاج گنج آگرہ میں رہتے تھے۔ ملازمت کا دور زیادہ تر علی گڑھ میں گزرا ۔ اغلب ہے میرزا غالب کے بچپن کے دوست ہوں۔ میرزا نے ان کی سخن فہمی کی بے حد تعریف کی ہے ، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ تعجب نہیں فہم سخن اور ذوق معنی کے دو حصے کیے گئے۔ نصف منشی نبی بخش کے حصے میں آیا اور نصف باقی دنیا کے حصے میں ۔ لیکن ''نادرات غالب،، میں حقیر نے میرزا کے بعض اشعار کا مطلب پوچھا ہے۔ اس سے تو واضح نہیں ہوتا کہ انہیں سخن فہمی اور مطالب رسی میں کوئی غیر معمولی مقام حاصل تھا۔

عبداللطیف اور نصیرالدین منشی صاحب کے فرزند تھے۔ ایک صاحبزادی ذکیہ (ذکیۃ النسا بیگم) کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے۔ عبدالسلام ، عبداللطیف کا بیٹا تھا۔ اکتوبر ۱۸۶۰ء میں حقیر نے انتقال کیا۔ میرزا نے ''رستخیز،، سے تاریخ وفات نکالی :

گفت مدہ طول و بگو : ''رستخیز،،

''نادرات غالب،، میں منشی صاحب کے نام فارسی کے ایک خط کو شامل کرتے ہوئے چوہتر خط چھپے ہیں ۔ جن میں سے دو منشی عبداللطیف کے نام ہیں۔ ایک خط منشی شیو نرائن

آرام کے نام تھا جو غلطی سے اردوے معلیٰ میں منشی نبی بخش کے نام چھپ گیا۔ ''نادرات غالب،، کے مرتب نے بھی اسے اردوے معلیٰ سے لے کر اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔

بھائی،

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میاں (۱) کا عذر مقبول و مطبوع۔ حق تعالیٰ ان کو زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ انہوں نے جو صورت چھ کتابوں کی آرایش کی، جس تفریق سے ٹھہرائی ہے، وہ مجھ کو پسند آئی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزیین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تصریح آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں، اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔

بھائی جان، میں نے ایک قصیدہ جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں۔ چھ صفحے یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیے جائیں تو کتاب کو قصیدے سے عزت اور قصیدے کو کتاب کے سبب شہرت ہو جائے گی۔ کل جناب مرزا صاحب(۲) کو یہ خط لکھ چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ، مرزا صاحب، مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اس خواهش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے اور جب باتفاق تم چاروں صاحب پسند کروگے تو گویا بہ اجلاس کونسل اس قانون کا اجراء منظور ہو جائے گا۔ امیدوار ہوں کہ اجراء قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تا کہ مسودہ اس قصیدے کا بھیج دوں۔ مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو، تو ہو، ورنہ بات آسان ہے۔

منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی ان کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو۔ میاں

---

(۱) منشی عبداللطیف (۲) حاتم علی بیگ مہر

باقر علی اور حسین علی تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علیٰ قدر مراتب بندگی، سلام، دعا کہتے ہیں۔

ہاں حضرت، اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں؟ میری طرف سے دعا کہہ کر ان کو کہیے گا کہ اخبار گزشتہ کے اوراق مع خط مہتمم مطبع "آفتاب عالمتاب"، حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپے کی ہنڈوی اور ان کے خط کا جواب روانہ کریں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجیے گا اور تاکید کر دیجیے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجیں۔

بھائی، مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ ہم، تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت، مکالمت ہو گئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا۔ غنیمت ہے کہ محصول آدھ آنہ ہے، ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ جو باتیں جواب طلب ہیں ان کا جواب طلب ہے۔

چہار شنبہ ۲۲- ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

منشی عبداللطیف صاحب

صاحب،

آگے تمہارا ایک خط، پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا۔ بعد اس کے کل ایک خط اور آیا۔ ریڈ صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶- دسمبر کی ہے۔ ۷- کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں سے جانے والے ہیں اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ دو دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ کروں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ وہ صاحب مُہر جیسا لکھیں، مجھ کو اطلاع دینا۔ رہی تمہاری مُہر، اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ وہ جس طرح تم نے لکھا ہے، بن جائے گی۔ مگر بھائی، ۱۸۵۸ء میں کے

دن باقی رہے ہیں۔ آج ۶- دسمبر کی ہے۔ ۲۴، ۲۵ دن باقی رہے ہیں۔ ۱۸۵۹ء جنوری مہینے میں خدا چاہے تو کھد جائے گی۔ تم میرے بجائے فرزند ہو، میرے بھتیجے ہو، جو تمہارا کام ہو، بے تکلف کہو۔ شرم کیا اور تکلف کیوں؟ یہ مہر کا کھدنا کونسا کام ہے؟ میرزا حاتم علی صاحب ملیں تو میرا سلام کہنا اور میرزا تفتہ کو خط لکھو تو میری سفارش لکھنا ۔ وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔

۶- دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

شیخ لطیف احمد بلگرامی

شیخ لطیف احمد لطیف بلگرام کے مولوی زادوں میں سے تھے اور ان کا سلسلہ نسب حضرت عثمان رض سے ملتا تھا ، اس لیے عثمانی کہلاتے تھے۔ عربی کی تحصیل لکھنؤ میں کی تھی ۔ فن مناظرہ سے بڑی دلچسپی تھی ۔ مولانا فضل الرحمان مرحوم گنج مرادآبادی کے مرید تھے ۔ ملازمت کے سلسلے میں کان پور بھی خاصی مدت تک مقیم رہے ۔ میرزا کے شاگرد تھے :

میاں لطیف ،

مزاج شریف ، غالب گوشہ نشین کی دعا ، تمہارا مسودہ آیا ۔ کمتر جگہ اصلاح کی پائی ۔ روش تحریر بھی مجھے پسند آئی ، دل خوش ہوا لیکن :

هشدار کہ نتواں بہ یک آهنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

سید ابن حسن خاں وھاں موجود ھیں ۔ میں یہاں محض بے وجود ۔ وہ تو میرے نزدیک علامہ ھیں ، جوان ھیں ۔ میں ان کے نزدیک ایک مشت استخواں ھوں ، وہ بھی بوسیدہ و ناتواں ۔

اگر خاں صاحب وارستہ مزاج ھیں تو سید غلام حسین قدر سہی ۔ وہ تو میرے نزدیک قدرداں بھی ھیں ، اور شاگرد بھی ھیں ۔ اگر کچھ بھی اپنے دل و دماغ میں قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلا دریغ نہ کرتا ۔ کیا

لکھوں اور کیا کہوں؟ نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔ ہات میں رعشہ ہے اور کان سماعت سے عاری ہے :

عتاب عروساں در آمد بجوش
صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مر جائے، غالب نیم مردہ و نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی   موت آتی ہے، پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی   اب کسی بات پر نہیں آتی

اگر جوان ہوتا اور بیمار تو آپ سے دعائے خیریت چاہتا، اسی (۸۰) برس کا بڈھا ہونے آیا ہوں۔ دعائے مغفرت کا امید وار ہوں۔ شراب کم بخت اب بھی چھوٹتی نہیں، نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں :

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد   پر طبیعت ادھر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب   شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

نجات کا طالب، غالب (۱)

(۱) اس خط کی تاریخ کا معاملہ پیچیدہ ہے، ایک مقام پر مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم کی وفات کا ذکر ہے۔ ان کا انتقال ۱۲- صفر ۱۲۷۸ھ/۱۹- اگست ۱۸۶۱ء کو ہوا۔ اس وقت میرزا غالب کی عمر قریباً چھیاسٹھ برس کی تھی، بلاشبہ وہ کمزور ہو گئے تھے لیکن اتنے نہیں، جتنے اس خط سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اغلب ہے یہ خط بعد کا ہو اور مولانا فضل حق خیرآبادی کا ذکر شاید اس وجہ سے کیا گیا کہ مکتوب الیہ نے اپنے خط میں ان کے متعلق کچھ لکھا ہو۔ بہ ہر حال یہ میرزا کی وفات سے تھوڑا عرصہ پیشتر کا معلوم ہوتا ہے۔

صوفی منیری

سید ابو محمد جلیل الدین حسین عرف شاہ فرزند علی منیری، ولادت ۹- شوال ۱۲۵۳ھ/۸ - جنوری ۱۸۳۸ء اور وفات ۶-ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ / ۲۰- فروری ۱۹۰۱ء (تلامذہ غالب ص ۱۹۶ اور ''نادر خطوط غالب،، ص ۱۸) صوفی کا ددھیالی رشتہ سید علیم الدین دانشمند نیشاپوری سے اور ننھیالی رشتہ مخدوم شاہ خلیل الدین برادر مخدوم الملک شاہ شرف الدین بہاری سے ملتا تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ میرزا غالب سے تلمذ تھا۔ اردو اور فارسی کے دیوان کے علاوہ تین اردو مثنویاں — لوائے الحمد، کشش عشق، روش عشق — ان سے یادگار ھیں۔ نثر میں شاہ شرف الدین کے سوانح حیات ''وسیلہ الشرف،، کے نام سے مرتب کیے۔ مالک رام صاحب نے تصوف میں ''راحت روح،، نام ایک کتاب کا ذکر کیا ھے۔ ان کے نام صرف ایک ھی خط ملا ھے:

زبدۂ اولاد حضرت خیرالانام، قبلہ و کعبۂ مجموع اھل اسلام، حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ھو۔ اپنے ابوالابا (۱) کے بوڑھے غلام کو آپ نے کیوں اتنا شرمایا کہ وہ شرم سے پانی پانی ھوا جاتا ھے، کافی تھا ان اشعار کا بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینا۔ میری مدح، آپ کے غلاموں کو موجب ننگ و عار

---

(۱) حضرت علی رض۔

اور میرے آبا و اجداد کو ذریعۂ عز و افتخار(۱) - حکم بجا لایا اور ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی کہیں مصرع کی جگہ مطلع لکھا گیا - بے غائلہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے (۲) - لفظ عمدہ ، ترکیب اچھی ، معنی بلند -

فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے - اکہتر برس کی عمر ، پانو سے اپاھج ، کانوں سے بہرا - دن رات پڑا رہتا ہوں - دو سطریں لکھیں ، بدن تھرایا ، حرف سوجھنے سے رہا - قوتیں ساقط ، حواس مختل ، غذا قلیل ، بلکہ اقل :

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

ایام شباب میں کہ بحر طبع روانی پر تھا - جی میں آیا کہ غزوات صاحب ذوالفقار (۳) لکھنا چاہیے - حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنّی نامہ لکھا گیا - داستان طرازی کی توفیق نہ پائی - ناچار اس آٹھ نو سو شعر کو چھپوا لیا (۴) - اغلاط ''برہان قاطع،، از اروے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا - ''قاطع برہان،، اس کا اسم اور ''درفش کاویانی،، اس کا علم - ان دونوں رسالۂ مطبوع کو ایک پارسل میں

---

(۱) ظاہر ہے کہ مکتوب الیہ نے کلام بغرض اصلاح بھیجتے وقت میرزا کے کمالات شعر و سخن کے متعلق اپنے تاثرات بیان کیے ہوں گے -

(۲) تکلف اور خوشامد کی آلایش سے بالکل پاک رہ کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کا کلام واقعی معجز نظام ہے -

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم - میرزا خود لکھتے ہیں :

به اقبال ایماں و نیروے دیں
سخن رانم از سیدالمرسلین

(۴) یہ مثنوی ''ابر گہر بار،، کی طرف اشارہ ہے - جو ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۴ء میں اکمل المطابع سے چھپی تھی اور اس کے ساتھ دو قصیدے نیز میرزا کا کچھ اور کلام بھی چھپا تھا ، جو کلیات کے بعد کہا گیا -

اور حضرات کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اس پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوا دیا اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روز ورودیا دوسرے دن لکھی جائے(۱) -

(۱) خط میں میرزا نے اپنی عمر اکھتر برس کی بتائی ہے لہذا یہ ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کا ہونا چاہیے -

محمد سخاوت مدھوش انصاری

وطن بدایوں ، لیکن مدھوش کی عمر کا زیادہ حصہ شاہ جہان پور میں گزرا - پہلے وکیل عدالت دیوانی تھے ، پھر آنریری مجسٹریٹ اور نائب صدر بلدیہ بھی رہے - خان بہادر کا خطاب پایا - اپنے عہد کی قومی تحریکات میں سر گرمی سے حصہ لیا - کانگرس کے پہلے اجلاس (۱۸۸۵ء) میں شریک ہوئے تھے - تقریر میں بار بار ''ہم'' کہتے تھے - ایک صاحب نے پوچھا ''ہم'' سے کیا مراد ہے فرمایا ''ہ'' سے ہندو اور ''م'' سے مسلمان - تصانیف میں سے ایک رسالہ ''تعلیم مسلمانان'' اور ''رقعات مدھوش'' ہیں - تذکرۃ الواصلین پر تقریظ بھی لکھی تھی - میرزا غالب کے شاگرد تھے -

---

مشفقی و مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ -

سبحان اللہ آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں ؟ اپنے کو نفرین کروں ، اگر شتاب نہ لکھوں - اس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمہارا خط دیا ، ادھر پڑھا ، ادھر جواب لکھنے کا قصد کیا -

میں ایک شخص گوشہ نشیں ، فلک زدہ ، اندوہگیں ، نہ اہل دنیا ، نہ اہل دیں - مجھ جیسے نکمے آدمی کا جو مشتاق ہو ، اس کے خط کا جواب لکھنا کیوں مجھ پر شاق ہو ؟ ظاہرا تم خود مجمع حسن اخلاق ہو ، ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو ؟ ہاں ایک بری بھلی شاعری ،

اس کا حال یہ کہ آگے جو کچھ کہا، سو کہا، اب شاعر بھی نہیں رہا، بہ ہر حال تمہاری فقیر نوازی کا شکر گزار ہوں اور طالب دیدار ہوں۔

چاشتگاہ دو شنبہ ۴- فروری ۱۸۶۱ء (۱)

نجات کا طالب، غالب

---

(۱) یہ خط شاہ جہان پور کے رسالے "سراج سخن"، میں شائع ہوا تھ (فروری ۱۸۹۴ء) - اردو نثر نگاری کے ابتدائی دور میں مقفیٰ عبارت لکھنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ میرزا غالب نے اس قافیہ بندی کو ختم کیا، لیکن جب وہ مقفیٰ عبارت لکھتے تھے تو دوسرے نثر نگاروں کے برعکس بالکل بے تکلف لکھتے تھے، اس کی ایک مثال یہ مکتوب بھی ہے۔

مولوی عزیزالدین

محمد عزیزالدین عزیز ، بدایونی ثم دھلوی ، بن مولوی اساس الدین فرشوری - میرزا کے شاگرد - پہلے عزیز تخلص کرتے تھے ! پھر صادق اختیار کر لیا - انہوں نے دھلی کو وطن ثانی بنا لیا تھا - اور ۱۶- جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ/۲۵- نومبر ۱۸۹۳ء کو وفات پائی - عزیز و صادق کے بھائی محمد سعیدالدین متخلص بہ سعید و کامل بھی شعر کہتے تھے اور زین العابدین خاں عارف کے شاگرد تھے - محمد عزیزالدین کے بیٹے ابوالحسن سر سید مرحوم کے سکرٹری رھے - حیدرآباد میں جج بھی ھو گئے تھے (تلامذۂ غالب ص ۱۹۲ - ۱۹۳، ''سخن شعرا،، ص ۲۷۴ : خمخانہ جاوید جلد پنجم - ۲۵۰-۲۵۱) -

صاحب ،

کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ھو - دلی کو ویسا ھی آباد جانتے ھو ، جیسی آگے تھی ؟ قاسم جان کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ھے - ھاں اگر آبادی ھے

تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں (۱) کی حویلی ہسپتال ہے۔ اور ضیاءالدین خاں (۲) کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب (۳) کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔

ضیاءالدین خاں اور ان کے بھائی (۴) مع قبائل و عشائر لوھارو ہیں۔ لال کنویں کے محلے میں خاک اڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔

تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی، اس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا۔ بیگم لاھور گئی ہوئی ہے اور لکھمی کی دکان پر کتے لوٹتے ہیں۔ مولوی صدرالدین خاں (۵) لاھور ہیں۔ ایزد بخش اور تراب علی۔ ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ مہر کر دی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں ساکن دریبہ، ان کی مہریں ہو گئیں۔ محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط از روے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل کا خط آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ اون سے میرا سلام نیاز کہیے اور خط کے نہ پہنچنے کی خبر پہنچائیے (۶)۔

/۱۸۵۸ء

---

(۱) نواب غلام حسین خاں مسرور۔ (۲) نیر و رخشاں۔

(۳) شیخ نصیرالدین عرف کالے صاحب۔ (۴) امین الدین احمد خاں۔

(۵) مفتی صدرالدین آزردہ۔

(۶) ظاہر ہے کہ یہ خط بریلی سے بھیجا گیا، کیونکہ قاضی عبدالجمیل بریلوی کے خط کا ذکر ہے، محمد عزیزالدین سے قاضی صاحب ہی نے ذکر کیا ہو گا کہ میرزا کے نام خط بھیجا گیا ہے اور اس کا جواب نہیں آیا مضمون خط سے واضح ہوتا ہے کہ محمد عزیزالدین نے اپنے مکان کے متعلق سرکار میں ایک محضر بھیجنے کے لیے بعض اکابر دھلی کی مہریں بغرض تصدیق ثبت کرانے کی تکلیف دی ہوگی۔

غلام بسم‌اللہ

غلام بسم‌اللہ بسمل میرٹھی، ثم بریلوی۔ اصل نام شاکر علی تھا، "غلام بسم‌اللہ"، تاریخی نام تھا، جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے یعنی ۱۲۳۹ھ - ۱۸۲۴ء۔ بسمل کے والد منشی سرفراز علی قوم کمبوہ، کمسریٹ کے محکمے میں سررشتہ دار رہے۔ غالباً ملازمت ہی کے تعلق میں میرٹھ مقیم ہو گئے۔ بسمل کی پیدائش میرٹھ ہی میں ہوئی۔ پھر وہ مارہرہ اور بانس بریلی میں تعلیم پا کر ناظر عدالت مقرر ہوئے۔ پنشن کے بعد بریلی چلے گئے۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء سال وفات ہے۔ شعر گوئی میں میرزا کے شاگرد تھے۔ (خمخانہ جاوید جلد اول ص ۵۹۰-۵۹۱، تلامذۂ غالب ص ۴۸-۴۹)۔

منشی صاحب، شفیق مکرم مظہر لطف و کرم منشی غلام بسم‌اللہ صاحب سلمہ‌اللہ تعالیٰ

صاحب، یہ نیا ڈھنگ ہے شکایت کا۔ اگر تمہارے کلام میں اصلاح کم ہوتی ہے تو وہ کلام کی خوبی ہے، اوس کو استاد کی سہل انگاری کیوں سمجھو؟ آپ کے منصف (۱) صاحب کی غزل میں (بھی) اصلاح

---

(۱) منصف صاحب سے مراد مفتی محمد سلطان خاں صدالصدور متخلص بہ احسن ہیں۔ وہ بھی میرزا کے شاگرد تھے۔ بسمل نے ان سے عربی پڑھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بریلی میں اقامت کے بعد بسمل اپنی اور احسن کی غزلیں بغرض اصلاح ایک خط میں میرزا کو بھیجا کرتے تھے۔

کم ہوتی ہے۔ پس اون کو چاہیے کہ خوش ہوں، نہ کہ مجھ سے گلہ کریں ؟

سنیئے حضرت! خط میں تداخل(۱) برا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا تو مجھ سے پچاس روپے لیے جاویں گے یا قید کا حکم ہوگا۔ آیندہ آپ خط جداگانہ نہ بھیجا کیجیے۔ اس باب میں تاکید جانیے۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہ ہوگا۔

غالب

قاضی نورالدین حسین خاں

قاضی صاحب نے شاعروں کا ایک تذکرہ "مخزن الشعرا" کے نام سے لکھا تھا، اس کی تکمیل کے ایک عرصہ بعد مصنف نے ایک نسخہ بہ غرض اصلاح میرزا غالب کے پاس بھیجا تھا۔ مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

مخدوم و مکرم قاضی محمد نورالدین حسین خان بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزا مجھ کو دیے۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کامل صاحب کی جو نثر آغاز میں ہے اس کو بھی نہیں دیکھا، صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اس کو موافق حکم کے بعض جا درست کر دیا۔ بعض مواقع پر منشاے اصلاح لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں۔ یہ بہ فحوٰے "الامر فوق الادب"، حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا، آفریں۔

---

(۱) اپنے خط میں دوسرے کا خط یا دوسرے کے خط میں اپنا خط رکھ کر بھیجنا قواعد ڈاک کے رو سے ممنوع تھا، جس کی سزا کا ذکر میرزا نے خود کر دیا ہے۔ دونوں کے کلام میں اصلاح کی گنجایش کم تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کا کلام بہتر ہو گیا تھا، مگر دونوں کو بلا وجہ احساس ہوا کہ میرزا اصلاح پر زیادہ توجہ نہیں کرتے حالانکہ میرزا کے نزدیک یہ گلہ کرنے کی بجاے خوش ہونے کی بات تھی۔

بخدا خوب نثر لکھی ہے اللہ سبحانہ آپ کو مدارج اعلیٰ کو پہنچاوے اور سلامت رکھے۔

مرقومہ دو شنبہ جولائی ۱۸۶۲ء   خوشنودی احباب کا طالب

غالب

میر ولایت علی

جناب میر ولایت علی صاحب مہتمم مطبع عظیم المطابع عظیم آباد

واسطے اپنے جد کے میری تقصیر معاف کیجیے۔ در حقیقت میرا گناہ نہیں :

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

ستر برس کی عمر، حافظہ معدوم، نسیان مستولی۔ کل آپ کو بہ طلب ترجمۂ بوستان خیال مترجمہ صفیر بلگرامی خط لکھا۔ لفافہ کرتے وقت ٹکٹ لپیٹنے بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا، ٹکٹ بکس میں پائے۔ ذلیل و خوار، خجل و شرمسار۔ آج لفافہ جدید ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ خدا کرے کتاب وہاں سے پہلے روانہ ہو اور یہ لفافہ وہاں بعد پہنچے (۱)۔

نجات کا طالب، غالب

۶۔ اپریل ۱۸۶۵ء

---

(۱) یہ خط علی گڑھ میگزین کے ''غالب نمبر'' میں چھپا تھا۔ میرزا غالب نے ''اودھ اخبار'' میں ترجمہ کا اشتہار دیکھ کر میر ولایت علی مہتمم مطبع عظیم المطابع کو ارسال کتاب کے لیے لکھا تھا۔ اصل خط میں ٹکٹ رکھنا بھول گئے اور یہ خط ٹکٹ ارسال کرتے وقت معذرت میں تحریر کیا۔ اصل خط اب تک نہیں مل سکا۔

حکیم غلام مرتضیٰ خاں

یہ دھلی کے مشہور خاندان اطبا یعنی شریف خانیوں میں سے تھے سلسلہ نسب یوں تھا: غلام مرتضیٰ خاں بن حکیم صادق علی خاں بن حکیم شریف خاں۔ مہاراجہ پٹیالہ کے ھاں ملازم تھے، جیسا کہ ان کے نام کے خط سے واضح ہے۔

خاں صاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب

درد مند کا سلام، خوب یاد کیجیے کہ میں نے کبھی کسی امر میں آپ کو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک طرح کی عنایت کا سائل ھوں۔ حامل ھذالمکتوب پنڈت جے نرائن میرا خط لے کر حاضر ھوتے ھیں۔ ان کے بزرگ، نواب احمد بخش خاں کی سرکار میں مراتب عالیہ اور عہدہ ھاے جلیلہ رکھتے تھے۔ اب موقع یہ آیا کہ یہ جستجوے نوکری میں پٹیالہ آتے ھیں۔ آپ کو میرے سر کی قسم، جہاں تک ھو سکے، سعی کر کے ان کو موافق ان کی عزت کے کوئی منصب دلوادوگے تو میں یہ جانوں گا کہ تم نے مجھ کو نوکر رکھوا دیا ہے۔ بڑا احسان مند ھوں گا۔

۱۳- شوال ۱۲۸۱ھ — نجات کا طالب،

(مطابق ۱۱- مارچ ۱۸۶۵ء) — غالب

حکیم محب علی نیر کا کوروی

حکیم صاحب کا سلسلہ نسب امام محمد بن الحنفیہ کے ذریعے سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ھے۔ ان کے پردادا شیخ محبوب عالم اٹاوہ کے چکلہ دار تھے۔ دادا شیخ عاشق علی گلاؤٹھی (ضلع میرٹھ) میں تھانیدار رھے۔ والد شیخ مشتاق علی اپنے عہد کے مشہور طبیب تھے۔ حکیم محب علی ۲۹- ربیع الاول ۱۲۵۲ھ ۲۳- جون ۱۸۳۸ء کو پیدا ھوے۔ عربی، فارسی اور طب کی تعلیم والد سے پائی۔ میرٹھ میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے دولت کدے سے قریب ھی رھتے تھے۔ یہیں میرزا سے ملاقات ھوئی۔ پھر امین پورے چلے گئے، جہاں ان کے والد کا مطب تھا۔ محب علی وکالت بھی کرتے تھے اور طبابت بھی، امین پورے ھی میں ۱۸- جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ/ ۳۱- اگست ۱۹۰۴ء کو انتقال کیا۔

بندہ پرور،

آپ کی تحریر سے مستنبط ھوتا ھے۔ کہ آپ مجھ سے میرٹھ میں (ملے تھے) مگر میں ھر چند یاد کرتا ھوں، مجھ کو وہ صحبت اور آپ کی ملاقات کی صورت یاد نہیں آتی۔ بہ ھر حال ارسال مسودات کی خواھش مقبول اور حک و اصلاح کی خدمت بجا لانی بہ دل منظور۔ تمہارے ابوالابا کا کہ وہ ابوالائمہ بھی ھیں، غلام ھوں علیہ الصلوۃ والسلام۔

"ماہ نیم ماہ،، مانگتے ھو، یہ نہیں جانتے کہ وہ آسماں ھی ٹوٹ پڑا، جس پر "ماہ نیم ماہ،، طلوع کرتا۔

بات یہ ہے کہ جس طرح مسافر سفر میں آدھی منزل طے کر کے دم لیتا ہے ، میں نے آدم سے ہمایوں تک کا حال لکھ کر دم لیا تھا۔ قصد تھا کہ اب جلال الدین اکبر کی سطنت کا حال لکھوں گا ، ناگاہ یہ فتنہ عظیم حادث ہوا اور اکبر و ہمایوں کے خاندان کا نام و نشان جاتا رہا۔ عرفت ابی بفسخ العزائم - ۱۲

''پنج آہنگ''، ''مہر نیمروز''، ''دستنبو''، ''قاطع برہان''، ''دیوان اردو''، یہ پانچ رسالے البتہ کتب میں شمار کیے جائیں (۱)- ''باد مخالف''، کئی ورق کی ایک مثنوی ہے۔ منجملہ ان مثنویوں کے جو ''کلیات نظم فارسی''، میں مندرج ہیں ، بجائے خود کتاب نہیں ہے۔

ہاں یہ تو فرمائیے کہ ''قاطع برہان''، آپ کے ہات کہاں سے آئی ؟ شاید نواب مصطفیٰ خاں صاحب سے لی ہوگی۔ ماخذ(۲) ''قاطع برہان''، ضرور لکھیے - ۱۲

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ ، ولے بد تر از گمان تو نیست

ہے ہے ! تم اب تک یہ جانتے ہو کہ غالب شعر کہتا ہے یا کہ سکتا ہے؟ ایک پانو رکاب میں ، ایک ہات باگ پر۔ اس صورت میں کیا کہوں گا اور کیا لکھوں گا؟

اخ مکرم مصطفیٰ خاں گواہ ہیں کہ میں اب (شعر) نہیں کہتا ، اللہ اللہ ، لا موجود الااللہ - ۱۲

چہار شنبہ ۱۸- جنوری ہنگام نیمروز(۳) غالب۱۲

---

(۱) کلیات نظم فارسی غالباً سہو سے نظر انداز ہو گیا۔ حالانکہ آگے اس کا ذکر آ گیا ہے۔

(۲) یعنی جہاں سے کتاب لی۔

(۳) صرف دن اور تاریخ درج ہے ، سال درج نہیں ، میرے اندازے کے مطابق سال ۱۸۶۴ء ہونا چاہیے۔

محمد حسین خاں

یہ صاحب مطبع احمدی واقع شاہدرہ (دہلی) کے مالک تھے۔ میرزا غالب نے اردو دیوان کا ایک نسخہ منشی شیو نرائن آرام مالک مطبع مفید خلائق آگرہ کے پاس بغرض طباعت بھیج دیا۔ وہاں طباعت میں تاخیر ہوئی تو محمد حسین خاں کو دیوان چھاپنے کی اجازت دے دی جو ۲۰- محرم ۱۲۷۸ھ / ۲۹- جولائی ۱۸۶۱ء کو چھپا، لیکن یہ بہت غلط تھا۔ میرزا نے خود ایک نسخہ صحیح کر کے محمد حسین خاں کے پاس بھیج دیا کہ اب دیوان اسی کے مطابق چھاپا جائے اور اس کے ساتھ غلط نامے کی ضرورت نہیں۔ محمد حسین خاں نے صحیح کیا ہوا نسخہ محمد عبدالرحمان خاں مہتمم مطبع نظامی کان پور کے پاس بھیج دیا۔ جہاں سے دیوان ذی حجہ ۱۲۷۸ھ۔ جون ۱۸۶۲ء میں چھپا۔

جناب محمد حسین خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں، میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اس میں درج کر دیا ہے(۱)، گویا اب غلط نامہ بیکار محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت کیا، میرا بیان کیا، میر قمرالدین کا اظہار کیا اب

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ دیوان کے ساتھ جو غلط نامہ لگایا گیا تھا، وہ اب اصل میں شامل کر لیا گیا ہے۔ گویا اس کے مطابق متن کی تصحیح ہو گئی ہے، لہذا غلط نامہ غیر ضروری ہے۔

کچھ ضرور نہیں (۱) - کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی - یہ مجلد گویا مسودہ ہے ، اسی کو بھیج دیجیے (۲) -

غالب ۱۲

---

(۱) گویا خاتمۂ دیوان میں جو عبارت تھی ، نیز میرزا کا بیان اور میر قمرالدین مہتمم مطبع کا اظہار بھی غیر ضروری ہو گیا ، کیونکہ اب دیوان مطبع احمدی میں نہیں بلکہ دوسرے مطبع میں چھپے گا -

(۲) ان الفاظ سے واضح ہے کہ میرزا کی شکایت پر غالباً محمد حسین خاں نے قبول کر لیا تھا کہ خود میرزا دیوان کا ایک صحیح نسخہ تیار کر دیں - اور اسے دوسرے چھاپے خانے میں چھپوا دیا جائے گا - اسی لیے میرزا کہتے ہیں کہ میرے صحیح کیے ہوئے نسخے کو مسودہ قرار دے کر مجوزہ مطبع میں بھجوا دیجیے -

تفضل حسین خاں

کیوں صاحب !

چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے، میرا کلام ، خرید آٹھ دس روپے کی۔ سو وہ بھی میں نہیں کہتا مجھے دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دو۔ میں اس کو دیکھ لوں، پھر تم کو واپس بھیج دوں گا۔ اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بہ دل مطلوب ہے۔

وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دے دو۔ باللہ واللہ، اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے، نقل کر کے تم کو بھیج دوں گا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم نہ مانو اور کتاب حامل رقعہ کو نہ دو تو تم کو آفریں۔

غالب

میر بندہ علی خاں

یہ میر بندہ علی عرف میرزا میر صاحب غالباً راجا شیو دھیان سنگھ والی الور کے مصاحب یا سکرٹری تھے۔

میر صاحب شفیق و مکرم و معظم ، میر بندہ علی خاں ، عرف میرزا میر صاحب کو غالب بے برگ و نوا کا سلام پہنچے۔ آپ کا پیام روح افزا پہنچا۔ بلکہ وہ عبارت سراسر بشارت میں نے خود پڑھ لی۔ جناب سری راؤ راجہ (۱) صاحب نے جو میرے حق میں فرمایا، سو بجا ہے۔ پانچ برس کی عمر میری تھی کہ میرا باپ عبداللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہ مہاراجہ بختاور سنگھ بہادر کی رفاقت میں مارا گیا۔ سرکار سے میرے باپ کی تنخواہ میرے نام پر جاری ہوئی اور ایک گاؤں جس کا تالڑا نام ہے، مجھ کو برائے دوام(۲) ملا۔ آپ یوں سمجھیے کہ اودھر دودھ پینا چھوڑا اودھر راج کی روٹی کھائی۔ چار برس کے بعد نصراللہ بیگ خاں میرا چچا مر گیا۔ نو برس کی عمر میں سرکار انگریزی سے بہ عوض چچا کی جاگیر

---

(۱) راجا شیو دھیان سنگھ والی الور۔

(۲) میرزا غالب نے مختلف اصحاب کو جو حالات لکھے ہیں ، ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱ - حیدرآباد میں ملازمت کا سلسلہ ختم ہوا تو ان کے والد عبداللہ بیگ خاں نے الور کا قصد کیا۔

۲ - راؤ بختاور سنگھ کی ملازمت کی ۔ وہاں ایک سرکش زمیندار کے خلاف جنگ میں گولی لگنے سے عبداللہ بیگ خاں مارا گیا اور راج گڑھ میں دفن ہوا۔

بقیہ اگلے صفحہ پر

کے نقدی مقرر ہوئی - اب تک اسی پر معاش کا مدار ہے - عمر بھر نوکری نہ کی - نوکری کی تو بہادر شاہ نے نجم الدولہ دبیرالملک نظام جنگ خطاب پایا - کچھ دنوں بادشاہ کا مصاحب رہا ، پھر استاد کہلایا - اب ایک کم ستر برس کی عمر ہے - کانوں سے بہرا ہو گیا ہوں ، بغیر لاٹھی کے چل نہیں سکتا - تکیہ یا دیوار کے آسرے بغیر بیٹھ نہیں سکتا - دنیا دار نہیں ، فقیر ہوں - بہت سی عزت اور تھوڑی سی دولت چاہتا ہوں - حضور (۱) کو خدا سلامت رکھے ، وہ مجھے عزت بھی دیں گے اور دولت بھی بخشیں گے - قطع نظر اس سے حضور کا جمال دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے -

میں نے تو مسند نشینی کی تہنیت اور تاریخ کا قطعہ مع عرضداشت کے بھیجا - حضور نے کیوں میری عرضی کا جواب نہ لکھا اور کیوں مجھ کو نہ بلا بھیجا ؟ راج کا قدیم متوسل انگریز کا پنسن دار اور

---

۳ - بختاور سنگھ رئیس الور نے دو گاؤں سیر حاصل اور کسی قدر روزینہ عبداللہ بیگ خاں کے دونوں بیٹوں (میرزا غالب اور میرزا یوسف) کے لیے مقرر کر دیا -

زیر غور خط میں میرزا نے ایک گاؤں کا نام ''تالڑا،، لکھا ہے ، جو میرزا کو برائے دوام ملا تھا - یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دو کے بجاے صرف ایک کا نام کیوں لکھا ؟ نیز یہ گاؤں (دو یا ایک) کب اور کس وجہ سے ضبط ہوئے ؟ غالباً کے چچا نصراللہ بیگ کے عہد امارت میں الور کے انعام کی ضرورت نہ رہی ، کیونکہ میرزا نصراللہ بیگ خاں کو ایک ہزار روپے ماہانہ ذات کے ملتے تھے - نیز ضلع متھرا کے دو پرگنے سونک اور سونسا مدت العمر کے لیے مل گئے تھے جن کی آمدنی لاکھ ، ڈیڑھ کے قریب تھی -

(۱) راجا شیو دھیان سنگھ والی الور پانچ برس تک اختیارات سے محروم رہے - ۱۳ - دسمبر ۱۸۶۳ء کو ان کے اختیارات بحال ہوئے تو انہوں نے انگریز حکام سے ملنے کے لیے کلکتہ کا سفر اختیار کیا تھا - اسی سفر سے معاودت کا ذکر میرزا نے کیا ہے - ''بہ فتح و نصرت،، معاودت کا مطلب یہ ہے کہ جو مقصد اس سفر کا محرک ہوا ، اس میں کامیاب و بامراد لوٹیں گے -

خیر خواہ بعد غدر کے پنسن جاری، گورنمنٹ سے اور حکام دہلی سے ملاقاتیں بدستور، خطوط کی آمد و رفت جانبین سے بدستور - اب بہ فتح و نصرت سفر سے معاودت فرمائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا (۲) اور وہ سب کواغذ نظر سے گزرانوں گا - آپ سے خاص اس مہربانی کا امید وار ہوں کہ یہ خط اپنے نام کا بہ احتیاط اپنے پاس رہنے دیجیے حضور تشریف لائیں تو یہ خط حضور کی نظر سے گزارئیے - میں تو حضور کے تشریف لانے کی خبر سن کر فوراً الور روانہ ہوں گا - ان شاء اللہ العلی العظیم -

۸- شعبان ۱۲۸۰ھ (۱۸- جنوری ۱۸۶۴ء) راقم : اسداللہ خاں

مہاراجہ سردار سنگھ والی بیکانیر

سردار سنگھ (پسر رتن سنگھ، پسر صورت سنگھ، پسر گج سنگھ) ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۸۵۲ء میں مسند نشین ہوا۔ بیس سال کی حکومت کے بعد ۱۴- مئی ۱۸۷۲ء کو وفات پائی۔ بعض کے نزدیک فیاض اور بعض کے نزدیک مسرف تھا۔ اپنے کارکنوں کو بے وفا اور خود غرض پا کر انگریزی علاقے سے بھی قابل کارکن بلائے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے مشورے کے مطابق ایک انتظامی پنچایت بھی بنائی لیکن، خود اس کی مداخلت کے باعث انتظامی حالت ابتر ہوتی گئی۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا جو کنیز کے بطن سے تھا۔ اس لیے قواعدریاست کے مطابق مسند نشیں نہیں ہو سکتا تھا، لہذا اس کے پر دادا گج سنگھ کی اولاد میں سے ڈونگر سنگھ کو مہاراجا بنایا گیا۔

میرزا غالب کے مکتوب سے ظاہر ہے کہ راج کی طرف سے انہیں ایک عرضداشت کا مسودہ اور سکے کا نقشہ بنانے کی فرمایش کی گئی تھی۔ عرضداشت سرکار انگریزی میں بھیجنی منظور تھی۔ میرزا نے دونوں فرمایشیں پوری کر دیں اور ان کے ساتھ یہ مکتوب بھیجا۔

به حضور و افسرالسرور، جناب سری مہاراجا صاحب والا مناقب، عالی شان، قلزم فیض و احسان دام اقباله و زاد افضاله، لوازم نیاز و تسلیم از روے مودت و ارادت بجا مے آرد، مطالب و مقاصد را به زبان اردو عوضه مے دارد۔

یہ گوشہ نشیں سرکار فیض آثار انگریزی کا بہ عوض جاگیر پنسن دار اور گورنمنٹ کے دربار میں سات پارچے اور تین رقم خلعت پانے والا اور حضرت قدر قدرت ملکہ معظمۂ دوراں کا مداح اور بقلم وزرا ے شاھنشاھی سارٹی فکٹ خوشنودی کا پائے ھوے ھے۔ دریں ولا منشی کشوری لال صاحب نے کہ وہ میرے دوست اور حضور کے خیر خواہ ھیں ، مجھ پر مسودہ عرضداشت اور سکہ حضور کی فرمایش کی ۔ میں حضور والا کی خدمت بجا لانے کو اپنا فخر و سعادت سمجھتا ھوں اور عرضداشت کا مسودہ اس نیاز نامے میں ملفوف بھیج کر عرض کرتا ھوں کہ اگر یہ مسودہ پسند نہ آئے تو یہ کاغذ مجھے واپس مل جائے اور اگر اسی مسودے کے موافق عرضداشت لکھنی منظور ھو تو میرا بھیجا ھوا یہ مسودہ کہ بہ مہر و دستخط میرے ھے، دفتر میں رھے اور حرف بہ حرف مطابق اس کے عرضداشت لکھی جائے۔ میرے لکھے ھوئے فقروں میں اور فقرے داخل نہ کیے جائیں اور کوئی لفظ بدلا نہ جائے (۱) ۔

اسم مبارک کے سکے کے باب میں عرض یہ ھے کہ اگر سنہ جلوس اس کو قرار دیجیے کہ ھندوستان میں بادشاھی عملداری ھوئی (۲) تو یہ بات نامناسب ھے۔ کیا وہ اس سے پہلے بادشاہ نہ تھیں ؟ اور اگر وہ سال منظور رکھیے جس سال وہ ولایت میں تخت پر بیٹھی ھیں (۳) تو یہ تکلف محض ھے۔

بہتر یہ ھے کہ دو سنہ لکھے جائیں : ایک از روے اطاعت ۱۸۰۹ء (۴) اور ایک موافق رواج ملک و ملت ۱۹۱۰ (۵) ۔

---

(۱) یہ اس لیے ضروری معلوم ھوا کہ الفاظ کا موقع و محل اور فقروں کا در و بست اصل صورت میں صرف یادداشت مرتب کرنے والے ھی پر واضح تھا۔ کوئی دوسرا شخص اس میں مداخلت کرتا تو عرضداشت کی ھیئت بدل جاتی ۔

(۲) یعنی جب ھندوستان براہ راست ملکہ وکٹوریا کی عملداری میں آیا۔

(۳) ۲۰- جون ۱۸۳۷ء-

(۴) جب ھندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں نے ملکہ کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔

(۵) بکرمی سنہ جس کا رواج بیکانیر میں تھا۔

سکہ، مبارک کے تین نقشے بھیجتا ہوں۔ دو مع تصویر اور اس میں سکہ منظوم یعنی ایک شعر جیسا کہ سلاطین ماضی کا ہر ملک میں دستور ہے اور ایک نثر۔ ان نقشوں میں سے جو نقشہ سری مہاراج کی پسند آئے، وہ حضور کو مبارک ہو۔

اب نیاز مند اس عنایت کا متوقع ہے کہ آیندہ میں راج کا متوسل اور سری مہاراج کا دولت خواہ اور دعا گو گنا جاؤں اور جو کام میرے لائق ہو، بے تکلف اس کے سر انجام کا مجھ کو حکم ہوا کرے۔ زیادہ حد ادب۔

بہارستان جاہ و جلال بے خزان و بہار دولت و اقبال جاودان باد۔

نگاشتہ پنجم جنوری ۱۸۵۹ ء۔ نیاز نامہ اسداللہ خاں غالب تخلص

نا معلوم

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بداست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

مجھے زندہ سمجھتے ہو، جو نثر فارسی کی فرمایش کرتے ہو؟ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ پنسن اگرچہ ملے گا، لیکن دیکھیے کب ملے گا؟ اس کے ملنے تک کیا ہوگا اور اس کے ملنے سے میرا کیا کام نکلے گا؟ قطع نظر ان امور سے، اس وجہ قلیل کو کس بستی میں بیٹھ کر کھاؤں گا؟ یہ شہر اب شہر نہیں، قہر ہے۔ قصیدے کے اشعار ابھی کیوں بھیجو؟ جب زیب‌انطباع پا چکے، تب ایک نمبر مجھ کو بھیج دینا۔

میں نے بعد توطیہ و تمہید آغاز مئی۔ ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگزشت لکھی ہے اور بہ حیثیت اقتضاے مقام، وقائع بھی اس میں درج کیے ہیں۔ شیو لزوم مالایلزم (۱) مرعی رکھا ہے، یعنی فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی بھی وہ فارسی قدیم کہ جس کا اب پارس کے بلاد میں نشان بھی نہیں، تا بہ ہندوستان چہ رسد؟ چالیس صفحے لکھ چکا ہوں۔ اتمام میں انتظار یہی ہے کہ پنسن کا مقدمہ طے ہو چکے۔ ملے یا جواب ملے اور میں بہ ہر حال کسی جگہ اقامت گزیں ہو لوں۔ ہاں اس کے وقوع

---

(۱) اپنے اوپر کوئی ایسی بات لازم کر لینا جو اصل میں لازم نہ ہو۔ فارسی بے آمیزش عربی لکھنی لازم نہ تھی، مگر میرزا نے دستنبو میں خالص فارسی لکھنی لازم قرار دے لی۔

تک جو کچھ قابل تحریر جوانب اجانب سے معلوم ہوگا، وہ ناچار لکھوں گا۔ یہاں کوئی چھاپے خانہ نہیں ہے۔ اگر اجازت دوگے تو بعد اختتام ان اوراق کو تمہارے پاس بھیج دوں گا تا کہ ہزار جلدیں طبع ہو کر قلمرو ہند میں پھیل جائیں۔

مگر صاحب دلے روزے بہ رحمت
کند در حق ایں مسکیں دعاے

شیر زمان خاں اپنے باپ کی رہائی کی فکر میں میرٹھ گئے ہیں، یہ کس واسطے کہ غریب یہاں کی حوالات میں سے تحقیقات کے لیے وہاں بھیجا گیا (۱)۔

یکشنبہ ۱۸- جولائی ۱۸۵۸ء غالب بے نوا

---

(۱) یہ خط صفدر صاحب میرزا پوری نے ''مرقع ادب،، میں رسالہ ''تصویر جذبات،، کے حوالے سے چھاپا تھا اور رسالہ مذکور کے ایڈیٹر سید احمد عزیز کیفی نے بتایا کہ یہ خط ان کے جد امجد کے نام تھا، لیکن جد امجد کا نام نہ بتایا۔

نا معلوم

دیگر از خویشتم خبر نبود، تکلف بر طرف
ایں قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

ہجوم غم سے فراغ نہیں، اگرچہ گوشہ نشین و خانماں خراب ہوں، لیکن بہ حسب رابطہ ازلی کثیرالاحباب ہوں۔ اطراف و جوانب سے خطوط آتے ہیں، ادھر سے بھی ان کے جواب لکھے جاتے ہیں۔ جو اشعار واسطے اصلاح کے آتے ہیں، بعد اصلاح بھیج دیے جاتے ہیں۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نہ میں نے انہیں، نہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ محبت دلی اور نسبت روحانی سہی، لیکن صاحبان بلاد دور دست کیا جانیں، میرا حال کیا ہے؟ ہفتاد و یک سالہ، عمر کی کتاب میں ہے۔ فصل آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس پندرہ برس سے ضعف سامعہ و قلت اشتہا میں مبتلا ہوا اور یہ دونوں علتیں روز افزوں رہیں۔ حس حافظہ کا بطلان علاوہ۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی، یہ امراض بڑھتے گئے۔ قصہ مختصر اب سامعہ کا حال یہ ہے کہ ایک تختہ کاغذ مع دوات قلم سامنے دھرا رہتا ہے، جو دوست آتے ہیں، پرسش مزاج کے سوا اور کچھ کہنا ہوتا ہے، وہ لکھ دیتے ہیں۔ میں ان کی تحریر کا جواب زبانی دیتا ہوں۔

غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح آٹھ دس بادام کا شیرہ، سہ پہر کو

سیر بھر گوشت کا پانی ، دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب (۱) -
نسیان حد سے گزر گیا - رعشہ ، دوران سر ، ضعف بصر ، یہ یاران نو آمدہ ہیں -
میر تقی مرحوم کا مطلع ورد زبان ہے :

مشہور ہیں عالم میں ، مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط بکس میں یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں - آگے لیٹے لیٹے خط لکھتا تھا - اب رعشہ یوں بھی نہیں لکھنے دیتا -

صاحب "اکمل الاخبار" اور صاحب "اشرف الاخبار" نے ، جو ہمیشہ مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں ، از روے مشاہدہ میرے کلام کی تصدیق کر کے اس اعتذار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے - کل دیگر صاحبان مطبع اور راقمان اخبار اگر اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے تو فقیر ان کا احسان مند ہوگا -

اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے کہ میرے احباب میرے حال سے اطلاع پائیں - اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہنچے تو تقاضا اور اگر نہ پہنچے تو شکایت نہ فرمائیں - میں دوستوں کی خدمت گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا ، اور خوشی خوشنودی سے کام کرتا رہا - جب بالکل نکما ہو گیا ، نہ حواس باقی رہے ، نہ طاقت ، پھر اب کیا کروں ؟ بقول خواجہ وزیر :

میں وفا کرتا ہوں لیکن دل وفا کرتا نہیں

---

(۱) میر حبیب اللہ ذکا حیدرآبادی کو اس دور کی غذا کے متعلق لکھتے ہیں :

صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر - دوپہر کو گوشت کا پانی - سر شام تلے ہوئے چار کباب ، سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر گلاب -

اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال ہو تو خالصاً للہ معاف فرمائیں۔ اگر جوان ہوتا تو احباب سے دعاے صحت کا طلبگار ہوتا۔ اب جو بوڑھا ہوں تو دعاے مغفرت کا خواہاں ہوں(۱)

غالب

(۱) یہ خط صفدر صاحب مرزا پوری نے رسالہ اردو میں چھپوا دیا تھا، معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کے نام تھا۔

نا معلوم

کسی صاحب نے جن کا نام معلوم نہ ہو سکا، دو فارسی شعروں کا مطلب پوچھا تھا، جس کے جواب میں میرزا نے یہ خط لکھا۔

شباہتے است مر آں را کہ برنیامدہ است
وگرنہ موے بہ باریکی میان تو نیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے استغفراللہ! بال کو کیا نسبت ہے کمر سے؟ کمر نظر نہیں آتی اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اگا اور نہیں نکلا، اس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ:

در صفحہ نبودم ہمۂ آنچہ در دل است
در بزم کمتر است گل و در چمن بسے است

پھول باغ سے آیا کرتے ہیں۔ باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں۔ مجلسوں میں دس دس پانچ پانچ ہوتے ہوں گے۔ شاعر کہتا ہے میرے مضامین پھول ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ انجمن ہے۔ مضامین اتنے ہی نہ تھے جو دیوان میں آگئے۔ چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں (۱)۔

---

(۱) اصل کے لیے دیکھیے "غالب کی نادر تحریریں مطبوعہ مکتبہ شاہدرہ دہلی ص ۱۱۱۔

نا معلوم

میاں ۔

وہ عرضی کا کاغذ افشاں کیا ہوا اور عرضی کا مسودہ میں نے جگل کشور کو پرسوں دے دیا تھا، تم نے بھی دیکھا ہوگا اور یقین ہے کہ وہ اپنے گھر میں اس کو لکھ رہے ہوں گے۔

اگر تمہارے پاس آجائیں تو ان کو کہہ دینا کہ جلدی کریں اور نقشہ تحریر کا کاغذ سادہ پر مجھ کو اور تم کو دکھلا لیں ۔ پھر اس کے موافق اور اس کو افشانی کاغذ پر لکھیں ۔ زیادہ زیادہ (۱) ۔

۱۸۵۴ء غالب

نا معلوم

بندہ پرور،

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔ اس عنایت کے شکر میں کیا خدمت بجا لاتا۔ بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں، اس کو پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجیے۔

''امید،، بہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اسے زحاف سمجھیں۔ پہلے دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع میں میم مشدد ہے (۲)۔

غالب

---

(۱) اس کے مکتوب الیہ کا پتا نہ چل سکا۔ قیاساً یہ دو شخصوں کے نام ہو سکتا ہے، ایک وہی عبدالحق، جس کے نام دو تحریریں پہلے گزر چکی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ امکان ہے کہ یہ تحریر حکیم غلام نجف خاں کے نام ہو، نقشہ مجھے اور تمہیں دکھلا لینے سے زیادہ توجہ حکیم صاحب ہی کی طرف جاتی ہے۔

(۲) یہ تحریر، غالب کی نادر تحریروں میں دیکھی۔ رباعی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ اردو میں تھی یا فارسی میں۔ ممکن ہے یہ رقعہ کسی ایسے شخص کو لکھا گیا ہو جس کا تعلق الور سے ہو اور ''راجہ،، سے اشارہ الور کے فرمانروا کی طرف ہو۔

نا معلوم

یہ سگ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے۔ قول المامور معذور کا پاس کرتا ہے اور حضرت انجم فیض (کذا) سے التماس کرتا ہے کہ میں استفقا کے سزاوار نہ تھا اور اب جو پوچھا گیا تو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ و معما سے بیگانہ ہوں۔

دیوان میں جو تاریخیں درج ہیں، بیشتر مادے اوروں کے اور قطع فقیر کے ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہ دیا ہوگا۔

ہاں، حضرت، مبدأ فیاض نے گنجینۂ معنی سے بہت کچھ حصہ مجھ کو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ و غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔ البتہ بہ زور قوت ابداع مادۂ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا:

ز سال واقعہ میرزا مسیتا بیگ مآت راست شمار آئمۂ امجاد
صحیفہ ہائے سماوی مبین از عشرات حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد (۱)

۱۲۴۸

---

(۱) قطع کا مطلب یہ ہے کہ سیکڑوں کا شمار ائمہ کرام کے مطابق ہے یعنی بارہ، دھوں کی گنتی کتب سماوی کے مطابق ہے یعنی چار (توریت، زبور، انجیل، قرآن) اور اکائیوں کا شمار طبقات بہشت کے مطابق یعنی آٹھ۔ لہذا ۱۲۴۸ھ بنے۔ (کلیات نظم فارسی ص ۴۳)۔

ایضاً

از بروج سپہر جوئی مآت عشرات از کواکب سیار(۱)

۱۲۷۰

یہ دونوں قطعے کلیات فارسی منطبع و مطبع اودھ اخبار لکھنئو میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلد مطبوع بلاد ہند میں، پہنچ گئے ہیں ۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خاں ذکا کے پاس ضرور ہوگا ۔ اوس میں مشاہدہ کیا جائے ۔

اب بہ اتباع حکم احباب ، جس فن کو نہیں جانتا ، اوس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینے کے سوا کہیں نہیں دیکھے ۔ اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا ، کہ ایک گروہ تائے دراز(۲) کے چار سو اور تائے مدور(۳) کے پانچ عدد گنتا ہے ، پس نہ جناب وجیہ الدین خاں بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد اور نہ حضرت سید میر محمد زکی اپنے دعوے میں تنہا ہیں ، جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل و تحریر ہیں ، کیا جواب دوں ، اور ان دلائل کو کن دلائل سے رد کروں (۴) ۔ امید ہے کہ حضرات طرفین بموجب مفہوم ''لا یکلف اللہ

---

(۱) یہ شعر تفضل حسین خاں کے قطعہ وفات میں سے ہے : یعنی سیکڑے آسمانی برجوں کے مطابق بارہ ہیں اور دھے سیاروں کے مطابق سات ۔ آگے فرماتے ہیں :

گفتم آحاد ، گفت شرمت باد از خداوند واحدالقہا

یعنی اکائیوں پر نظر ڈالی جائے تو خدائے واحد و قہار کی طرح ''ایک'' ۔ یوں ۱۲۷۱ھ نکل آئے (کلیات نظم فارسی ص ۳۵-۳۶) ۔

(۲) لمبی تے (ت) ۔

(۳) گول ت (ۃ) جسے بعض ''ہ'' کے برابر شمار کرتے ہیں ۔ یعنی لمبی کے عدد چار سو اور گول کے پانچ ۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ دونوں رایوں کے افراد موجود ہیں ۔ ان کی تعداد بھی کثیر ہے اور سب فاضل بھی ہیں ، ''تحریر'' بہ معنی زیرک و دانشمند ۔

نفساًالا وسمہا،، اس پیر ہفتاد و شش (۱) سالہ ضعیف‌الحواس کو عفو فرمائیں ۔

(۱) یہ بھی غالب کی نادر تحریروں میں شائع ہوا ۔ اس پر تاریخ کوئی نہیں لیکن یہ انتہاے پیری ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ ''ہفتاد و شش سالہ،، تو بداھتہ غلط ہے ، کیونکہ میرزا کی عمر تہتر ۷۳ سال کچھ مہینے ہوئی ۔ یہ بھی ضعف حواس کا ایک عملی ثبوت ہے جو بے ارادہ پیش ہو گیا۔

دیباچے اور تقریظیں

''اردوے معلیٰ،، (طبع اول) کے ساتھ کوئی دیباچہ یا تقریظ شامل نہ تھی۔ اس وقت غالباً یہ طے کر لیا گیا تھا کہ تمام نثری تحریریں، جو خطوط و مکاتیب سے الگ تھیں ایک جداگانہ مجلد میں شائع کی جائیں اور وہ تمام مکاتیب بھی اسی جلد میں رکھے جائیں، جن میں علمی و ادبی نکات بیان ہوئے تھے، لیکن تکمیل طباعت کتاب سے پیشتر ہی میرزا کی وفات نے یہ منصوبہ ضغطے میں ڈال دیا۔

''عود ہندی،، پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی تو اس کے ساتھ صرف چند تقریظیں تھیں، مثلاً تقریظ ''گلزار سرور،،، دیباچہ ''حدائق انظار،،، تقریظ مثنوی ''شعاع مہر،،، دیباچہ ''رسالہ تذکیر و تانیث،،، دیباچہ ''قصائد میرزا کاب حسین نادر،،۔ جب خواجہ حالی مرحوم کے زیر اہتمام ''اردوے معلیٰ،، کا دوسرا حصہ مدون ہوا تو اس میں مزید نثری تحریریں اور رقعے شامل ہوئے اور اس کے بعد جو اردوے معلیٰ دونوں حصوں پر مشتمل شائع ہوتا رہا، اسے ''اردوے معلیٰ مکمل،، کہا گیا۔ ان میں بعض ایسی تحریریں بھی شامل کر لی گئیں ہیں، جنہیں میرزا کے خطوط میں شامل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس مجموعے میں مختلف تحریریں جمع ہیں۔

دیباچہ سراج المعرفت

(۱)

سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعویٰ ! حمد و شکر کی گزارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں : فکر اور نطق اور یہ دونوں قوتیں موہبتی (۱) ہیں ۔ بخشی ہوئی دستگاہ پر خود نمائی اور پھر اسی بخشنے والے کے آگے ! کیسی تنگ ظرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی ۔ اس صورت میں اداے حق حمد کے تو کیا معنی مگر ہاں حمد کرنے والا بقدر توفیق حمد شایستۂ آفریں ہے ۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ توفیق نتیجۂ کشت و کار ہے ، البتہ عطیۂ پروردگار ہے ۔ قدرت حمد اس نے پیدا کی ، توفیق حمد اس نے عطا کی ۔ جبکہ آدمی حمد کا عازم ہو تو سپاس عطیۂ توفیق کیوں نہ لازم ہو ؟ ہاں اے حق شناس اگر تجھ کو شعور ہے ، عطیۂ توفیق شکر پر ایک اور شکر ضرور ہے ۔

گر کسے شکر حق فزوں گوید
شکر توفیق شکر چوں گوید

حق یوں ہے کہ حقیقت از روے مثال ایک نامۂ در ہم پیچیدۂ سر بستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے لا موثر فی الوجود الا اللہ اور خط میں مندرج ہے لا موجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور نام آور ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی ۔

ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض (۱) کی صورت یہ ہے کہ مراتب

---

(۱) گہرے معنی ۔

توحید چار ہیں : آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی ۔ انبیاے پیشین صلوات‌اللہ علیٰ نبینا و علیہم ، اعلان مدارج توحید سہ گانہ(۱) پر مامور تھے ۔ خاتم‌الانبیا کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھا دیں اور حقیقت نیرنگی ذات کو صورت الآن کما کان میں دکھا دیں ۔ اب گنجینۂ معرفت خواص امت محمدیہ کا سینہ ہے اور کلمہ لاالہ الااللہ مفتاح باب گنجینہ ہے ۔ زہے خامی عامۂ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی‌العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی‌الوجود ، جو اصل مقصود ہے ، وہ ان کی نظر میں نہیں(۲) جب لاالہ الااللہ کے بعد محمدرسول‌اللہ کہیں گے ، اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آ رہیں گے ۔ یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے ، جو خاتم‌الرسلؐ کا مقصود تھا ۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی کی اور یہی معنی‌ہیں رحمۃٌ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے من قال لاالہ الااللہ دخل الجنہ" ۔

قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے ، لیکن وحدت حقیقی کا رازدان ہے ۔ گفتگوے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے ۔ نبی کی حقیقت ذوجہتیں(۳) ہے : ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق ، جس کو فیض پہنچاتا ہے :

نبی را دو وجہ است دلجوے خالق — یکے سوے خالق ، یکے سوے خلق
بداں وجہ از حق بود مستفیض — بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض(۴)

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایہ" افضل‌من‌النبوۃ معنی اس کے صاف ازروے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی‌الحق ہے، افضل ہے

---

(۱) آثاری ، افعالی اور صفاتی ۔

(۲) یہ میرزا غالب کے معتقدات تھے ، جن کا ذکر خطوط میں کئی جگہ آ چکا ہے ۔

(۳) یعنی اس کی دو جہتیں اور سمتیں ہیں ۔

(۴) نبی و رسول کو خالق سے فیض حاصل ہوتا ہے اور وہ خلق کو فیض پہنچاتا ہے ۔ یعنی جو کچھ خالق سے حاصل کرتا ہے اسے خلق کے سامنے آشکارا کر دیتا ہے ۔

نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخالق ہے ۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے ۔ جس طرح نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے ، اسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے ۔ مستنیر کی تفضیل منیر پر ہے اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہر گز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں ۔

اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی تھی ، نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی ، مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکواۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے ۔ نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے ، چراغ جلتا چلا جاتا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور صبح قیامت تک روشن رہے گا ۔ اور اب اسی کا نام ولایت ہے اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے ۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو از روے کلمہ لاالہ الااللہ مشہود عیون(۱) اعیان (۲) امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے ، مگر وہ بات اب کہاں کہ ایک بار لاالہ الااللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے ؟ اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ قائل لاالہ الااللہ کو ، اگر چہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو ، قدم گاہ توحید پر قائم کر دے ؟ یعنی رسول مقبول واجب التعظیم ، قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیت والتسلیم ۔ اب سعادت بقدر ارادت ہے اور راحت بعد جراحت ۔ سچ بھی تو ہے ، آدمی کیوں کر سمجھ سکے اور بطلان بدیہیات کے جواز پر اس کو کیوں کر تسلی ہو ۔ یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں ، نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے :

اے کردہ بآرایش گفتار بسیچ وز زلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم کہ تو چیز دیگرش مے دانی ذاتیست بسیط منبسط ، دیگر ہیچ

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطباے روحانی ہیں ، دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور بہ سبب استیلاے وہم مشاہدۂ وحدت ذات سے محروم رہے

---

(۱) عین کی جمع ، آنکھیں ۔

(۲) اعیان بہ معنی اکابر ۔

جاتے ہیں ۔ ہر چند ان کو سمجھائیں گے ، راہ پر نہ آئیں گے ۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کیے تا کہ قوت متخیلہ اس میں الجھی رہے اور رفتہ رفتہ بیخودی طاری ہو جائے ۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بہ جبر یا بہ تکلف ثابت کیا چاہتے ہوں :

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے ۔ پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا ، بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری و پیکر تراشی سے معزول ہو گیا ۔ بے خبری و بیخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو موحدین کو بہ مجرد فہم حاصل ہوتی ہے ، اس شاغل کے نفس کو بیخودی میں آ گئی ۔ ایک دریا میں جان کر کودا ، ایک کو کسی نے غافل کر کے دھکیل دیا ، انجام دونوں کا ایک ہے ۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں ، یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں ، مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کو کہ جو کسب حالت بیخودی کے واسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں ، بہت بلکہ بے شمار ہیں ۔

حق سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے حضرت شاہنشاہی ، حق شناس حق آگاہ سراج الملتہ والدین ابو ظفر بہادر شاہ کو جو لباس بادشاہی میں یاد الہی کر رہے ہیں :

شاہی و درویشی ایں جا با ہم است
بادشاہ عہد قطب عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب افادت مآب ، معرفت نصاب ، مجمع البحرین شرع و عرفان ، قران السعدین عقل و ایمان ، ابو حنیفہؒ ثانی ، سراج العلماؑ ، ضیاءؑ الفقہاؑ ، مولانا سید رحمت علی خان بہادر کو اور فرمایا ان سے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوس نزولی نبوت و ابتدائے قوس عروجی ولایت یعنی عہد جناب رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بسینہ و ہم (۱) سفینہ بسفینہ چلے آتے

---

(۱) یہ ہم بہ معنی نیز ہے ۔

ھیں ، ان کو ایک رسالے میں درج کریں اور اس رسالے کی تحریر میں وہ عبارت اردو کہ صاف اور بے تکلف ھو ، خرج(۱) کریں - کیوں نہ ارباب فہم اس راز داری پر قربان ھو جائیں کہ مجموع اشغال و اذکار زبان حقیقت ترجمان سے فرمائے ھیں اور حکم دیا ھے کہ ان کو وابستہ بہ سلاسل فقرا و منقول من رسائل العرفا تحریر کریں -

قضا را یہ ترک کج مج زبان ، اسداللہ خاں ھیچمدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب ھوس ھائے خام ھے ، اس رسالے کے مشاھدے سے مستفیض ھوا - جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیے اور پھر میں برگ و ساز کروں اور عزم سفر حجاز کروں - زمزم کے پانی سے وضو کروں اور اس کاشانۂ ملائک آشیانہ کے گرد پھروں اور حجر اسود کو چوموں اور پھر وھاں سے مدینہ منورہ جاؤں اور خاک تربت اطہر کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤں - بادشاہ سے کیا عجب ھے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانۂ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ یہ گنہگار وھاں جاوے اور اگر زیست ھے تو وھاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ھے ، بخشوا کر پھر آوے :

غالب ھوائے کعبہ بہ سر جا گرفتہ است
رفت آنکہ عزم خلخ و نوشاد کرد مے(۲)

---

(۱) پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ھے کہ یہاں میرزا نے ''خرچ،، نہیں بلکہ ''خرج،، لکھا ھو گا (یعنی چ سے نہیں ج سے) اور اسے ''درج،، کا قافیہ بنایا ھوگا -

(۲) ستاون برس سے اندازہ ھوتا ھے کہ یہ ۱۲۶۹ ھ یا ۱۲۷۰ ھ کی تحریر ھے (۱۸۵۳ء یا ۱۸۵۴ء) - ایک مرتبہ خود بہادر شاہ مرحوم نے حج و زیارت کا قصد کیا تھا - اس وقت مرزا نے کہا :

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اب یہ کہہ رھے ھیں کہ دو برس کی تنخواہ پیشگی مل جائے تو چلے جائیں - یہ حقیقت ھے کہ میرزا کو حج و زیارت کی بڑی آرزو تھی لیکن یہ پوری نہ ھو سکی -

تقریظ بر کتابِ بہادر شاہ ثانی

(۲)

اللہ اللہ ! نطق کو آفرید گار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکہ اگر بہ مثل اسم اعظم فرض کیجیے تو اس کی بھی نمود جب تک اس لطیفۂ غیبی کا شمول نہ ہو، عالم امکان میں ممکن نہیں :

سخن را ازاں دوست دارم کہ دوست
بہ تصدیق از ما طلب گار اوست

مسائل حکیمانہ کی ہستی، ترہات ندیمانہ کی مستی، درد و درماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسون کے مقاصد کا مدار، شکوہ شکایت کا عنوان، نفرین و آفرین کا بیان، رد و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت، صرف و نحو کی رازدانی، لفظ اور معنی کی گلفشانی، جو کچھ اگلوں نے کہا ہے، جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے، جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے، جو کچھ نیک و بد نو و کہن سے ہے، سب وابستۂ نطق سخن سے ہے۔

اب سمجھیے کہ سخن از روے مثال کیا ہے؟ چشمہ ہے، ندی ہے، سیل ہے، دریا ہے؟ کیسی روانی اور کس زور کا پانی۔ اس کا چڑھاؤ، اس کی رفتار، اس پر کس کا زور اور کس کا اختیار۔ جدھر منہ کیا ادھر ایک

نالہ بہا دیا ، دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ ہو؟ بارہا دیکھا ہے کہ آغاز کلام جس کو ہندی میں اٹھان اور فارسی میں انگیزہ اور عربی میں باعث کہیے کچھ اور ہے - پھر وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی‌الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ کیا طور ہے -

یہ کتاب کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں ، لیکن از روے حقیقت ایک نہر ہے کہ بحر سخن سے آدر کو بہی ہے - جب اس نگارش نے انجام پایا تو مجھ کو پیشگاہ سلطنت ابدمدت سے حکم آیا کہ بندۂ درگاہ ، اسداللہ اس کی تقریظ لکھنے میں اظہار حسن اطاعت کرے اور سخن طرازی میں آرایش زبان اردو پر قناعت کرے - جیسا کہ حکم بجا لانا ضرور ، ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشاء اس رسالہ کی نگارش کا کیا ہے -

ان اوراق کے ناظرین پر مخفی و مستور نہ رہے کہ سن اٹھارہ جلوس(۱) میمنت مانوس میں ، نہ شہر سے بلکہ خارج سے ، یہ آوازہ بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت ، فلک رفعت ، ثریا بارگاہ ، انجم سپاہ ، بادشاہ ابن بادشاہ ، خلیفۂ روے زمین ، ابوظفر سراج‌الدین بہادر شاہ ، بادشاہ غازی نے ترک مذہب آباے نامدار کیا اور تشیع کو تسنن پر اختیار کیا - بار یافتگان بزم قرب و رازدانان خلوت انس حیران اور حیرت ان کی بجا - اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات کہی ہوتی تو پہلے ان کو آگہی ہوتی - اسرار سلطنت کی خبر اور پھر اس

(۱) بہادر شاہ ستمبر ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے - ان کے متعلق تشیع کی افواہ ۱۸۵۳ء کی علالت کے بعد پھیلی - کیونکہ مرزا حیدر شکوہ نے بادشاہ کی صحت کے لیے جو منت مانی تھی ، وہ لکھنئو جا کر ادا کی تو اس کے بعد رفتہ رفتہ مشہور ہو گیا کہ بہادر شاہ شیعہ ہو گئے ہیں - بادشاہ نے اس کی تردید کی اسی سلسلے میں ایک مثنوی لکھی گئی - پھر یہ کتاب مرتب ہوئی - اٹھارویں جلوس سے مراد ۱۸۵۴ء یا ۱۸۵۵ء ہو سکتے ہیں -

میں عام کو تقدم خاص پر(۱) ! نہ پوچھنے کا یارا ، نہ چپ رہنا گوارا۔ علمائے نامدار و مشائخ کبار و فقہائے دیار نے جرأت کر کے عرضداشت لکھی ۔ مضمون یہ کہ ایسا سنا جاتا ہے اور باور نہیں آتا ہے ۔ امید وار ہیں کہ خداوند تاج و سریر کے ما فی الضمیر پر آگہی پاویں ۔ حضور نے تحاشی کی اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ ہماری زبان پر نہیں گزرا ۔ بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم قضا توام :

بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

شہنشاہ ، گیتی پناہ ، مسند جم نشین ، اہل دل ہم نشین ، امرأ دستہ دست بستہ ، صفحہ نگار بھی مانند خار سر دیوار باغ و پروانۂ پائے چراغ اس چمن میں نشاط اندوز اور اس انجمن میں ادب آموز۔ زبان مبارک گہر فشاں ہوئی ، حقیقت مذہب اہل سنت و جماعت بیان ہوئی ۔ سوٴ ظن علمأ اس مجمع عظیم میں بہ پیرایۂ حسن ظن جلوہ گر ہوا ۔ خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثبات قدم مسلک تسنن پر باور ہوا ۔ مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت کے بموجب ارشاد ، قالب میں ڈھلے ۔ ناگاہ جانب اجانب سے اس نظم کے جواب میں کچھ وار ہے ۔ یہ گنہ‌گار بے گناہ بھی بہ ذم ممدوح ہوا اور خنجر زبان کے زخم سے مجروح ہوا(۲) ۔ الغرض جب وہ تحریر یہاں دیکھی

---

(۱) جو امر خواص پر پہلے آشکارا ہونا چاہیے تھا ، وہ تو بے خبر تھے ۔ عوام با خبر قرار دیے گئے حالانکہ انہیں خواص ہی سے صحیح خبر مل سکتی تھی ۔

(۲) مطلب یہ کہ اس پر رد و خلاف کا سلسلہ شروع ہوا ، جس میں میرزا کی بھی مذمت کی گئی اور ان پر خنجر زبان سے زخم لگائے گئے ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس بحث میں جو مثنوی بادشاہ کے تسنن کی توثیق اور تشیع سے برأت میں لکھی گئی تھی ، وہ حسب الحکم میرزا نے لکھی تھی ۔

دکھائی گئی تو اس میں خفا کی توہین پائی گئی۔ ناچار یہ رسنہ جیسا کہ حضرت مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے، لکھا گیا اور مجھ کو تقریظ نگاری کے واسطے، جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، کہا گیا۔ میں اگر اس گذارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو وضع تحریر کا موضوع لہ مجہول رہ جاتا۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے، شیوۂ سخن‌داناں معنی آفریں اور ہے۔ نہ سفیہ ہوں کہ ھجو میں سخن سرائی کروں، نہ فقیہ ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں۔ غریب‌الوطن سپاہی زادہ ہوں، فلک زدۂ خانماں برباد دادہ ہوں۔ تاب آفتاب حوادث سے ظل‌اللہ کے سایہ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں، گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔ احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے، یہ نہیں کہ کسی اور کا گنہ‌گار ہوں۔ جو مجھ کو اپنا ہم کیش سمجھیں، ان سے دعائے مغفرت کا متوقع اور جو مجھ کو اپنا مخالف مذہب گمان کریں ان سے دعائے تخفیف عذاب کا امیدوار ہوں۔ حسبی اللہ نعم‌الوکیل، نعم‌المولیٰ و نعم‌النصیر۔

دیباچہ "جدایق انظار"

(۳)

"حدائق انظار" بوستان خیال کی جلدوں کا ترجمہ ہے جو خواجہ بدرالدین امان نے کیا تھا۔ (۱۸۱۷ء–۱۸۷۹ء)۔

سبحان اللہ، شاہد زیبائے سخن کا حسن بے مثال، مشاہدہ اس کا نور افزائے نگاہ، تصور اس کا انجمن افروز خیال۔ از روے لفظ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جمال، من حیث المعنی بصورت صنعت قلب "کلام" کا مقلوب یعنی "کمال"۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں کیوں کر کہیں کہ کیا ہوتا؟ اس بعثت دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکر ہوش ربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے۔ نظم میں اور ہی روپ، نثر میں اور ہی ڈھنگ۔ فارسی میں اور ہی زمزمہ، اردو میں اور ہی آہنگ۔ سیر و تواریخ میں وہ کچھ دیکھو جو تم سے سینکڑوں برس پہلے واقع ہوا۔ افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا، نہ سنا۔ ہرچند خرد مند بیدار مغز تواریخ کی طرف مائل ہوں گے، لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہوں گے۔ کیا تواریخ میں ممتنع الوقوع (۱) حکایات نہیں؟ نا انصافی کرتے ہو، یہ کچھ بات نہیں

سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے، سیمرغ اس کو اپنے گھونسلے میں

(۱) ایسے واقعات جو بظاہر پیش آنے ممکن معلوم نہ ہوں۔

اٹھا لائے۔ پرورش کر کے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے، زال اس اسم بے مسمیٰ کو بلائے۔ سیمرغ گرداں کبوتر کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کی لیپ سے یا اور کسی دوا سے رستم کے زخم اچھے کر کے، ایک تیر دو شاخہ دے کر تشریف لے جائے۔ رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے، جب چشم بد دور، جوان ہو، دیو سفید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعوی خدائی مشہور ہے، شداد اور نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے (۱)۔

اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزۂ دیو کُش رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمرد شاہ گمراہ دعویٰ خدائی کرنے والا مثل نمرود گھڑ ڈالیں، گو ایک ڈھکوسلا بنایا ہے، انہیں روایات کا چربہ اٹھایا ہے، مگر اچھا اٹھایا ہے۔ موعظت و پند نہیں، ترہات ندیمانہ ہے۔ سیر و اخبار نہیں، جھوٹا افسانہ ہے۔ داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے، سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے۔ عمرو کی عیاریاں دیکھو، حمزہ کی میداں داریاں دیکھو۔ جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران ہے، مگر وہ میر تقی، محمد شاہی جو ندیم موتمن الدولہ اسحاق خاں کا ہے گویا باغ ارم کو ہندوستان میں اٹھا لایا۔ اس نے بوستان خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔

ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ۔ واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم اور حسن و عشق کی گرمی ہنگامہ۔ معزالدین کی طلسم کشائیاں اگر سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو ڈھونڈتے پھریں اور کہیں پتا نہ پائیں۔ ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو کہ زیرہ سی آنکھیں کھولی کی کھولی رہ جائیں۔

---

(۱) جو واقعات میرزا نے بطور مثال ''تاریخی،، بتائے ہیں، وہ بھی تو بیشتر محض افسانے ہی ہیں۔

دریں ولا میرا برادر زادہ سعادت توامان خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیان تیز ہوش ہے اور ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سختی کش و سخت کوش ہے۔ ستار کا جو خیال آیا، ایسا بجایا کہ میاں تان سین کو انگلیوں پر نچایا۔ مصوری کی طرف جو طبیعت آئی، وہ تصویر کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت ہوئی۔ اس اقبال آثار کا یہ ارادہ ہوا، معز نامہ کی فارسی نثر کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا۔ معزالدین فیروز بخت کی کشور کشائیاں، ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیاں عجائبات حکیم قطاس کی حیرت افزائیاں، ملکۂ نو بہار کی رنگین ادائیاں، جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں، ضار منکوس منحوس کی بے حیائیاں، مسلمین و کفار کی لڑائیاں، مسلمانوں کی بھلائیاں، کافروں کی برائیاں، فارسی سے اردو میں لے آیا۔ یوں تصور کرو کہ قلمرو اردو میں ایک قصر دلکشا یا ایک خانہ باغ روح افزا سر تا سر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے، گویا تقریر کو پیرایۂ تحریر دیا ہے۔

بعد اختتام نگارش غالب فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی۔ میں نے ہر چند عجز آمیز و معذرت انگیز گفتگو کی، بیداد گر نے ایک بات نہ سنی، ایک عذر نہ مانا۔ بھلا اس اصرار کا کیا علاج، اس ضد کا کیا ٹھکانا؟ بھتیجا اور پیارا بھتیجا، ناچار بجز خامہ فرسائی کے کچھ نہ بن آئی۔ اس دیباچے کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح کو سیدھا چلا گیا اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا۔ اسی شعر شعریٰ شعار (۱) کو خاتمہ میں لکھے دیتا ہوں، بہت تنگ آ گیا ہوں اب دم لیتا ہوں۔:

شکر کہ ایں نامہ بعنوان رسید
بیشتر از عمر بپایاں رسید

و من اللہ التوفیق و ہو خیرالرفیق

---

(۱) ''شعریٰ،، ایک ستارہ جسے بہت بلند اور روشن مانا جاتا ہے، یعنی ستارہ شعریٰ کی طرح بلند و روشن شعر۔

تقریظ بر گلزار سرور

(۴)

سبحان‌الله ! خدا کی کیا نظر افروز صنعتیں ہیں ، تعالی‌اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں - یہ جو ''حدایق‌العشاق،،(۱) کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارش پاتا ہے ، ارم کا بین دنیا سے اٹھ کر بہارستان قدس کا باغ بن جاتا ہے - وہاں حضرت رضوان ارم کے نخل بند و آبیار ہوئے ، یہاں مرزا رجب علی بیگ سرور ''حدائق‌العشاق،، کے صحیفہ نگار ہوئے - اس مقام پر یہ ہیچ میرز جو موسوم بہ اسداللہ خاں اور مخاطب بہ نجم‌الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے ، خدائے جہاں آفریں سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے - ہاں ، اے صاحبان فہم و ادراک ! سرور سحر بیان کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے :

رزم کی داستان گر سنیے ہے زباں ، ایک تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعوی تھا کہ انداز بیان اور شوخیٔ تقریر میں ''فسانہ عجائب،،(۲)

---

(۱) فارسی میں مکاتیب عشق و محبت کی ایک کتاب ، جس کا ترجمہ سرور نے گلزار سرور ،، کے نام سے کیا تھا -

(۲) یہ خود سرور کی نہایت معروف کتاب ہے -

بے نظیر ہے ۔ جس نے میرے دعوے کو اور ''فسانۂ عجائب'' کی یکتائی کو مٹا دیا ۔ یہ وہ تحریر ہے ۔ کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے ۔ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہے ۔ مانی نقاش بے معنی تصویریں بنا کر پیمبری کا دعویٰ کرے ، کیا عقل کی کمی ہے ۔ یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوائے خدائی نہ کرے ، کس حوصلے کا آدمی ہے ۔ سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالی شان ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر(۱) جس باغ کی آرایش کے کارفرما ہوں اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں ، وہ باغ کیسا ہوگا ؟ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا ؟ کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول و سبک سر کیوں ہے ؟ بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے ؟ صاحبو ! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں ؟ رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ ہم اس کی شجاعت کا ذکر کرتے ہیں ؟ معہذا جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو پرسد پرشاد نارائن کا مورد عنایت رہا ہوں ۔ جن دنوں میں وہ دلی تشریف لائے ہیں ، اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں ۔ جب نا شناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو ، تو ان کا نیازمند کیوں ان کا ثنا خوان نہ ہو ؟ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثنا خوانی کا ، میں تو عاشق ہوں ان کی شاعر پروری و سخن دانی کا ۔ حضور نے قدردانی کی ، سرور نے گوہر افشانی کی ۔ حضور کا اقبال ، سرور کا کمال ، حضور کی عالی ہمتی ، سرور کی خوش قسمتی ۔ ان شاءاللہ تعالیٰ یہ نقش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گا ۔ مصنف کا شہرۂ رنگین بیانی میں ، مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہے گا ۔ فقط

---

(۱) مہاراجا بنارس جن کے پاس سرور ملازم رہے ۔ میرزا رجب علی بیگ سرور کے حالات اختصاراً پہلے لکھے جا چکے ہیں ۔ سرور وسط ۱۸۰۹ء میں بنارس پہنچے اور ۱۸۶۶ء تک وہاں رہے ۔ یہ تقریظ بہ ہر حال اسی زمانے کی ہے ۔

دیباچہ قصائد میرزا کلب حسین خاں

(۵)

میرزا کلب حسین خاں نادر تخلص بنارس کے رئیس اور احترام الدولہ دبیرالملک نواب میرزا کلب علی خاں ہیبت جنگ کے فرزند تھے۔ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء میں انتقال کیا۔ ان سے بہت سی کتابیں منسوب ہیں۔ جس مجموعہ قصائد کا یہ دیباچہ تھا، اس کی کیفیت میرزا نے خود بیان کر دی ہے۔

سبحان اللہ ! شاہد سخن کمالِ حسن میں لاثانی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یوسف کنعان معانی ہے۔ کنعان ہو، کنواں ہو، کارواں ہو، کوئی جگہ، کوئی مقام، کوئی مکان ہو، زلف ویسی ہی معنبر، عارض بدستور تابدار۔ لب کی جاں بخشی کا وہی عالم، چشم اسی طرح بیمار۔ معہذا جو سلطنت مصر کے زمانے کا جمال تصور میں لائے گا، وہ آفتاب تاباں کو حضرت یوسف کا ادنیٰ ذرہ پائے گا۔ لو ہم ابھی قلمرو سخن سے آئے ہیں۔ حسن پرستان سخن کے واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں۔ سنی سنائی نہیں کہتے، نہ دیکھ آئے ہوتے تو چپ رہتے۔ امید یہ کہ دانش مند آدمی باور کریں؛ نوید یہ کہ دیدہ ور لوگ نظر کریں کہ یوسف سخن کنعان و چاہ و کاروان و بازار و زندان سے نکل کر تخت فرمانروائی مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ زلیخائے عشق کے گھر عید ہوئی ہے اور یوسف حسن کی سرکار میں نو روز ہوا ہے۔

غالب آشفتہ ! تو سن اس ورق کے ناظرین جب تک رمز نہ جانیں گے، تیری بات کبھی نہ مانیں گے۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالیجناب والا دودمان میرزا کلب حسین خاں کو کیا اچھی طبیعت بخشی ھے جو انہوں نے ان اوراق کو اپنے اشعار سے رونق اور اشعار کو نعت و منقبت سے زینت بخشی ھے۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعۂ نظم کو مصر فرض کیا ھے اور شاھد معنی کو یوسف قرار دیا ھے۔ جس کتاب میں آئمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی مدح کے سو قصیدے زینت اوراق ھوں، ان اوراق کے سواد کیوں نہ سرمۂ چشم اھل دین اور وہ اوراق کیوں نہ حرز بازوے مومنین آفاق ھوں۔ میں اپنے علو رتبت پر ناز کرتا ھوں کہ ائمہ اطہار کے مداح کا ستایش گر ھوں اور بذریعہ اس ستایش کے غالب پر غالب یعنی اپنے سے بہتر ھوں، اس دعوے کا گواہ، اسداللہ۔ فقط

دیباچہ رسالۂ تذکیر و تانیث

(۶)

یہ سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کی کتاب ''اشحات صفیر،، کا دیباچہ تھا، جس کا نام مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے ارشاد کے مبارک بعد میں ''فیض صفیر،، رکھا گیا اور یہ ۱۸۶۶ میں مرتب ہوئی تھی - صفیر کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں -

سیدی و سندی، نور بصر و لخت جگر، قرۃالعین اسد، مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر و دوام دولت و بقائے اقبال کی دعا مانگتا ہوں، جن کو مبدأ فیاض سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے - سبحان‌اللہ تذکیر و تانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے، کس لطف سے ادا ہوئی - ہر چند اس راہ سے کہ دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں قواعد تذکیر و تانیث کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں، لیکن قوت علم و حسن - فہم و لطف طبع سے وہ مضبوط ضوابط بہم پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسرے کو کیا خبر، مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحۂ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ منظور انظار اولوالابصار رہے گا - جو صاحب اس کا مطالعہ فرمائیں گے، نفع بھی پائیں گے اور لطف بھی اٹھائیں گے - مؤلف صاحب جو کامیاب اپنے ذہن رسا سے ہیں، رئیس جلیل‌القدر عظیم آباد اور وآرا (ضلع شاہ آباد، بہار) اور حضرت فلک رفعت مولوی سید صاحب عالم صاحب مارہروی کے نواسے

هیں ۔ سید واسطی بلگرامی هیں ، جہاں کے سادات علم و فضل میں نامی اور قدر و منزلت میں گرامی هیں ۔ ان حضرت کا مداح گویا اپنا ثنا خواں ہے حسبا کہ مولوی معنوی رومی علیہ‌الرحمہ" کا بیان ہے :

مادح خورشید مداح خود است
کہ مرا دو چشم پر نا مرمد(۱) است

داد کا طالب ، غالب

---

(۱) مرمد : آشوب زدہ۔

تقریظ مثنوی "شعاع مہر"

(مصنفه حاتم علی بیگ مہر)

(۷)

اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایه اور کیا سرمایه دیا ھے که امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکه اگر بمثل اسم اعظم فرض کیجیے تو اس کی بھی نمود ، جب تک اس لطیفه غیبی (۱) کا شمول نه ھو ، عالم امکان میں نہیں ۔ مسائل حکیمانه کی ھستی ، ترھات ندیمانه کی مستی ، درد و درماں کے مدارج کا اظہار ، افسانه و افسون کے مقاصد کا مدار ، شکر و شکایت کا عنوان ، نفرین و آفرین کا بیان ، رد و قبول کی حکایت ، فتح اور شکست کی روایت ، صرف و نحو کی رازدانی ، نثر و نظم کی گلفشانی ، جو کچھ اگلوں نے کہا ھے ، جو کچھ اب کوئی کہه رھا ھے ، جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رھیں گے جو کچھ متعلق نیک و بد ، نو و کہن سے ھے ، سب وابسته نطق و سخن ھے ۔

اب سمجھیے که سخن از روے مثل کیا ھے ؟ چشمه ھے ؟ ندی ھے ؟ سیل ھے ؟ دریا ھے ؟ کیسی روانی ھے ؟ کس زور کا پانی ! اس کا چڑھاؤ ، اس کی رفتار ، اس پر کس کا زور ، کس کا اختیار ؟ جدھر منه کیا ، ادھر ایک ناله بہا دیا ۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ھے که کسی کے ھات میں

(۱) یعنی نطق ۔

ہو(۱) ؟ ہاں ، اہل خرد کو اٹھا لینا چاہئیے ، جو لطف جس بات میں ہو۔ یہ مثنوی کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے۔ اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحرِ سخن سے ادھر بہی ہے(۲) - سخن ایک معشوقۂ پری پیکر ہے - تقطیع شعر اس کا لباس اور مضامین اس کا زیور ہے۔ دیدہ وروں نے شاہد سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکش، ماہ تمام پایا ہے۔ اس رو سے اس مثنوی نے ''شعاع مہر،، نام پایا ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں مہر سے مراد آفتاب ہے - یہ شعاع اس مہر کی ہے کہ جو ذرۂ خاکِ راہِ بوتراب ہے - سچ تو یوں ہے کہ سخنورِ روشن ضمیر مہر چہر میرزا حاتم علی مہر کو سخن طرازی میں ید بیضا ہے اور از روے انصاف اس طرح سے کہ نہ ادھر سے لاف نہ ادھر سے گزاف ، سچ سچ ، صاف صاف ، یہ مہر اپنے ہم نام مہر سپہر کا ہم چشم اور ہمتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے۔ مہر کے حسن گفتار اور میرے صدق اظہار پر برہان قاطع یہ مثنوی ہے۔میں فن تاریخ و فن معما سے بیگانہ ہوں (۳) صرف حسنِ خداداد، معنی کا دیوانہ ہوں۔ مثنوی کی طرز تحریر دلپذیر ہوئی ، اس سے یہ تقریظ دلپذیر تحریر ہوئی۔ چاہیے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریظ کو مثنوی سے جدا نہ کرے ۔ ہاں گنجایش اس کی ہے کہ کسی زمانہ میں سہو و غفلت سے یہ امر واقع ہو۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ خدا نہ کرے ۱۲

---

(۱) ابتدا سے ''ہات میں ہو،، تک عبارت وہی ہے ، جو بہادر شاہ کی کتاب کی تقریظ میں ہے۔ وہ عبارت پیشتر کی لکھی ہوئی تھی۔ ''شعاع مہر،، کی تقریظ بعد میں لکھی گئی۔

(۲) بعض اصحاب نے اسے ''بہتی ہے،، بنا دیا ، حالانکہ یہ ''بہی ہے،، اور ''آگہی ہے،، کا قافیہ ہے۔

(۳) یہ تاریخ نہ کہنے کا عذر ہے۔

دیباچہ دیوان ذکا

(۸)

حبیب اللہ خاں ذکا حیدرآبادی کے مجموعہ کلام موسوم بہ "خاش و خاش" پر میرزا نے یہ دیباچہ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء میں لکھا تھا اور یہ دیوان ذکا کی وفات سے نو سال بعد اس کے بڑے بھائی رحمت اللہ رسا نے چھپوایا تھا۔ اسے دیوان صرف رسماً کہا گیا ہے، حقیقتہً یہ ذکا کی نظم و نثر کا مجموعہ تھا۔

"خاش و خاش" خس و خار کو کہتے ہیں یا وہ چیزیں جو کام کی نہ ہوں اور پھینک دی جائیں۔

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں، کسی امیر کا نہیں، کسی شیخ شیاد کا نہیں یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرض اصلاح میں بہ نظر دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب تملق نہیں، مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا ہے، بے حیف و میل کہوں گا۔ نثر میں نعمت خاں عالی(۱) کی طرز کا احیا کیا ہے، مگر پیرایہ کچھ اس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری(۲) کا چربہ اٹھایا ہے، مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز، عاشقانہ سوزو گداز۔ منشی حبیب اللہ ذکا، سخنور همه دان یکتا، لفظ طراز، معنی آفرین، آفریں، صد آفریں، صد هزار آفریں۔

---

(۱) عہد عالمگیر کا مشہور اور شاعر نثر نگار۔

(۲) فارسی کا مشہور قصیدہ گو شاعر۔

دیباچہ دیوان سخن

(۹)

فخرالدین حسین سخن بن جلال‌الدین حسین عرف حضرت صاحب (بن ابوالقاسم نظام‌الدین احمد رضوی معروف بہ خواجہ فقیر چشتی مودودی) اس خاندان کا اصل وطن سندھ تھا - سخن دھلی میں پیدا ھوئے - ان کے والد لکھنئو میں تھے - دس گیارہ سال کی عمر میں یہ بھی لکھنؤ چلے گئے - ۱۸۶۰ء میں ان کے پھوپھا مرزا محمد ابراھیم صدر امین سارن (شاہ آباد ، بہار) اپنے وطن لے گئے اور اپنی بیٹی سے شادی کر دی - سخن مدت تک آرہ میں وکیل رہے - پھر منصف اور آخر میں صدر اعلیٰ (سب جج) ھو گئے - ۱۹۰۰ء میں بہ مقام کلکتہ انتقال کیا -

قاطع برھان کے سلسلے میں جو منظوم بحث شروع ھوئی تھی - اس میں سخن نے تین قطعے لکھے - دیوان اردو ، ایک افسانہ ''سروش سخن،، ان سے یادگار ھیں -

---

نام خدا ، سلطان قلمرو سخن ، دیوان خاص میں رونق افزا ھوا ہے اور ''نگاہ روبرو'' ''پادشاہ سلامت،، کا شور ھرطرف بپا ہے - اھل نظر پادشاہ کا حسن و جمال اور بارگاہ کی عز و شان دیکھیں ، سخنوروں کے ھزاروں دیوان دیکھے ھوں گے ، اب سخن کا دیوان دیکھیں ز ہے شاعر یکتا و نامی کہ جس کا پیارا نام سخن ہے ، یعنی ھمہ تن سخن اور کام سخن ہے - قرۃالعین خواجہ

سید محمد فخرالدین حسین کو اگر سخنور بے عدیل کہوں تو بجا ہے ، کیونکہ اس کا حسنِ کلام میرے دعوے پر دلیل اقوی ہے ۔ اس سحرکار جادو نگار نے پری زادانِ معنی کو الفاظ کے شیشوں میں اس طرح اتارا ہے ، جیسے آبگینۂ مے سے رنگِ مئے نظر آئے ، لفظ سے جلوۂ معنی آشکار رہے میں مغلوبِ دھر ، غالب نام جو بازار ہستی میں متاع کاسد ہوں ، بہ حسب اصطلاح فقہا اس سید زادۂ قدسی نہاد کا جد فاسد (۱) ہوں چشم بد دور ہنوز آغاز جوانی اور نوبہار باغ زندگانی ہے ۔ عمر کے لیے دفتر قضا و قدر میں حکم دوام لکھا گیا ہے ۔ پس اگر جودت فکر طبیعت کی روانی ہے ، اغلب ہے ذوق شعر اور شغل تحریر اشعار چلا جائے گا ، پھر تو یہ دیوان اوراق افلاک میں نہ سمائے گا ۔

---

۱ ۔ نانا

دیباچہ انتخاب غالب

(۱۰)

ڈونلڈ میکلوڈ فنانشل کمشنر پنجاب (بعد میں لفٹنٹ گورنر) نے ایک کتاب مرزا غالب سے اردو میں مرتب کرائی تھی تا کہ نو وارد انگریز اسے پڑھ کر اردو سیکھ لیا کریں۔ یہ اس کتاب کا دیباچہ ہے۔

یہ کتاب جو دو باب کی ہے، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا، بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کی مناسبت سے درج کیا جائے۔ یہ مجموعہ نذر جناب رفعت مآب کی ہے، جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی ہے۔ صاحب والا مناقب عالی شان، علم و اہل قلم کے قدردان، یگانۂ روزگار، جن کا مطیع و محکوم ہونا اہل ہند کو سرمایۂ عز و افتخار، والا پایۂ عالی رتبہ معلی القاب، حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر پنجاب۔

پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبان تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے، نصراللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونک و سونسا کا بھتیجا، موسوم بہ اسداللہ خاں المتخلص بہ غالب ہے۔ میرے چچا کی

سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بہادر اعلیٰ سے خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا جناب مستطاب لارڈ الن برا بہادر کے ذریعے سے وزیر اعظم کے پاس پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکۂ معظمہ و محتشمہ کے حضور پُرنور میں گزرنا از روے مشاہدۂ خطوط آمدہ ولایت، جو بہ سبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں، گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ ''کوئینس پویٹ'' (۱) گنا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر رتبہ بڑھایا نہ جائے، قدیم عزت میں تو فرق نہ آنے پائے۔

اے جہاں آفریں خدائے کریم ۔ صانعِ هفت چرخ و هفت اقلیم
نام میکلوڈ جن کا ہے مشہور یہ ہمیشہ بہ صد نشاط و سرور

عمر و دولت سے شادمان رہیں
اور غالب پہ مہربان رہیں (۲)

---

(۱) شاعر دربار ملکہ۔

(۲) مجموعہ نثر غالب اردو (ص ۲۶۳ - ۲۶۵)۔

خاتمہ انتخاب غالب

(۱۱)

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ مجموعۂ مختصر تمام ہوا ۔ اب خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میرے مربی اور محسن کے پسند آئے۔ تم نے جانا کہ میرے مربی و اور محسن کون ہیں؟ وہ جن کی ہدایت کا شکر گزار اور عنایت کا امیدوار ہوں ۔ جب نام نامی ان کا دیباچہ کتاب میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام اپنا ادب سے دور ہے، مگر ہاں خاتمے میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے :

سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

دیباچہ نکات و رقعات

(۱۲)

میرزا نے یہ کتاب میجر فرلر ڈائرکٹر تعلیمات اور ڈونلڈ مکلوڈ لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایما پر مرتب کی تھی۔ اس کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں قواعد صرف فارسی بہ صورت نکات لکھے تھے۔ دوسرے میں اپنے منتخب رقعات فارسی درج کیے تھے۔ یہ کتاب ۱۸۶۷ء میں پیارے لال آشوب کے زیر اہتمام چھپی تھی۔ جیسا کہ ان شعروں سے ظاہر ہے جو بظاہر میرزا کے ہیں :

هزار و هشت صد و شصت و هفت سال مسیح
کہ ماه عید و مه فروری بہم بود است
کہ ایں نکات گرانمایۂ درخشندہ
ز انطباع خود انوار مطبع افزود داست

دیباچے کا صرف ابتدائی حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے :

آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے خدا کو سجود اور خدا کی راہ بتانے والے انبیا کو درود۔ پھر اکہتر برس کا ناتواں آدمی دنیا میں عزت اور عقبیٰ میں نجات کا طالب ، ترک سلجوقی اسداللہ خاں غالب کہتا ہے کہ میں کہ سکتا ہوں کہ یہ درویش دلریش فقیر باکرامت ہے، کرامت یہ کہ روح تحلیل ہو گئی پھر جسم سلامت ہے۔ اپنا ایک شعر فارسی مع ترجمہ لکھتا ہوں :

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمے میرم هم ز ناتوانی هاست

یعنی کثرت ضعف سے روح میں اتنی طاقت نہیں کہ جسم سے ٹوٹ کر نکل جائے واقعی ناتوان آدمی کچھ کام کر نہیں سکتا۔ میں اتنا ناتوان ہو گیا ہوں کہ مر نہیں سکتا۔

اس زمانے سے تیس برس پہلے میں نے اپنی نثریں جمع کیں اور اس کا پنج آہنگ نام رکھا ہے ''آہنگ'' لغت فارسی ہے اور اس کے دو معنی ہیں : قصد و آواز۔ چونکہ وہ مجموعہ پنج باب کا ہے، یعنی باب کو آہنگ قرار دیا ہے ۔ یہ لغت دونوں معنوں کی رو سے بجائے باب سزا وار اور بجا ہے۔ چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا ہے اور اب اکتیس برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ، جس میں فارسی صرف کا بیان ہے، اس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے(۱) تاکہ وہ اوراق حضور انور قبلۂ حاجات عوام اور کعبۂ آمال انام، نائب مسیح علیہ السلام، جامع دانش و داد، امرا کے مربی اور علماء کے استاد، جناب معلی القاب مکلوڈ صاحب بہادر، فرمانروائے ممالک و سیعۂ پنجاب، بظاہر نواب لفٹننٹ گورنر بہادر ان کا خطاب، فی الحقیقت سلطان فلک رخش، ہلال رکاب کے نذر کیے جائیں۔ خدا کرے مجھ ترک جاہل کا بیان حضرت کے پسند آئے اور یہ رسالہ ان کی زبان سے ''نکات غالب'' نام پائے۔

---

(۱) پنج آہنگ کی موجودہ ترتیب کے مطابق میرزا کی بیان کردہ آہنگ چوتھی نہیں دوسری ہے اور اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ نکات چن چن کر سلیس اردو میں لکھوا لیے ہیں ۔ کتاب ''نکات و رقعات'' محمد سعادت علی خاں کے مطبع سراجیہ میں چھپی تھی۔ اب نایاب ہے ۔

صوفی منیری کی مثنوی لواءالحمد

تین شعروں پر اصلاح

صوفی منیری کی مثنوی لواءالحمد کے تین شعروں پر میرزا غالب کی اصلاح ذیل میں درج ہے :

۱ - اک مقام ادنیٰ سا اس کا قوسین
عرش و کرسی تہ پا جوں نعلین

میرزا فرماتے ہیں :

''یہ شعر دو سبب سے کٹا : ایک تو یہ کہ ''قوسین،، اور نعلین دونوں جگہ تثنیہ کا ''نون،، ہے ، یہ قافیہ جائز نہیں - دوسرے یہ کہ عرش کی توہین ہے ،، - غالب

۲ - پاؤں کی جا سر تعظیم سے یاں
سر کے بل چلتے ہیں شاہان جہاں

میرزا فرماتے ہیں :

''پانو،، قافیہ ''چھانو،، اور ''گانو،، کا ہے (۱) - آگے اس کے نون

---

(۱) خود میرزا نے ''پانو،، ردیف والی غزل ردیف ''و،، میں رکھی ہے نہ کہ ''نون،، میں مگر اب پاؤں ، گاؤں اور ہیانوں کو اسی طرح لکھتے ہیں ، جس طرح صوفی منیری نے ''پاؤں،، کو لکھا تھا - یہ ٹکڑا مولوی خلیل الرحمان داؤدی کے مرتبہ ''مجموعہ نثر غالب،، سے لیا گیا ہے -

لکھنا غلط ہے مگر ہاں بہ صیغۂ جمع یوں لکھنا چاہئیے پانووں ۔ غالب ،،

۳ ۔ خضر کو خدمت شربت داری
اور موسیٰ کو عصا برداری

میرزا :

''شربت داری،، لفظ غریب ہے ۔ ''آبداری،، کا مرادف نہیں ہو سکتا ۔

میرزا غالب کی ایک تحریر

(''غدر،، سے متعلق)

میرزا غالب نے یہ تحریر بعض واقعات غدر کے سلسلے میں مرتب کی تھی جو پہلی مرتبہ ''انتخاب غالب،، میں چھپی۔ ''انتخاب غالب،، ڈونلڈ میکلوڈ، فنانشل کمشنر (بعد میں لفٹنٹ گورنر) پنجاب نے مرتب کرائی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ نو وارد انگریزوں کو اردو سیکھنے میں مدد ملے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۷ء میں پھر چھپ گئی تھی، لیکن اس کا کوئی نسخہ دیکھا نہیں آیا۔ یہ تحریر خلیل الرحمان صاحب داؤدی نے ''یادگار غالب،، کے نئے ایڈیشن میں شامل کر دی۔

''غدر،، کے دنوں میں نہ شہر سے نکلا، نہ پکڑا گیا، نہ میری روبکاری ہوئی۔ جس مکان میں رہتا تھا، وہیں بدستور بیٹھا رہا، بلی ماروں کے محلے میں میرا گھر تھا۔ ناگاہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کر اس خاص کوچے میں اتر آئے، جہاں میں رہتا تھا(۱)۔ اس کوچے میں بہ ہمہ جہت پچاس یا ساٹھ آدمی کی بستی ہوگی۔ سب کو گھیر لیا اور ساتھ لے چلے۔ مگر گرفتار نہیں کیا۔ کسی کو بے حرمت نہیں کیا۔

---

(۱) گویا اس کوچے میں کوچہ بندی کی غرض سے دیوار بنا لی گئی تھی، جس پر چڑھ کر گورے اندر آ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے کلیات نثر فارسی ص ۳۹۶) -

نرمی سے لے چلے راہ میں سارجن (۱) بھی آملا۔ اس نے مجھ سے صاحب سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا کہ میں آدھا مسلمان ہوں۔ اس نے کہا: ''ول صاحب! آدھا مسلمان کیسا؟،، میں نے کہا: شراب پیتا ہوں، ھیم (۲) نہیں کھاتا،،۔

غرض کہ وہ مجھے کرنل بروئن (۳) کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی چوک میں حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہوئے تھے۔ باھر نکل آئے اور میرا صرف نام پوچھا۔ اوروں سے نام بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا۔ نام میرا سن کر فرمایا: ''اسداللہ خاں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ باؤنے (۴) پر نہ آئے،،۔ میں نے کہا: ''آپ سنیں تو کہوں،،۔ کہا: ''کہو،، میں نے کہا کہ تلنگے دروازے کے باھر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے، میں کیوں کر آتا؟ اگر کوئی فریب کر کے، کوئی بات بنا کر نکل جاتا۔ جب باؤنے کے قریب گولی کی زد پر پہنچتا۔ پہرے والا گورا مجھے گولی

---

(۱) سارجنٹ۔

(۲) سؤر کے گوشت کی ران جو نمک لگا کر بھاپ سے پکائی گئی ہو مراد ہے سؤر کا گوشت۔

(۳) اس کا نام Burn تھا جو ۲۱- ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دھلی کا فوجی گورنر مقرر ہوا تھا اور جو واقعہ میرزا نے بیان کیا ہے وہ ۵- اکتوبر کا ہے گویا برن کے تقرر سے پندرہ روز بعد کا، جیسا کہ میرزا نے خود ''دستنبو،، میں لکھا ہے (کلیات نثر فارسی ص ۳۹۶-۳۹۷)۔

(۴) باؤنے سے مراد ہے جھنڈا یا پرچم۔ شہر دھلی سے باھر شمال مشرق میں ایک مقام جو دوران محاصرہ (۱۸۵۷ء) میں انگریزی فوج کا مرکز رھا۔ انگریز اسے ''فلیگ سٹاف،، کہتے تھے اور ھندوستانیوں میں یہ ''باؤنے،، کے نام سے مشہور تھا۔ کرنل کا مطلب یہ تھا فتح دھلی کے بعد وھاں پہنچ جانا چاھیے تھا۔ میرزا نے معقول عذر پیش کیے، جنھیں کرنل نے بے تامل قبول کر لیا۔

مار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ تلنگے باہر جانے دیتے، گورے گولی نہ مارتے۔ میری صورت کو دیکھیے، میرا حال معلوم کیجیے۔ بوڑھا ہوں، ہاتھ پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا، نہ اڑائی کے لائق، نہ مشورت کے قابل۔ دعا کرتا، سو یہاں بھی دعا کرتا رہا۔

کرنل صاحب ہنسے اور فرمایا: اچھا تم اپنے گھر جاؤ۔ باقی اہل محلہ سے غرض نہ رکھو۔ میں خدا کا شکر بجا لایا اور کرنل برون کو دعا دیتا ہوا اپنے گھر آیا۔

میرزا غالب کے خود نوشت سوانح

میرزا غالب نے اپنے حالات اردو اور فارسی میں کئی جگہ لکھے ہیں سوانح کا یہ خاکہ خود ان کے قلم سے ہے۔ میرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ خاکہ مولانا احتشام الدین دہلوی کے بیان کے مطابق ان کے والد مولانا انوارالحق نے، ڈاکٹر عبدالرحمان مرحوم بجنوری کو دیا تھا وہ ان سے کام نہ لے سکے تو یہ خاکہ مولانا عبدالحق مرحوم بابائے اردو کے پاس پہنچ گیا۔ ساتھ میرزا غالب کی ایک تصویر بھی تھی۔

اسداللہ خاں غالب تخلص، قوم کا ترک سلجوقی سلطان برکیارق(۱) سلجوقی کی اولاد میں سے۔ اس کا دادا قوقان بیگ خاں شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی میں آیا۔ پچاس گھوڑے اور نقارہ نشان سے بادشاہ کا نوکر ہوا (۲)۔ پہاسو(۳) کا پرگنہ، جو اب سمرو کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا۔ وہ اس کی جاداد مقرر تھا (۴)۔

---

(۱) برکیارق بن ملک شاہ بن الپ ارسلان ۱۰۹۴ء سے ۱۱۰۴ء تک سلجوقی سلطنت کا فرمانروا رہا۔

(۲) بعض بیانات میں بتایا گیا ہے کہ دادا پہلے معین الملک عرف میر منو کے پاس لاہور میں رہا۔ یہ زیر غور بیان کے منافی نہیں، اجمال و فیصل کا فرق ہے۔

(۳) ضلع بلند شہر (یو پی ہندوستان)۔

(۴) یعنی جب تک دادا بادشاہ کا غلام رہا۔ پہاسو اس کی جاگیر تھا بعد میں یہ بیگم سمرو کو مل گیا۔

باپ اسداللہ خاں مذکورہ کا عبداللہ بیگ خاں (رفیق ہوا راؤ راجہ بختاور سنگھ راجۂ الور کا اور وہاں ایک لڑائی میں مارا گیا) (۱)۔ دلی کی ریاست چھوڑ کر، اکبر آباد میں جا رہا۔ اسداللہ خاں اکبرآباد میں پیدا ہوا۔ سال ولادت ۸- رجب ۱۲۱۲ھ ہجری یک شنبہ(۲)۔

عبداللہ بیگ خاں الور میں راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا اور وہاں ایک لڑائی میں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا، جس حال میں کہ اسداللہ خاں مذکور پانچ چھ برس کا تھا۔ اس کا حقیقی چچا نصراللہ بیگ خاں مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب اکبر آباد پر آئے تو نصراللہ بیگ خاں نے شہر سپرد کر دیا اور اطاعت کی۔ جرنیل صاحب نے چار صد سوار کا برگڈیر مقرر کیا (۳) اور ایک ہزار سات سو کی تنخواہ مقرر کی۔ پھر جب اس نے اپنے زور بازو سے سونک سونسا (۴) دو پرگنے بھرت پور کے قریب ہولکر کے سواروں سے چھین لیے، جرنیل صاحب نے وہ دونوں پرگنے بہادر موصوف کو بہ طریق استمرار عطا فرمائے۔ مگر خان موصوف جاگیر مقرر ہونے کے دس مہینے بعد بہ مرگ ناگاہ ہاتھی سے گر کر مر گیا۔ جاگیر سرکار میں بازیافت ہوئی اور اس کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔ اور شرکأ کو دے دلا کر ساڑھے سات سو روپے سال اس شخص کی ذات کو اوس زر معافی میں سے ملتے ہیں۔

اوس نے شاعری میں بڑا کمال پیدا کیا۔ نہ فقط شعر بلکہ نثر نگاری میں بھی دستگاہ رکھتا ہے۔ نثر کی تین کتابیں ''پنج آہنگ''، ''مہر نیمروز'' اور

---

(۱) جو عبارت قوسین میں ہے وہ لکھ کر قلم زد کر دی گئی۔

(۲) پہلے حاشیے پر صرف سال ولادت لکھا تھا۔ یعنی ۱۲۱۲ھ پھر خفی قلم سے ابتدا میں ''۸- رجب''، آخر میں ''یک شنبہ'' کا اضافہ کیا گیا۔

(۳) یعنی نصراللہ بیگ خاں کو۔

(۴) اب سونک اور سونسا ضلع متھرا میں شامل ہیں۔

''دستنبو''، فارسی نظم کا کلیات دس ہزار بیت کا بالفعل اودھ اخبار لکھنؤ میں چھاپا ہوا۔ گورنمنٹ میں اس کی بڑی عزت ہے۔ اشرفیوں کے عوض قصیدۂ مدح نذر دیتا ہے (۱) اور سات پارچے، جیغہ، سر پیچ، موتیوں کی مالا خلعت پاتا ہے۔

ﮦ

اب کے بار جو لاہور میں لاٹ صاحب کا دربار ہوا(۲) تو موافق سابق کے دو چار درباروں کی فہرست کے صاحب کمشنر بہادر حصار نے کہ دریں ولا قائمقام صاحب کمشنر دہلی بھی ہیں مثل، اور رئیسوں کے اور رئیس زادوں کے، اس کو بھی (۳) خط لکھا۔ بیچارہ بہ سبب تہی دستی اور بے مقدوری کے لاہور نہ جا سکا۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ستر برس کا آدمی، کانوں سے بہرا ہوں اور اکثر بیمار رہتا ہوں، لیکن اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو ان عوارض کو نہ مانتا اور بے شک لارڈ صاحب کے دربار میں حاضر ہوتا (۴)۔

خیر آخری عمر میں یہ ایک داغ حسرت رہا۔ حق بات کو ظاہر نہ کرنا خدا پرستی و حق شناسی کے خلاف ہے۔ اس شخص نے ۱۸۵۵ء کے آخر میں قصیدۂ مدح ملکہ معظمہ ولایت کو بہ سبیل ڈاک لارڈ الن برا گورنر سابق کی معرفت بھیجا ہے اور اوائل ۱۸۵۶ء میں تین خط انگریزی بے واسطہ انڈیا گورنمنٹ ولایت سے اس کو ڈاک میں آئے

---

(۱) مطلب یہ کہ جاگیردار تو اشرفیاں یا روپے حاکم اعلیٰ کو بطور نذر دیتے تھے۔ میرزا کے لیے صرف قصیدۂ مدح نذر مقرر ہے۔

(۲) بتایا گیا ہے کہ یہ دربار ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا۔

(۳) یعنی میرزا کو بھی۔

(۴) اپنے حالات خود بہ صیغۂ غائب لکھے ہیں۔

ھیں (۱) - اب ھم تینوں خطوں کے خلاصے لکھ کر اس ذکر کو ختم کرتے ھیں - (۲)

مُہر

نجم الدولہ دبیرالملک نظام جنگ

---

(۱) معلوم ھوا ھے کہ میرزا نے ملکہ وکٹوریا کی مدح میں پہلا قصیدہ ۱۸۵۵ء میں لکھا تھا ، جسے کلیات فارسی میں ''بست نہیں،، قرار دیا گیا ھے اور یہ لارڈ ایلن برآ سابق وائسرائے کی معرفت بھیجا گیا تھا - اس کے آخر میں فرماتے ھیں :

آں باد و زود باد کہ کاک دبیر خاص
آوازۂ نوازش من در جہاں دھد
آں باد و درخور است کہ فرماں دھی کنم
بر یک دو دہ کہ گنگ بہ ھندوستاں دھد

یہی قصیدہ ھے جس پر ولایت سے ایک خط میرزا کے نام آیا کہ خطاب ، خلعت اور پنشن کی تجویز منظور ھے - یہ خط جنوری ۱۸۵۷ میں ملا - تین مہینے اس انتظار میں گزر گئے کہ کیا کچھ ملتا ھے - یکایک ۱۸۵۷ء کا ھنگامہ شروع ھو گیا اور وہ دور ھی باقی نہ رھا ، جس میں امیدوں اور آرزوؤں کی ایک دنیا بسائی گئی تھی -

(۲) خطوں کے خلاصے نہیں دیے گئے -

جہاں خط پر مُہر کٹی گئی تھی ، میرزا نے اس کے سامنے خفی قلم سے ایک عبارت لکھی تھی جو پوری پڑھی نہیں جاتی - جو حصہ پڑھا گیا وہ یہ ھے - :

اور ایک مثنوی غزوات رسالت مآب میں بہت عمدہ اور بہت طویل لکھ چکے .... حد سے زیادہ ھوں گے -

نامۂ غالب

بنام مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد پیربیگ دلی میں رہتے تھے ، پھر ترک وطن کر کے سردھنہ ضلع میرٹھ میں مقیم ہو گئے ۔ رحیم بیگ سردھنہ میں پیدا ہوئے ، پھر میرٹھ چلے آئے اور حکیم بو علی خاں سے علوم ضروری حاصل کیے ۔ مولانا مرتضیٰ حسین نے لکھا ہے کہ حکیم صاحب نے رحیم بیگ کو متبنیٰ کر لیا تھا ۔ شاعری میں مولوی محمد بخش ناداں بریلوی کے شاگرد ہوئے ۔ ابتدا میں شرر تخلص کرتے تھے ۔ پھر استاد کے مشورے سے رحیم تخلص اختیار کر لیا ۔ (''ادبی خطوط غالب،، و ''سخن شعرا،،) حکیم احسن اللہ خاں کی فرمایش پر قصص الانبیاء کو نظم کیا ۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ایک مثنوی ''دعوت حاتم،، کے نام سے اردو میں لکھی تھی ، جو ۱۲۶۶ھ میں چھپی ۔ اس کے کل ایک سو گیارہ شعر تھے ۔ میں نے طبع دوم کا ایک نسخہ دیکھا ہے ۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی تھی ۔ میرٹھ میں معلمی ذریعہ کسب معاش تھا ۔ رحیم بیگ نے ''قاطع برہان ،، کے جواب میں ''ساطع برہان،، لکھی تھی ، جو ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) میں مطبع ہاشمی نے چھاپی ۔ اس کی ضخامت ۱۷۴ صفحے ہے ۔ اسی کے جواب میں میرزا نے ''نامہ غالب،، لکھا تھا ، جس کے تین سو نسخے مطبع محمدی دھلی میں چھپوا کر اپنے دوستوں میں تقسیم کیے تھے ، بعد ازاں یہ نامہ ''اودھ اخبار،،

کی دو اشاعتوں (۱۰- اکتوبر اور ۱۷- اکتوبر ۱۸۶۹ء) میں من و عن شائع ہو گیا۔

بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نوراللہ قلبہ، بالاسرار، عینہ بالانوار سخنے چند گفتہ میشود :

نہ در منطق پارسی و دری
همیں هندی ساده و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ما سوائے اللہ دستور ہے ، مجھ کو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں ، قصد مجادلہ نہیں۔ سر تا سر دوستانہ حکایت ہے، خاتمے میں ایک شکایت ہے۔ شکوۂ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں۔ معہذا اظہار درد دل مراد ہے ، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی(۱) کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ ان کے حسن ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے استاد (۲) کا نہ لکھا اور اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ بقول غالب ''باکدام خرس در جوال شدہ ام(۳)،، بہم کیے یا اور دو چار جگہ کلمۂ توہین رقم کیے، میں نے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے پہلے فقرے کا مفہوم یوں اپنے دلنشین کیا کہ حضرت نے محمد حسین دکنی جامع ''برہان،، کو موافق میرے قول کے ''خرس،، یقین کیا یا ''خرس در جوال شدن،، عبارت ہے صحبت سے، خواہی

---

(۱) مولف ''محرق قاطع،،، جو محرم الحرام ۱۲۸۱ھ/ جون ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں میرزا کو جابجا ''مرزا اسداللہ غالب،، لکھا گیا تھا حالانکہ میرزا کا پورا نام ''اسداللہ بیگ خاں غالب،، تھا۔ خطابات شاہی یعنی ''نجم الدولہ دبیرالملک نظام جنگ بہادر،، اس کے علاوہ تھے۔ غالباً اسی بناء پر میرزا نے آدھا نام لکھنے کا شکوہ کیا۔

سید سعادت علی راجپوتانہ ریزیڈنسی میں میر منشی تھے پنشن لے کر دہلی آ گئے تھے۔

(۲) مولانا عبدالصمد پارسی جن کا نام اسلام لانے سے پیشتر ہرمزد تھا۔

(۳) عبارت ''ساطع برہان،، (ص ۱۱۷)۔

مدافعت کے واسطے ہو، خواہی محبت سے۔ مجھ کو اس کا قرب بسبیل آویزش ہے، تم کو اس کا قرب از روے آمیزش ہے۔ دوسرے فقرے کے معنی یہ ٹھہرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کو مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی اور وہ کوفت باعث درد دل ہوئی۔ شدت درد میں آدمی چیختا ہے، چلاتا ہے، ہاے واے کرتا ہے، غل مچاتا ہے، جیسا کہ سعدی بوستاں کی اس حکایت، میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے:

شبے زیت فکرت همی سوختم

فرماتا ہے:

کہ ناچار فریاد خیزد ز درد

جناب میرزا صاحب! کیا تم نہیں جانتے؟ بے شبہ جانتے ہوگے کہ اکابر امت کو امور دینی میں کیا کیا منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر یک دیگر پہنچی ہے۔ اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے شخص کا معتقد نہ ہوا، یہاں تک کہ اس کی تحمیق (۱) بھی کی تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے جگر تشنۂ خون کیوں ہو جائیں؟ اور جب تک اس کا نقش ہستی صفحۂ دھر سے نہ مٹائیں، آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے ''قاطع برہان،، میں لکھا ہے، نہ اس کو سمجھتے ہیں اور جو کچھ آپ لکھتے ہیں، نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں۔ ''سوال دیگر جواب دیگر،، پر مدار ہے۔ خارج از بحث اقوال کی تکرار ہے۔ ''برہان قاطع،، والے کی محبت سے دل بے قرار ہے۔ فرط غیظ و غضب سے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی نہ ناظم ہے، نہ نثار ہے۔ بموجب اس مصرع کے:

مقتضاے طبیعتش این است

ناچار تم کو معرض تحریر میں تحمل و تامل چاہیے، نہ سخن پروری و جانب داری میں توغل چاہیے۔ بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر پہلے یہ تو جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے۔

---

(۱) احمق قرار دینا۔

اگرچہ ''قاطع برہان،، میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے (۱) لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں، سب ہندی نژاد ہیں۔ ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدر تحصیل مسلم اور استاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں۔ جس نے چاہا ہے، اس نے استاد سے ان کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کے جو فرہنگ ان حضرات نے لکھے ہیں، مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور اس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے؟ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعۂ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم و تعلم ہے، پھر کتب و قواعد کے جابجا حوالے ہیں۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کس نے لکھا ہے اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضل عجم سے پڑھا ہے؟

شیدائے (۲) ہندی سیکروی نے حاجی محمد جان (۳) قدسی علیہ الرحمۂ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے۔ مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۂ نے شیدا کو خط لکھا ہے۔ سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں ''صحرا،، و ''دریا،، قافیہ اور ''برساند،، ردیف ہے۔ شعرِ اخیر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ہے:

یعنی بہما دیو مقوی برساند

---

(۱) ہندی کی چندی کرنا: خوب سمجھانا۔ سہل کو اور زیادہ سہل بنا کر پیش کرنا۔

(۲) ملا شیدا کا والد یقیناً ایرانی تھا، لیکن خود شیدا فتح پور سیکری میں پیدا ہوا اس وجہ سے غالب نے اسے سیکروی لکھا (وفات ۱۰۵۲ھ - ۱۶۴۱ء)۔

(۳) محمد جان قدسی، عہد شاہ جہانی کا شاعر، جس نے شاہ نامہ بھی نظم کیا تھا۔ ۱۶۴۶ء میں بہ عارضہ اسہال لاہور میں فوت ہوا۔ اقربا میت مشہد لے گئے۔

خلاصۂ مضمون خط یہ کہ تو صاحب زبان نہیں ہے ، زبان دان ہے ، یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے ۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ ؟

کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور موتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے ؟ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا ۔ مولانا جمال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب ہوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہوا ہوں ، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی کی اور ترکیبیں سنتا رہا ہوں ۔ فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے ، وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے ۔ حضرف عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف ، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیرزالوں کا ہے ۔

ہائے تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلمرو ہند کے صاحب کمالوں کا ہے قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو ۔ مجرد تقدم زمانہ کا اعتبار دیکھو ۔ مانا کہ تحصیل علوم عربیہ میں ان سے کمتر ہے ، صاحب زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے ۔ کیا عرفی ، کیا انوری ، کیا خاقانی ، ایک شیرازی ، ایک خاوری ، ایک شروانی ۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے :

میری طرف سے جواب یہ ہے :

۱

ہر چہ از دستگہ پارس بہ یغما بردند
تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے ۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے ۔ مشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے ۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی مآب ہیں ، لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعوائے

زبان دانی کے باب (۱) ہیں؟ رہے فرہنگ لکھنے والے، خدا ان کے پیچ سے نکالے، اشعار قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے۔ وہ بھی نہ کوئی ہمقدم، نہ کوئی ہمراہ، بلکہ سو بسو پراگندہ و تباہ۔ رہنما ہو تو راہ بتائے، استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی، نہ استاد اصفہانی۔ زہے رگ گردن و خہے دعوی زبان‌دانی۔ میرا یہ قول خاص ہے، نہ عام ہے۔ مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع ''برہان،، کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید (۲) کی کیا شیخی اور میاں انجو (۳) میں کیا پیری ہے؟ قطب شاہ (۴) و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاے برتری ہے تو بے چارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری (۵) ہے۔

ایک لطیفہ ایک لطیفہ لکھتا ہوں، اگر خفا نہ ہو جاؤگے تو خط اٹھاؤگے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں، یہ سب

---

(۱) باب عربی میں دروازے کو کہتے ہیں لیکن فارسی و ترکی میں یہ لفظ شایان، درخور، اور لائق کے معنی میں مستعمل ہے۔ بارے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً میرزا غالب:

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب تبرد تھا

بہ معنی بارے:

یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

(۲) سید عبدالرشید ٹھٹوی صاحب منتخب‌اللغات و فرہنگ رشیدی وغیرہ (وفات ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء)

(۳) جمال‌الدین حسین بن شاہ حسین انجو شیرازی صاحب فرہنگ جہانگیری (وفات ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۶ء)۔

(۴) محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ (وفات ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء)۔

(۵) جعفر زٹلی عالمگیر کے زمانے میں بھی تھا۔ عالمگیر کا مرثیہ اس نے لکھا ہے۔ البتہ وہ فرخ سیر کے عہد میں مرا یا مارا گیا۔ غالباً اس سے لیے ''فرخ سیری،، کہا۔

کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں، توبتو اور لباس درلباس۔ وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤگے، چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا، مغز نہ پاؤگے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ، لباس ہی لباس دیکھو گے، شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو، ورق ہی نظر آئیں گے، معنی موہوم۔ ظرافت پر مدار تحقیق نہیں ہے۔ آپ کے خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے دلنشیں ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط ہے، البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ خصوصاً دکنی (۱) تو عجیب جانانہ ہے، لغو ہے، پوچ ہے، پاگل ہے، دیوانہ ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یاے اصلی کیا ہے اور یاےزائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کی جانب داری میں فائدہ کیا ہے؟ خدا جانتا ہے؟ کہ میں یک رنگ ہوں، مگر دکنی کے جانب داروں کا چورنگ(۲) ہوں۔ مجھے جو چاہو سو کہو، اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو؟ کہیں جامع ''لطائف غیبی،،(۳) کو برا کہتے ہو، کہیں نگارندۂ ''دافع ہذیان،،(۴) سے جھگڑتے ہو۔ جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اس کی رائے کی کجی، اس کے قیاس کی غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ، بعض جگہ سچ جانتے ہو، مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اتنی محنت کرنی اور اس کے رفع تخطیہ (۵) کے واسطے توجیہات باردہ ڈھونڈھنی کس واسطے؟ ایسا اس کو کیا مانتے ہو؟ مجھ پر

---

(۱) محمد حسین مولف ''برہان قاطع،،

(۲) چورنگ بہ معنی مقتول یا مجروح، ہدف شمشیر۔

(۳) ''لطائف غیبی،، میرزا نے خود لکھی تھی، لیکن میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھپی اور اسی کتاب پر میرزا نے سیاح کو سیف‌الحق خطاب دیا تھا۔

(۴) مولوی نجف علی صاحب ساکن جھجھر، ضلع رہتک

(۵) خطاؤں اور غلطیوں کو رفع کرنا۔

جدا منہ آتے ہو۔ مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب، مغلچہ پن پر آ گئے، گوہار (۱) لڑتے ہو۔

اپنی غلطیوں کا اعتراف سچ ہے غالب آگندہ گوش (۲) ہے کسی کی نہیں سنتا۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدہ کے موافق حلف کہتا ہوں کہ تم نے "قاطع برہان"، و "دافع ہذیان"، و "لطائف غیبی"، کو ہرگز نہیں دیکھا۔ "آویزہ"، و "افسوس"، کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار (۳) ہے۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا، وہ قول فیصل اور کافی ہے۔ مانیں یا نہ مانیں، ناظرین کو اختیار ہے۔

گلہری بکاف فارسی مکسور، بوزن الہری، لغت ہندی الاصل، اس کی شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کاف فارسی مکسور کی جگہ کاف عربی مفتوح، اعراب کا بوزن تشتری وضوح۔ مجھے اور میرے دوست سیف الحق کو دو سہو طبعی پر استعذار (۴)، ہوا خواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

خرہ بے واؤ بہ معنی نور اور خورہ مع الواؤ بہ معنی جذام، ویزہ بہ معنی پاک اور اویزہ بہ معنی ناپاک، ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور منظور، گویا یہ مصرع جو حمد میں ہے:

کند ہر چہ خواہد برو حکم نیست

---

(۱) ایک آدمی کا بہت سے آدمیوں سے لڑنا۔

(۲) آگندہ کے معنی ہیں "بھرا ہوا"۔ آگندہ گوش: وہ شخص جو کسی کی نصیحت نہ سنے۔

(۳) ملاحظہ ہو "لطائف غیبی"، ص ۱۲۔

(۴) عذر طلبی۔

اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے ۔ چشم بد دور اب چاہیے کہ اس کو پوجنے والے اس کے نام کے بعد جل جلالہ لکھیں اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر بافادہ و استفادہ عم نوالہ لکھیں ۔ ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا، جمعیت کم، تفرقہ زیادہ اور پھر خود داری اور کسر نفس اور استغنا خدا داد ۔ بیہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں؟ پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ و حرف بحرف کروں؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے خوردہ گیری و عیب جوئی سے ۔ مجھ کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ گوئی سے ۔ آپ کے حسن کلمات طیبات سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موعودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں ۔

لفظ صیحہ | ''صیحہ بہ معنی آواز اسپ زینہار نیست،،، اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے؟ جو صیحہ سے آواز اسپ مراد رکھے، وہ ناقص ہے اور خام ہے ۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر تمہارا ذہن وقّاد و نقّاد وہاں جا لڑا؟ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہور باز پرس میں پکڑا جائے؟ تمہارا محبوب بوہرہ دکنی شین منقوط مع التحتانی کے بیان میں شیہہ کو گھوڑے کے ہنہنانے کی فارسی بتاتا ہے ۔ عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو صہیل بوزن دلیل کہتے ہیں ۔ صیحہ بوزن بیضہ عموماً بہ معنی ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے ۔ میں کیوں کر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں؟ اور کیوں کر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں؟ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جماد اور نبات فرض کر لوں ۔ ''جرم و خطائے یوغ بر گردن بندگان جناب است (۱)،، میں آپ کو مخاطب

(۱) یہ مرزا رحیم بیگ کا فقرہ ہے (ساطع برہان ص ۱۷۰) غالب نے لکھا تھا کہ ''یوغ،، کو ''جوغ،، بھی لکھا گیا ہے ۔ مرزا رحیم بیگ نے کہا کہ ''ی،، ''ج،، سے بدل جاتی ہے ۔

بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں ۔ بعد اس کے تبدیل جیم به تحتانی کو نا مسموع کہتا ہوں ۔ یعقوب کو بہ تغیر لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں ۔ کہاں مبدل منہ ، کہاں تغیر لہجہ ۔ حضرت آپ جو کہتے ہیں ، خوب کہتے ہیں ۔ ''رید'' کو اور ''کود'' کو ترجمۂ طفل نہیں جانتے اور پھر خاتمہ میں ''ریدگان'' بصیغہ جمع لکھواتے ہو ۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیروے بصر نہیں بلکہ از روے سمع لکھواتے ہو (ساطع برہان صفحہ ۱۷۳) ۔

استغاثہ خط تمام ہوا اب مستغیث کی عرضی کی ساعت ہو ، لیکن ساعت از روے انصاف بالاے طاعت ہو ۔ عرضی گزراننے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمہ عالیہ کا سر رشتہ دار دیانت‌دار ہے یا نہیں ؟ سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں ؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو ۔ دلیل سن لیجیے ، اگر یقین نہ ہو ۔ صیحہ بہ معنی آواز اسپ زنہار نیست اس کے ما قبل اور بھی عبارت ہے ، سنانے والے نے نہ پڑھی ہو ، کتنا بعید ہے ۔ کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم (۱) پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں ، مگر جمال‌الدین عرفی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بہ تتبع کاتب غلط لکھوا دینا ، تم سے بسیا بعید ہے ۔ انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو ، املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو ؟ انشا و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہوا ؟ تقصیر معاف یہ نہ استناد بکلام عرفی عالی مراتب ہے ، بلکہ پیروی خامۂ کج رفتار کاتب ہے ۔

اپنی حالت کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ ، نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراغ ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری تھی تو یہ اپنا شعر اردو میرے ورد زبان اور اس ہنجار سے میں زمزمہ سنج فغاں رہتا تھا :

---

(۱) مولانا غنیمت صاحب نیرنگ عشق ۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو اصلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے :

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے ۔ جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے ؟ نہ صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا، پانی پی لیا اور چین سے سو رہے ۔ آدمی عموماً اور صاحبان ننگ و ناموس خصوصاً با وجود فراغ معاش ایسی جاں گداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے ۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے ۔ دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا جانے ؟ مناظرے کا تو ہرگز ارادہ نہیں ، اگر مردہ دل نہ ہوتا تو باتیں کہتا ، زیادہ نہیں ، وہ بھی نہ از روے بحث و تکرار، نہ بہ انداز استفسار ۔ اظہار سے مقصود نفس اظہار ۔

مولانا صہبائی یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے ، کتنے محققین نے آپ کو اپنا امام مان لیا ہے ؟ جب تک نہ اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب با جماع اہل عقل ناجائز و ناروا ہوگا ۔ وہ فرمانروائے عہد ، شہنشاہ کہلائے گا ، کئی بادشاہ جس کے فرمان پذیر ہو جائیں گے ۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا ، یہ میر ''شہنشاہ صاحب،، کیوں کر شاہجہاں و جہانگیر ہو جائیں گے ؟ اگر حضرت بہ فتح کاف ثانی تصیغۂ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور نرائن داس تنبولی دوسرا ہوتا ۔

ساطع برہان کی غلطیاں ''ساطع برہان،، کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں : ''و ہمچنیں بر افراط و تفریط توضیع را کار بند

نشده اند که بداں حرف گیری تواند کرد،، ۔ تواند توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے ۔ فاعل چاہتا ہے ، خواہی معرفہ جیسے احمد ، محمود ، خواہی نکرہ جیسے بہاں ، کسے یا شخصے ، مردے یا زنے اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں ''تواں کرد،، چاہیے کہ تواں سالم یسم فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں ، ہاں از روے حسن عقیدت کہتا ہوں کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ کسے بداں حرف گیری تواند کرد ''یا،، ''تواند،، کی جگہ ''تواں،، رقم فرمایا ہے ۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اٹھا لیا ۔

آب دہ دست | ''او اسداللہ داد خواہ جلد آ اور اپنی عرضی لا ،، ۔ ''حضرت آیا اور عرضی لایا،، ۔ ''پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی‌الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بکمال امانت و دیانت عرضی سناویں ،،

۱۔ عبارت برہان قاطع | ''آب دہ دست،، بکسر دال ابجد و ہاے ہوز ، اشارہ بحضرت رسول صلوات اللہ علیہ است خصوصاً و شخصے را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود ۔ آرایش صدر و زینت ازو باشد عموماً ۔

عبارت قاطع برہان | از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ آب دہ دست،، مرکب از ''آب،، و ''دہ،، کہ صیغہ امر است از دادن و ''دست،، کہ باوجود معانی دیگر مسند را نیز گویند ، معنی ترکیبی ''رونق دہندۂ مسند،، ۔ ہر آئینہ تا مسند را بطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگردانند بمقام لغت فرو نیارند ، بلکہ درمدح اکابر و صدور نیز بے اضافۂ لفظ امارت و شوکت و امثال اینہا نہ نگارند کہ تنہا آب دہ دست افادۂ معنی شویانندۂ دست میکند و آں خود اہانتے ست قبیح ۔ بیچارہ در نظم و نثر لغت آب دہ دست رسالت دیدہ است و نیمۂ مضمون را لغت اندیشیدہ است ۔

عبارت ساطع برہان | ''آب دہ دست خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب میرزاے من باشد ۔ کور سوادے ہمچو من گفتہ باشد ، بخاطر داشت

بطریق استعاره بالکنایه که سخنور بسا خون جگر خورده باشد تا در نظم و نثر خویش آورده باشد - سپس هر که این را در گفتار خویش آرد ، سرقه خواهد بود - از لغات مستقله و کنایه هاے مشهوره نیست که بکار دبیران روزگار آید - شیر خدا که ترجمهٔ اسداللہ است گوئی یکے از نامہاے جناب ولایت پناه است - صد هزار کس در کلام خویش آورده باشد و سرقه نیست - دکنی در بحث شین مع الیا ''شیر شرزۂ غالب،، اسم حضرت امیر علیه السلام نوشته و آں مضمونے ست که خاقانی در قصیده قسمیه بہمر سانده - ''شیر شرزه،، خود صفتیست عام که بر هر مرد شجاع و سرهنگ جنگ جو اطلاق تواں کرده ''غاب،، بہ معنی بیشه و نیستاں است - هر آئینه ایں صفت نه سزاوار شان اسداللہی باشد خاقانی خود بطریق تنزل گفته است - ایں چنیں صفت اسم کسے که بعد از خدا و رسول اورا به بزرگی تواں ستود ، چگونه روا تواند بود ؟ همچنیں آب ده دست درباب الف ممدوده اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ علیه قرارداده است و ایں لفظیست در غایت رکاکت (صفت لفظ : پس غالب منع کرتا ہے برهان دکنی کو که لفظ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نه کر) چناں که همدراں فصل مفصل نوشته ایم - مقصود ما اینست که ایں چنیں مضامین لغت مستقل و کنایه مقبول چرا قرار یابد و جز در شرح اشعارے که حاوی ایں کلمات باشد ، چرا نگارش پزیرد ؟ آعوذباللہ من الشیطان الرجیم -

''آب،، ترجمهٔ ماٗ کا ، هندی جس کی پانی اور بمعنی رونق لطف بھی آتا ہے اور اسلحه کی تیزی اور جواهر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں - ''دست،، ترجمه ''ید،، ہے - جس کی هندی هاتھ اور به معنی قسم و نوع اور به معنی مسند بھی مستعمل ہے - هم کو اس مقام میں آب بمعنی پانی اور دست به معنی هاتھ اور اس کی ترکیب یعنی آب دست اور اس کے مقلوب یعنی دست آب کے باب میں کلام ہے - آب دست بحرکت و سکون موحده عموماً ترجمه غسالهٔ ید ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں - تعمیم کی سند استاد کا شعر :

بے تکلف رو بساقی کن اگر دل خستهٔ
کابدست او شفا بخشش همه بیمار هاست

آن درج کتاب کرد، ورنه این کنایه قابل اعتراض نیست ـ چه ''آب ده دست،، جملهٔ ترکیبی ست ـ ''دست،، که در عربی و فارسی بمعنی مسنداست، مضاف و مضاف الیه محذوف باید دانست بلکه کلامیست مستقل مترادف بالا دست که معنی صدر و مسند و بزرگ قوم باشد ـ صاحب مویدالفضلا در لغت فارسیه این لغت را بسند دو کتاب که ادات(۱) وقینہ (۲)باشد، بهمین صورت و صحت بهمین معنی نگاشت و در ''مدار،، (۳) نیزو صاحب رشیدی آوُرده که آب ده دست به معنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آن رونق و صدر و مسند ـ

قوله ''بیچاره در نظم و نثر لغت آب ده دست رسالت دیده و نیمهٔ مضمون را لغت اندیشیده است انتهی،، اقول جامع این کنایه را در نظم و نثر بے اضافهٔ رسالت دیده است و همچناں در رشتهٔ تحریر کشیده است ـ خاقانی گوید :

دست آب ده مجاورانش ارزن ده برج کو ترانش

تبصره | پس گرداں جناب اگر فراموش نکنند در شرح کنایهٔ ماهی ''چشمهٔ خضر،، در باب المیم جویند که میگویند که آب ده دست استعاره برائے آنحضرت؁ از خاقانی خالی از رکاکت نیست ـ وائے برین عقیدت که او را به پیمبری برداشتند و باز به نسبت رکاکت سر نگوں انداختند ـ

۲- عبارت برهان قاطع | ما هوچی شمهٔ خضر کنایه از زبان و دهان معشوق است ـ

قاطع برهان | یارب ماهوچی شمهٔ خضر کدام لغت است من در کتاب منطبعه بدین صورت دیده ام :

قلندر هر چه گوید دیده گوید

در ضمیر میگنرد که ماهی چشمهٔ خضر خواهد بود و آن خود مضمونیست

---

(۱) ''ادات الفضلا،، ، لغت کی ایک کتاب ـ

(۲) ''قنیۃ الطالبین،، ، لغت کی ایک کتاب ـ

(۳) مدارالفضلا ـ

تخصیص کی سند ''نام حق،، کی بیت :

آبدست و نماز باید کرد   دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں ؟ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں - پس ''آب ده دست،، اور ''دست آب ده،، کے معنی وضو کرانے والا ، ہاتھ دھلانے والا - آب به معنی رونق اور دست به معنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال - یہ تو میرا قول ہے کہ ''آب ده دست رسالت،، رسول کو کہہ سکتے ہیں - ایک بے ادب فقط ''آب ده دست،، کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں - منشی سعادت علی کو نہ علم ، نہ فہم - اس نے اس قباحت کو نہ جانا - میرزا رحیم بیگ صاحب ! افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں ''قاطع برھان،، والے کے قول کو کیوں کر مانا ؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف‌الانبیا علیہ و آلہ‌السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیمبر کو ایسا کہے ، وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے - بلکہ مخالفین بھی ، جو مسلمان اپنے پیمبر کو برا کہے ، اس کو برا جانیں گے ، یقین ہے - پس پیمبر کا ''آب ده دست،، نام رکھنے والا مورد لعنۃ‌اللہ و ملائکتہ والناس اجمعین ہے -

اشعار خاقانی کی شرح | خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ یہ شعر قطع بند اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے - پہلے پوچھتا ہوں کہ دست آبدہ کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آنحضرت صلی‌اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا ؟ جب اس مصرع کی رو سے :

دست آب ده مجاورانش

''دست آب ده،، پیمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق :

ارزن ده برج کوترانش

''ارزن ده،، کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا - سبحان‌اللہ ! جہاں مصطفیٰ و مجتبیٰ رحمۃ‌للعالمین و خاتم‌المرسلین آپ کے القاب ہیں وہاں

''آب دہ دست،، بھی آپ کا لقب ٹھہرایا - میرزا جی میں ترک جاھل ہوں، بجا ھے - اگر مجھ کو گالیاں از روئے عتاب دوگے، خدا کے واسطے پیمبر کو کیا جواب دوگے؟ بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ھے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ھے:

روح از پئے آبروے خود را خلد از پئے رنگ و بوے خود را
دست آب دہ مجاورانش ارزن دہ برج کوترانش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں را لفظ زائد، پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق - نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ھے- ''روح از پئے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از پی رنگ و بوے خود ازرن دہ کبوتران اوست،، - یہ دونوں شعر کعبۂ معظمہ کی تعریف میں اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع -

اس اظہار کی تصدیق ''تحفۃ العراقین،، سے کیجیے اور ھندی کی چندی غالب سے سن لیجیے - روح اپنی افزایش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ھے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ و بو کے واسطے دانہ کھلاتا ھے کعبہ کے کبوتروں کو - وضو کا پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ھے - خدا کے واسطے مخدوم کونین کو خادم کہنا مدح ھے یا مذمت ھے؟ معہذا خاقانی کے مصرع سے دست آبدہ پیمبر ص کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ھے - خاقانی نے روح کو آبدست دہ کا فاعل مانا، تم نے پیمبر ص کو معاً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز جانا؟

''قافلہ شد،، یعنی ''قافلہ رفت،، یعنی ''قافلہ سالار رفت،، یعنی ''رسول مقبول رحلت کرد،، ، بہ قاف مع الالف میں کلام اسی مستہین رسول ص کا ھے- ''دست آبدہ،، کی شرح میں تحقیر اور ''قافلہ شد،، میں استہزا ھے - ''برہان قاطع،، والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھا ھے تو احمق ھے اور اگر

سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میرے خونابۂ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھیے۔

تبصرہ مندرجہ حاشیہ ''ساطع برہان،، کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرۂ اخیر کو ''باز در نشیب رکاکت سرانداختند،، کس کا لکھنا بتاتے ہو۔ ؟

مولوی فضل حق خیر آبادی کا بیان

سنو، فخرالفضلا و ختم العلما امیرالدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علما کی اس پر مہریں ہیں۔ اس رسالے میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی، حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپ کی ردا میلی تھی، اگرچہ اس وقت میں ہو، لیکن چونکہ ایک گونہ سؤادب اور اہانت ہے۔ حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ دارالحرب ہے۔ پس موجب فتوائے علمائے اسلام فقرۂ مذکورہ کا لکھنے والا کفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب سے سوا ہے۔

خیر، عقبیٰ میں خالق کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا مطعون ہوگا، مجھ کو کیا؟ مجھے تم پر ہنسی آتی ہے، بعضی بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو آبدست دہ مجاوران حرم کہتا ہے، تم کہتے ہو کہ خاقانی ''دست آبدہ،، اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے۔ مولوی امام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا، مگر طریقۂ استنباط معنی نہ بتایا۔ میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے اس کے سوا کہ ''خاقانی بطریق تنزل گفتہ است،، اور کیا کہا ہے، جو مجھے برا کہتے ہو؟ وہ بھی ذکر ''شیر شرزۂ غاب،، میں نہ ''دست آب دہ،، کے باب میں۔ اس نے جناب امیرالمومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری

لکھا، میں نے قبول نہ کیا اور اس کے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ آنحضرت کو اس نے ''آب دہ دست،، یا ''دست آب دہ،، کہاں لکھا اور کیوں لکھتا؟ نہ احمق تھا، نہ بے ادب۔ جب اس نے نہیں لکھا تو میں اس سے کیوں الجھوں اور کب الجھا؟ نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔ آب دہ دست،، کے پردے کھل گئے۔ بے اضافہ لفظ آخر ''دست،، بمعنی ''مسند،، نہ آئے گا۔ ''آب دہ دست،، ہاتھ دھلانے والا کہلائے گا۔

ہاں ایک طور ہے۔ تم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے۔ میں بطریق ابلغ و احسن لکھتا ہوں، یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور و سادہ و مسند امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر سلطان کو زیب افزے اورنگ بے اضافۂ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند بے افزایش لفظ امارت لکھو۔ انبیاء خصوصاً سیدالانبیا مسند پر کب بیٹھے تھے؟ ان کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمۂ ''الفقر و فخری،، بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر، نمد، گلیم، ردائے صحابہ، سطح خاک۔ میں مومن مجرم اپنے اس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدح مجمل ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن قول فیصل ہے، آبدہ دست و زینت بخش مسند کیوں کر سمجھوں؟ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح و طبع سلیم گوارا نہ کریں گے کہ وہ صفت عام جو دنیاداروں کے واسطے ہے، قبلۂ دین و دنیا پر صادق آئے۔ دکنی اور اس کے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔

ایہاالاخ المکرم! ''فضلہ خوار،، جواب ہے ''ہرس گردان،، جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں۔ یقین کہ آپ نے اب تو از روئے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری عسس المحققین خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس امر کا کہ ''آب دہ

دست،، میں اگر ''آب،، سے پانی اور ''دست،، سے ھاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر ص سمجھنا کتنی بے ادبی ھے اور اگر ''آب،، کو بمعنی ''رونق، اور ''دست،، کو بمعنی ''مسند،، مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ھدایت حضرت ص کو اس ترکیب کا مشارٌ الیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ھے۔ ''آبدہ دست،، ، ''رونق بخش مسند،، صفت ھے عموماً منعمان مالدار کی، یہاں تک اس اصطلاح سے تعریف کر سکتے ھیں صرافان و ساھوکاران بلاد و امصار کی۔

ختم کلام میں اب قطع کلام کرتا ھوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ھوں۔ پیغمبر ص کی تحقیر کو مسلم رکھتے ھو ، تم جانو اور سید ابرار، خاقانی پر بہتان کرتے ھو ، تم جانو اور وہ میدان معنی کا شہسوار۔ مجھ کو جس قدر تم نے لکھا ھے یا کوئی اور لکھ رہا ھے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ھے ، معقول اور راست نہیں ، لیکن واللہ مجھ کو عرصۂ محشر میں اس کی بازخواست نہیں :

زیمن عشق بکونین صلح کل کردیم
تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور